اشاعت خاص
ماہنامہ
القاسم

تذکرہ و سوانح

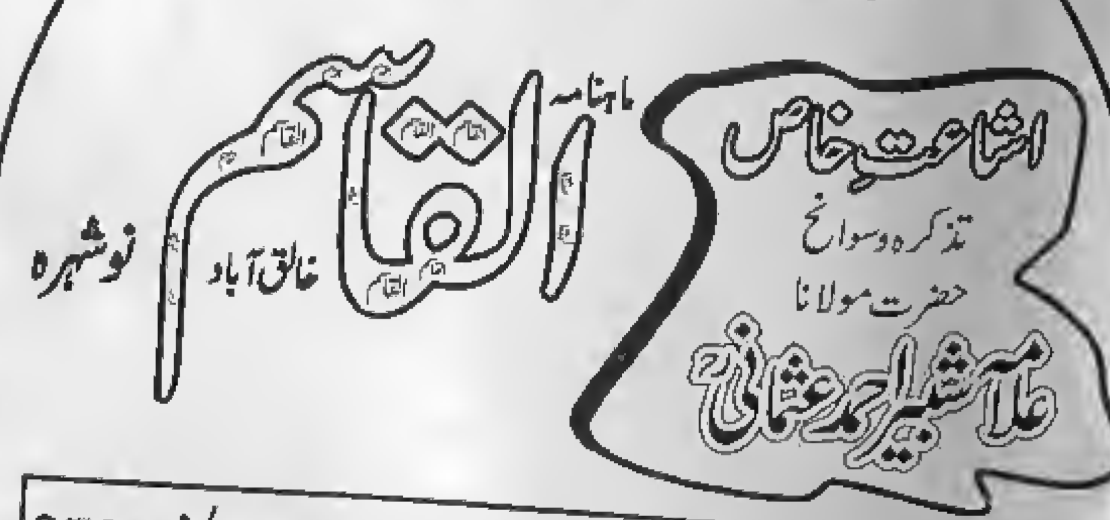
علامہ شبیر احمد عثمانی

زیر سرپرستی!
مولانا عبد القیوم حقانی

جامعہ ابوھریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ



عالمی اسلامی تحریکوں اور جامعہ ابوہریرہ کا ترجمان



جلد 9 / رمضان، شوال، ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ / اکتوبر، نومبر، دسمبر 2005ء / شمارہ 8،7،6

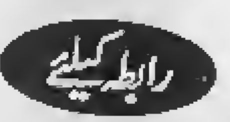
زیر سرپرستی

مولانا عبدالقیوم حقانی

☆☆☆

مدیر مسئول

حافظ محمد قاسم



جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس
خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

بدل اشتراک

سالانہ	150 روپے
فی شمارہ	15 روپے
بذریعہ وی پی	180 روپے
بیرونی ممالک	30 امریکی ڈالر

☆☆☆

بذریعہ ڈرافٹ / چیک

اکاؤنٹ نمبر 8-21399
حبیب بینک نوشہرہ کینٹ

☆☆☆

فون نمبر
(0923)630237
فیکس : 630094

جملہ حقوق بحق القاسم اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب ...... علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نمبر

تالیف ...... مولانا عبدالقیوم حقانی

کمپوزنگ ...... جان محمد جانؔ رُکن القاسم اکیڈمی

ضخامت ...... 439 صفحات

تاریخ طباعت ...... ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ/جنوری 2006ء

ناشر ...... القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی

☆ مولانا سید محمد حقانی، مدرس جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی

☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

☆ مکتبہ بخاری، صابری مسجد گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ، لیاری کراچی

☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب، جامعہ ابوہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے



فہرستِ مضامین

❀❀❀

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی

ہدیۂ تبریک

مجلہ "القاسم" کی خصوصی اشاعت "شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ" پر منظوم تاثرات

اور برادر محترم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو ہدیۂ تبریک

انتخاب اک سب بے مثیل و بے شراکت لاجواب — شیخ عثمانیؒ پہ آئی یہ اشاعت لاجواب
وہ تکلم اور تفقہ میں امامِ وقت تھے — علمِ قرآنی میں تھی ان کی مہارت لاجواب
تھی حدیثِ مصطفیؐ میں چار سو بھی ان کی دھوم — وہ خطیب بے بدل ان کی فصاحت لاجواب
ان کے احسانات ہیں ملک و وطن پر بے شمار — ان کی محنت بہر اسلامی ریاست لاجواب
یہ مجلۂ خصوصی جہدِ حقانیؔ سے واہ — دیدہ زیب و خوبصورت پُرشہامت لاجواب
تحفۂ علمی ہے بہر تشنگانِ علم و فن — ایک اکسیرِ نمایاں وجہِ فرحت لاجواب

پیش کرتا ہے یہ فانیؔ ہدیۂ تبریک آج
اس محبت کو سلام و یہ عقیدت لاجواب

☆ ☆ ☆ ☆



حرفِ آغاز

الحمد لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلام على خاتم الرسالة. امابعد!

پیشِ نظر خصوصی اشاعت "علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نمبر" ہے۔ مقصد شخصیت پرستی نہیں اور نہ کسی بزرگ کی پوجا پاٹ کی دعوت ہے، اصلی ارادہ، نیت کا تعلق اور شعور یہ ہے کہ حضرت علامہ عثمانیؒ کی زندگی میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا تذکرہ اور جن کا تحریری شکل میں محفوظ کر دیا جانا لوگوں کے لئے مفید، بلکہ بے حد مفید ہوگا، جو اُمت کے لئے ایک مستقل نصیحت اور وصیت کا کام دے گا۔ اسی لئے اس کی پوری احتیاط کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں جو کچھ چھپے، اس کا اصلی رُخ اسی افادیت کی طرف ہو، تاہم اگر جگہ جگہ غیر ارادی طور پر قابل تقلید اور قابل استفادہ باتوں کے حوالہ سے کسی شخصیت کا تذکرہ ہوا اور اس کی بڑائی اور عظمت کا کوئی پہلو اس تذکرے سے پیدا ہوا تو اس کے لئے ذہن نے اس آیت سے تسلی پائی۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (منافقون:۸)

اور عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے۔

خصوصی اشاعت کے مضامین، انتخاب، افادیت اور نافعیت کیسی ہے یہ فیصلہ تو خود

قارئین پڑھ کر کریں گے۔ ہم خدام کے لئے یہی باعث سعادت ہے کہ اپنی بے بضاعتی ناتجربہ کاری اور وسائل کی شدید قلت کے باوصف جیسے تیسے بن سکا ''حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ'' پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کر ڈالا ....

هنيئًا لارباب الكمال كما لهم   و للعاشق المسكين ما يتجرع

اکتوبر 05ء سے دسمبر تک القاسم کی اشاعتیں نمبر کی نذر ہو گئیں اور الحمد للہ جنوری 06ء کے شروع میں تین ماہ کے پرچوں کے عوض ایک ضخیم اور عظیم تاریخی دستاویز نذر قارئین ہے۔ قارئین کے خطوط' انتظار اور اشتیاق' القاسم کی اشاعت میں التوا و تاخیر' قارئین کی طرح ہم خدام کے لئے بھی صبر آزما تھے۔

مگر ایک اندازہ یہ بھی ہوا کہ ماہنامہ القاسم سے عام قارئین سمیت علماء' مشائخ' اساتذہ اور اکابر کو بھی خصوصی تعلق خاطر ہے کہ وہ بار بار فون پر' خطوط سے اور پیغامات سے رابطے میں رہے۔ تا آنکہ خصوصی نمبر آج ان کی نگاہِ محبت کا منظورِ نظر ہو رہا ہے۔

ناسپاسی ہوگی کہ اس خصوصی اشاعت کے سلسلہ میں تعاون کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری' مصنفِ کتبِ کثیرہ کا تذکرہ نہ کیا جائے' جنہوں نے مضامین کی فراہمی' انتخاب اور ترتیب میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ اسی طرح القاسم اکیڈمی کے رکن جناب شفیق عالم کشمیریؔ، مولانا سلیم بہادر مانکوتی' سلطان القلم سلطان فریدی بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے وقت نکال کر جامعہ ابوہریرہ میں قیام کر کے تصحیح کا صعب ترین کام انجام دیا۔ جان محمد جانؔ نے کمپوزنگ اور مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوہریرہ نے عمدہ زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے میں مخلصانہ کردار ادا کیا۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

باب : ۱

تذکرہ و سوانح اور جامعیت

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

اجمالی وسوانحی خاکہ

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تعلق علمائے دیوبند سے تھا۔ ان کے حالاتِ زندگی اور ان کی دینی وعلمی اور قومی وسیاسی خدمات کا تذکرہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی مختصر تاریخ بیان کی جائے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام :

دارالعلوم دیوبند کا قیام اس وقت عمل میں آیا، جب نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام میں دینی علوم زوال کے آخری سرے تک پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ ۱۵رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ/ مطابق ۱۸۶۶ء بروزِ جمعرات بعد نمازِ ظہر دارالعلوم دیوبند کا افتتاح مولانا محمود صاحب نے کیا۔ مولانا محمود بڑے عالم وفاضل تھے، دیوبند کے رہنے والے تھے۔ میرٹھ میں پڑھاتے تھے، مولانا محمد قاسم نانوتوی نے انہیں دیوبند بھیجا تھا۔ مولانا محمود کو دارالعلوم دیوبند کا پہلا مدرس مقرر کیا گیا اور صرف ایک شاگرد سے تدریس کا آغاز ہوا اور یہ شاگرد تھے، مولانا محمود حسن جو بعد میں شیخ الہندؒ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اُستاد اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا خاندان :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے والد محترم کا نام مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ تھا۔ مولانا فضل

الرحمٰن عثمانی جید عالم دین تھے اور انکا شمار دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ مولانا مملوک علی (م ۱۲۶۷ھ) سے مستفیض تھے۔ جید عالم دین ہونے کے علاوہ فارسی اور اُردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ ۱۸۵۷ء میں بریلی میں انسپکٹر مدارس تھے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔

مولانا فضل الرحمٰن عثمانی نے تین نکاح کیے۔ پہلی بیوی سے اولاد نہ ہوئی۔ دوسری اور تیسری بیوی سے اولاد ہوئی۔ دوسری بیوی سے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور حافظ خلیل الرحمٰن عثمانی پیدا ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی تیسری بیوی سے تھے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی بانی ندوۃ المصنفین دہلی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے صاحبزادے تھے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ :

۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے ہوا۔ دارالعلوم دیوبند سے جملہ علوم اسلامیہ میں تحصیل کی۔ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

فراغتِ تعلیم کے بعد کچھ عرصہ دارالعلوم میں معین المدرس رہے اور اس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمات بھی مولانا محمد یعقوب مدرس (م ۱۳۰۲ھ) کی نگرانی میں انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ مدرسہ اسلامیہ اندکوٹ (میرٹھ) چلے گئے اور کئی سال تک اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم مقرر ہوئے۔ ایک سال بعد آپ کو دارالعلوم کا مفتی مقرر کیا گیا اور اس کے ساتھ تدریسی خدمت بھی ان کے سپرد کی گئی اور ساری زندگی دارالعلوم دیوبند میں گزار دی۔ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوکر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت)

چلے گئے۔ اوائل جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ ڈابھیل سے دیوبند تشریف لائے اور راستہ میں طبیعت علیل ہوئی اور ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ/نومبر ۱۹۲۸ء میں انتقال کیا اور دارالعلوم کے قبرستان میں مولانا محمد قاسمؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ :

۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ بڑے متبحر عالم دین اور عربی زبان کے زبردست ادیب تھے۔ کافی عرصہ تک مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کی خدمت میں رہے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم بنائے گئے ۱۳۴۰ء مطابق ۱۸۲۵ء مولانا حافظ احمد بن مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۳۴۷ھ) کی پیرانہ سالی کی وجہ سے مہتمم کے عہدے سے سبکدوش ہوگئے، تو آپ کو دارالعلوم کا مہتمم بنایا گیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی جامع الکمالات تھے۔ مطالعہ کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ سید محبوب احمد رضوی تاریخ دیوبند میں لکھتے ہیں کہ :

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ :

”اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے، تو وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان کے علمی تبحر اور عربی ادب پر وسیع مطالعہ اور معلومات کا اعتراف کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ :

”مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ایک مشہور عالم، متبحر اور عربی کے ادیب تھے۔ دیگر علوم کی طرح عربی نظم ونثر پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ اسلامی تاریخ سے بھی ان کو ذوقِ کامل تھا۔ اُردو ادب میں ان کا سلیقہ خاصہ تھا۔ ۴ر رجب ۱۳۵۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۹ء دیوبند میں انتقال کیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۵ھ مطابق ستمبر ۱۸۸۷ء بجنور میں پیدا ہوئے۔ اُن دنوں ان کے والد مولانا فضل الرحمٰن عثمانی بجنور میں انسپکٹر مدارس تھے۔

آغازِ تعلیم :

آپ کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔

اساتذہ :

مولانا شبیر احمد عثمانی نے ابتداء سے انتہاء تک جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی، ان کے نام یہ ہیں :

۱۔ حافظ محمد عظیم دیوبندی ...... ۲۔ حافظ نامدار خان ...... ۳۔ منشی منظور احمد ......
۴۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن ...... ۵۔ مولانا غلام رسول ...... ۶۔ مولانا حکیم محمد حسن ......
۷۔ مولانا محمد یٰسین شیرکوٹی...... ۸۔ مولانا محمد سہول...... ۹۔ مولانا سید مرتضٰی حسن چاندپوری
۱۰۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی...... ۱۱۔ مولانا حافظ محمد احمد نانوتوی۔

اساتذہ کا تعارف :

ذیل میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے اساتذہ کا تعارف پیش خدمت ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ :

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مدرس تھے۔ مولوی محمودؒ کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اکتسابِ فیض کیا۔ ان کے والد کا نام مولانا ذوالفقار علی تھا اور مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر تعینات ہوئے۔ بعد میں ڈپٹی انسپکٹر بنا دیے گئے۔ عربی ادب پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ پنشن

پانے کے بعد دیوبند میں آنریری مجسٹریٹ رہے اور دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء کو ۸۵ سال کی عمر میں راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔

مولانا محمود حسن نے ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء تعلیم سے فراغت پائی اور اسی سال دارالعلوم دیوبند میں مدرس چہارم کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا، جس میں بتدریج ترقی پاکر ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔

مولانا محمود حسن ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء حج بیت اللہ کے لئے حجاز تشریف لے گئے۔ اُن دنوں جنگ طرابلس کے بعد جرمنی اور ترکی متحد ہو کر برطانیہ سے نبرد آزما تھے۔ شیخ الہند نے برطانوی حکومت کا ہندوستان سے تختہ اُلٹنے کا پروگرام بنایا اور ایک زبردست تحریک چلائی اس تحریک کو رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ''ریشمی رومال'' کی تحریک کا نام دیا گیا۔ یہ تحریک بہت زیادہ مؤثر تھی، مگر راز نہ رہ سکی اور مولانا ناکام ہوگئے۔

شیخ الہند مکہ معظمہ میں حج کی سعادت سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ مدینہ کی زیارت کے بعد دوبارہ مکہ معظمہ تشریف لائے تو شریف حسین والیٔ مکہ نے آپ کو انگریزوں کے اشارے پر گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دیا۔ آپ کو پہلے مصر لایا گیا، اس کے بعد مالٹا لے جایا گیا، جو برطانوی قلمرو میں جنگی مجرموں کے لئے محفوظ ترین مقام سمجھا جاتا تھا۔ آپ تقریباً پانچ سال مالٹا میں قید رہے۔

رمضان ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء آپ کو رہا کیا گیا اور بمبئی پہنچایا گیا۔ وہاں پہنچ کر تحریک خلافت میں حصہ لیا، لیکن صحت کمزور ہو چکی تھی۔ انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ میں جامعہ ملیہ قائم کیا اور اس کا سنگِ بنیاد آپ نے رکھا اور افتتاحی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ :

''انگریزی حکومت کے ساتھ بائیکاٹ کر دیا جائے''۔

اس کے بعد دہلی آئے، جہاں مرض اور ضعف میں اضافہ ہوا۔ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے زیر علاج رہے، مگر وقت موعود آچکا تھا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر دہلی میں وفات پائی۔ میت کو دیوبند لے جایا گیا اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں کہ :

شیخ الہند مولانا محمود حسن بن مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نفع دینے والے علوم میں سب سے بڑے عالم اور متاخرین میں فقہ اور اس کے اُصول کا بہت اچھا ملکہ تھا اور اس کے نصوص اور قواعد کو بڑا اچھا جاننے والے تھے۔

مولانا غلام رسولؒ :

آپ صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۸۴ء/ ۱۲۷۰ھ ان کا سنِ وفات ہے۔ والد محترم کا نام عبدالرزاق تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ حضرت شیخ الہند سے مستفیض تھے۔ علوم عقلیہ منطق و فلسفہ میں کمال رکھتے تھے۔ ۱۳۷۰ھ/ ۱۸۹۰ء میں بطورِ عربی مدرس دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہوا، اور ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء تک دارالعلوم میں تدریس فرماتے رہے۔ بڑے قناعت پسند، نرم دل، شفیق اور متبع سنت تھے۔ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء کو دیوبند میں انتقال کیا۔

مولانا حکیم محمد حسنؒ :

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے چھوٹے بھائی تھے۔ دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ طب کی تعلیم مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کے برادر اکبر حکیم عبدالمجید خان سے حاصل کی۔ فراغتِ تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں ان کا تقرر بحیثیت مدرس اور طبیب ہوا۔ اس لئے کہ طلباء دارالعلوم کے لئے طبیب کی ضرورت

تھی، جو بیمار طلباء کا علاج معالجہ کر سکے۔ آپ نے ۴۳ سال تک دارالعلوم میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں پڑھائیں۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء دیوبند میں انتقال کیا۔

مولانا محمد یٰسین شیرکوٹیؒ :

مولانا محمد یٰسین شیرکوٹ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ فراغت تعلیم کے بعد بعض مدارس میں تدریس فرمائی، پھر ان کو دارالعلوم میں بلا لیا گیا۔ ان کو تمام علوم میں مہارت تھی، لیکن علم ہیئت اور ریاضی میں استاد کامل تھے۔ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۷ء میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ واپسی میں جدہ میں بیمار ہوئے اور ماہِ صفر ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ :

مولانا محمد سہول کا وطن بھاگلپور (بہار) تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، بعد ازاں کان پور میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد اسحاق بردوانی اور مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی رحمہم اللہ علیہم اجمعین سے تحصیل کی۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن چلے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا عبدالوہاب بہاری سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد دہلی تشریف لائے اور حدیث کی تحصیل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور شیخ الہندؒ سے تفسیر، حدیث اور فقہ میں اکتسابِ فیض کیا۔

فراغتِ تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تدریس پر مامور ہوئے اور آٹھ سال تک دارالعلوم میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ عالیہ سلہٹ میں تدریس فرمائی اور ان تینوں مدارس میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل مقرر

ہوئے۔ آپ ۴۶ برس تک صوبہ بنگال اور آسام اور بہار کے شہروں میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء تا ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رُکن رہے۔ ۱۳ر رجب ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء کو اپنے وطن میں وفات پائی۔

مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ :

مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ان کا سنِ ولادت ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء ہے۔ ان کے والد حکیم سید بنیاد علی اپنے دور کے مشہور طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغتِ تعلیم کے بعد عرصۂ دراز تک چاند پور، دربھنگہ اور مراد آباد کے مدارس میں درس و تدریس کا شغل جاری کیا۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند آگئے اور ان کو ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا اور اس کے ساتھ تدریس کا شغل بھی جاری رکھا۔ دارالعلوم میں ان کی تدریسی مدت تقریباً ۴۲ سال کے قریب ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء چاند پور میں انتقال کیا۔

مولانا حافظ محمد احمدؒ :

حافظ محمد احمد مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ ان کا سنِ ولادت ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۶۲ء ہے۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل دارالعلوم دیوبند سے کی۔ فراغتِ تعلیم کے بعد ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس پر مامور ہوئے اور ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ آپ کے دور میں دارالعلوم دیوبند نے بہت زیادہ ترقی کی۔ آپ بڑے ذی وجاہت تھے۔ طلباء اور مدرسین آپ سے مرعوب تھے۔

۱۳۴۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان نظام دکن نے آپ کو ریاست

حیدر آباد کا مفتی اعظم مقرر کیا اور آپ تین سال تک ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں حکومت آصفیہ کے مفتی اعظم رہے۔ اس کے بعد واپس دارالعلوم دیوبند آگئے۔ حافظ صاحب نے ۴۵ سال دارالعلوم دیوبند کی خدمات انجام دیں۔

۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۲۸ء انتقال کیا اور حیدر آباد ہی میں قبرستان ''خطۂ صالحین'' میں سپردِ خاک کئے گئے۔

تکمیلِ تعلیم :

مولانا شبیر احمد عثمانی ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم سے سندِ فراغت حاصل کی۔

تدریس :

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور مدرسہ فتح پوری دہلی میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس ہوا۔ اس مدرسہ میں آپ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء تک تدریس فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند میں :

شوال ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی کو دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا اور ان کو حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم پڑھانے پر مامور کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی :

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ آپ اپنے

دور کے بلند پایہ عالم دین اور محدث تھے۔ آپ کے دارالعلوم کی انتظامیہ کمیٹی سے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اختلاف پیدا ہو گئے، جس پر آپ نے دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ کے ساتھ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس :

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے اور وہاں آپ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی آپ کے ہمراہ ڈابھیل چلے گئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے ۳ صفر ۱۳۵۲ھ/ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں انتقال کیا۔ تو ان کے بعد مولانا عثمانی جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً دو سال تک آپ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس رہے۔

دارالعلوم دیوبند واپسی :

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ حضرت تھانویؒ کی تحریک پر آپ دوبارہ دارالعلوم دیوبند واپس آ گئے اور آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ اس منصب پر آپ ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۴ء تک فائز رہے اور اس دوران جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلق رہا۔

تلامذہ :

مولانا عثمانی کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں بسر ہوا۔ ان کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے، لیکن میں یہاں صرف مشہور تلامذہ کے نام درج کرتا ہوں جو اپنے دور میں علم و فضل کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی ...... مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ...... مولانا محمد ادریس کاندھلوی ...... مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ...... مولانا محمد یوسف بنوری مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔

علمی تبحر :

علم و فضل کے اعتبار سے مولانا شبیر احمد عثمانی جامع الکمالات تھے۔ ان کی ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزری، سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ :

علم و فضل، فہم و فراست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانی کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ وہ زبان اور قلم دونوں کے یکساں شہسوار تھے۔ اُردو کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل، پُر اثر تشبیہات و انداز بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر و تقریر دونوں منفرد تھیں۔ وہ حالتِ حاضرہ پر بڑی گہری نفسیاتی نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تحریر و تقریر عوام و خواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسوں میں ان کی فصیح و بلیغ عالمانہ تقریروں کی یاد آج بھی اہل ذوق کے دلوں میں موجود ہے۔ حضرت شیخ الہند نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا۔ اُس کے لکھنے اور پڑھنے کا شرف مولانا عثمانی ہی کو حاصل ہوا تھا۔

تصانیف :

مولانا شبیر احمد عثمانی بلند پایہ خطیب و مقرر اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ نامور مصنف بھی تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحریر بڑی شستہ ہوتی تھی۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں :

دور کے بلند پایہ عالم دین اور محدث تھے۔ آپ کے دارالعلوم کی انتظامیہ کمیٹی سے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اختلاف پیدا ہو گئے، جس پر آپ نے دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ کے ساتھ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی بھی دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس :

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے اور وہاں آپ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی آپ کے ہمراہ ڈابھیل چلے گئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے ۳ رصفر ۱۳۵۲ھ/ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں انتقال کیا۔ تو ان کے بعد مولانا عثمانی جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً دو سال تک آپ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس رہے۔

دارالعلوم دیوبند واپسی :

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ حضرت تھانویؒ کی تحریک پر آپ دوبارہ دارالعلوم دیوبند واپس آ گئے اور آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ اس منصب پر آپ ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۴ء تک فائز رہے اور اس دوران جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلق رہا۔

تلامذہ :

مولانا عثمانی کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں بسر ہوا۔ ان کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے، لیکن میں یہاں صرف مشہور تلامذہ کے نام درج کرتا ہوں جو اپنے دور میں علم و فضل کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی ...... مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ...... مولانا محمد ادریس کاندھلوی ...... مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی ...... مولانا محمد یوسف بنوری مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔

علمی تبحر :

علم و فضل کے اعتبار سے مولانا شبیر احمد عثمانی جامع الکمالات تھے۔ ان کی ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزری، سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ :

علم و فضل، فہم و فراست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانی کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ وہ زبان اور قلم دونوں کے یکساں شہسوار تھے۔ اُردو کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل پُر اثر تشبیہات و انداز بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر و تقریر دونوں منفرد تھیں۔ وہ حالت حاضرہ پر بڑی گہری نفسیاتی نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تحریر و تقریر عوام و خواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسوں میں ان کی فصیح و بلیغ عالمانہ تقریروں کی یاد آج بھی اہل ذوق کے دلوں میں موجود ہے۔ حضرت شیخ الہند نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا۔ اُس کے لکھنے اور پڑھنے کا شرف مولانا عثمانی ہی کو حاصل ہوا تھا۔

تصانیف :

مولانا شبیر احمد عثمانی بلند پایہ خطیب و مقرر اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ نامور مصنف بھی تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحریر بڑی شستہ ہوتی تھی۔

ان کی تصانیف درج ذیل ہیں :

علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن، حجاب شرعی، الشہاب الثاقب، شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر حواشی، فتح الملہم شرح صحیح مسلم (عربی)، فضل الباری شرح صحیح بخاری (اُردو)۔

حواشی قرآن مجید :

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے قرآن مجید کا ترجمہ اور اس پر حواشی لکھنے شروع کئے، ترجمہ مکمل کرلیا اور حواشی سورۃ نساء تک لکھے کہ اُن کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ بقیہ قرآن مجید کے حواشی مولانا عثمانی نے مکمل کئے۔ یہ ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ ان حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے مضامین اور چھوٹے رسائل تو متعدد ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اُردو میں اُن کے قرآنی حواشی ہیں، جو حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلنشین کرنے کے لئے اُن کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالا ہے۔ اُن کے ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ ان حاشیوں میں اُنہوں نے جابجا اپنے ایک معاصر (سید سلیمان ندویؒ) کی تصنیف کا حوالہ صاحبِ ارض القرآن کے نام سے دے کر اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ وہ معاصرانہ رقابت سے کس قدر غیر تھے میں نے اپنے حلقۂ درس میں اُن کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے اور اس کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

نمونہ حواشی :

مولانا عثمانی کے حواشی کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں :

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ○ (الکہف:۱۱۰)

ترجمہ: تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم کو حکم آتا ہے مجھ کو کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے پھر جس کو اُمید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔

حواشی :

یعنی میں تمہاری طرح بشر ہوں خدا نہیں، جو خود بخود ذاتی طور پر تمام علوم و کمالات حاصل ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ علوم حقہ اور معارف قدسیہ میری طرف وحی کرتا ہے، جن میں اصل اُصول علم توحید ہے، اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں جس کسی کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق یا اس کے سامنے حاضر کئے جانے کا خوف ہو، اسے چاہئے کہ کچھ بھلے کام شریعت کے موافق کر جائے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ظاہراً و باطناً کسی کو کسی درجہ میں بھی شریک نہ کرے، یعنی شرک جلی کی طرح ریا وغیرہ شرک خفی سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو، وہ عابد کے منہ پر ماری جائے گی۔ اللھم اعذنا من شرور انفسنا۔ اس آیت میں اشارہ کردیا کہ نبی کا علم بھی متناہی اور عطائی ہے۔ علم خداوندی کی طرح ذاتی اور غیر متناہی نہیں۔

فتح الملہم شرح صحیح مسلم :

مولانا عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صحیح مسلم کا درس دیتے رہے۔ صحیح مسلم سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا، چنانچہ آپ نے حنفی نقطۂ نظر سے صحیح مسلم کی شرح بنام فتح الملہم لکھی، لیکن آپ یہ شرح مکمل نہ کرسکے۔ اب یہ شرح مولانا محمد تقی عثمانی بن مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے مکمل کی ہے۔ مکمل شرح مطبوع ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال اُن کو اُن کی نوجوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح تو احناف میں سے حافظ بدرالدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر احناف کی طرف سے حق ادا کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطۂ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ اس لئے مرحوم نے اپنے دست وبازو سے آزمایا۔

مؤتمر عالم اسلامی مکہ معظّمہ میں شرکت (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) :

جنگِ عظیم اوّل میں شریف مکہ نے جو اس وقت ترکوں کی طرف سے مکہ کا والی تھا' ان سے غداری کی تو انگریزوں نے شریف حسین کو حجاز کی حکومت دے دی۔ ترک تمام عرب ممالک سے بے دخل ہو چکے تھے۔ سرزمین حجاز پر بظاہر شریف حسین کی حکومت تھی، لیکن اندرونِ خانہ انگریزوں کا اقتدار تھا کہ قدرت نے سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمان آلِ سعود کو کھڑا کیا اور شریف مکہ کو شکست دے کر حجاز پر قبضہ کر لیا اور شریف مکہ کو ترکوں سے غداری کا صلہ مل گیا۔

سلطان عبدالعزیز حنبلی المذہب تھے، انہوں نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کے بعد تمام مآثر حجاز کو منہدم کر دیا اور ان تمام مزارات جو پختہ تھے، اُن کو پیوست زمین کر دیا۔ سلطان عبدالعزیز کا یہ نظریہ تھا کہ :

مسلمان یہاں آ کر قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور اسلام میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے ان مآثر کو ختم کیا گیا ہے۔

سلطان عبدالعزیز کے اس اقدام سے دنیائے اسلام میں ہیجان پیدا ہوا اور مشرق سے لے کر مغرب تک اضطراب اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی اور کئی ممالک میں سلطان عبد العزیز کے خلاف احتجاج شروع ہو گیا، چنانچہ سلطان ابن سعود نے ممالک اسلامیہ سے

تبادلہ خیال کے لئے مؤتمر عالم اسلامی کا اجلاس طلب کر لیا اور اس میں درج ذیل ممالک کے نمائندے شریک ہوئے۔

نمبر شمار	نام ملک	تعداد نمائندگان
۱	حجاز	۱۶
۲	ہندوستان	۱۳
۳	نجد	۵
۴	روس	۹
۵	فلسطین	۳
۶	بیروت	۳
۷	شام	۲
۸	مصر	۴
۹	جاوا	۴
۱۰	افغانستان	۳
۱۱	ترکی	۲
۱۲	سوڈان	۱
۱۳	یمن	۲
	کل میزان	۶۷

سلطان عبدالعزیز نے ہندوستان کی تین جماعتوں کو اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی تھی۔

۱۔ مرکزی مجلس خلافت

۲۔ جمعیۃ علماءِ ہند

۳۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

مرکزی مجلس خلافت کے چار نمائندے تھے۔

ا۔مولانا سید سلیمان ندویؒ (سربراہ وفد)
۲۔مولانا محمد علی جوہر
۳۔مولانا شوکت علی
۴۔محمد شعیب قریشی

جمعیۃ علمائے ہند کے پانچ نمائندے تھے۔

ا۔مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی (سربراہِ وفد)
۲۔مولانا شبیر احمد عثمانی
۳۔مولانا احمد سعید دہلوی
۴۔مولانا محمد عرفان
۵۔مولانا عبدالحلیم صدیقی

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے چار نمائندے تھے۔

ا۔مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (سربراہ وفد)
۲۔مولانا عبدالواحد غزنوی
۳۔مولانا سید اسمٰعیل غزنوی
۴۔حافظ حمید اللہ دہلوی

مجلس خلافت اور جمعیۃ علمائے ہند کا وفد جہاز سے بمبئی سے جدہ کے لئے روانہ ہوا۔تمام اسلامی ممالک کے وفود ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کی ابتدائی تاریخوں میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔اس سفر کی روئیداد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس طرح بیان کی ہے کہ :

۱۹۲۶ء میں جب سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں عالمگیر اسلامی کانفرنس بلائی

اور ہندوستان کی مختلف مجلسوں کی طرف سے وفد بھیجے گئے،تو خلافت کے وفد کی صدارت حکیم اجمل خان اور احرار پنجاب کے اصرار سے اس خاکسار کے حصہ میں آئی اور اس کے ممبر محمد علی،شوکت علی،شعیب قریشی ہوئے اور جمعیۃ العلماء کے وفد کے صدر مولانا کفایت اللہ دہلوی اور ممبر حافظ احمد سعید،مولانا عبدالحلیم صدیقی اور مولانا عرفان مرحوم تھے۔یہ کل وفد ایک ہی جہاز پر حجاز کو روانہ ہوا،اور اس طرح اس سفر میں مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کو بہت پاس سے دیکھنے کا موقع ملا۔طبیعت میں بڑی نزاکت تھی اور بات بات میں وہ چیز ظاہر ہوتی تھی۔اس لئے رفقائے سفر ان کی بڑی رعایت کرتے تھے۔ایک یمنی طالب علم جو دیوبند میں ان کے شاگرد تھے،اُن کی خدمت کرتے تھے اور یہ خدمت پورے سفرِ حجاز میں اُنہوں نے کی۔

جدہ سے مکہ معظمہ تک ہم سب ایک لاری میں آئے۔جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مرحوم پر عجیب کیفیت طاری تھی۔اُنہوں نے (حج) قران کا احرام باندھا تھا اور ہم سب تمتع کے احرام میں تھے،جیسے جیسے مکہ معظمہ قریب آتا جاتا تھا،اُن پر گریہ کا غلبہ ہوتا جاتا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔یہ اُن کا دوسرا حج تھا۔(پہلا حج ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء میں کیا تھا)

مکہ معظمہ میں مؤتمر کے جلسے ایک ماہ کے قریب ہوتے رہے۔ان میں ہم لوگ شریک ہوتے رہے اور اکثر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی شریک ہوتے تھے،اسی سفر میں مجھے علم ہوا کہ موصوف عربی تحریر و تقریر پر اچھی طرح قادر تھے۔سلطان نے خلافت اور جمعیۃ کے ایک ساتھ ملنے کو بلایا اور مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر خلاف توقع اپنے اکابر دیوبند کے عقائد اور فقہی مسلک پر اچھی اور شستہ گفتگو کی اور سلطان اس کو دیر تک سنتے رہے۔

مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں مولانا عثمانیؒ نے کئی تقریریں کیں اور سلطان ابن سعود پر ان کی تقاریر کا بہت اثر ہوا اور سلطان ابن سعود نے ان کی ایک تقریر کے بعد

فرمایا کہ: ''میں آپ کا ممنون ہوں، آپ کے خیالات اور بیان میں بہت رفعت اور علو ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے''۔

مؤتمر عالم اسلامی کے آخری اجلاس میں مولانا عثمانیؒ کی تقریر:

سلطان ابن سعود کے عدل اور دیانتداری کا اعتراف

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرات! میرا عقیدہ ہے کہ آپ کی وہ تمام قراردادیں جو آپ نے مؤتمر میں منظور کی ہیں، اور وہ ساری گفتگو جو آپ کے مابین جاری رہی، اس وقت تک بے سود ہے کہ ارکانِ مؤتمر کے مابین اخوت اور دوستی کے رشتے استوار نہ ہو جائیں۔ اور آپ کے توسط سے مسلمانانِ اکناف عالم اخوت ومودت کے ایک محکم رشتے میں مربوط نہ ہو جائیں! اس لئے ہمیں نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرنا لازمی ہے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ہم میں سے ہر ایک فرد عامۃ المسلمین کے حالات کی نگرانی رکھے اور اپنے عزیز اوقات میں سے ایک حصہ اسلام کے مصالحِ عمومی پر غور وخوض کرنے اور مسلمانوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے اسباب ووسائل تلاش کرنے کے لئے وقف کر دے۔

میرے نزدیک اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے بڑا ذریعہ اور سب سے بڑا وسیلہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مکہ مکرمہ اور اس کے ماحول کی تطہیر سے ہمارے لئے مہیا کر دیا ہے۔ سرزمین مقدس باغیوں اور خائنوں کی خباثتوں سے پاک ہوگئی ہے۔

اب مسلمان آزاد ہوگئے ہیں کہ اخوت اسلامیہ کی توثیق وتجدید شریعت محمدیہ کے احیاء اور کلمۃ اللہ کے اعلاء کے لئے بلاخوف وخطر بلادِ مقدسہ میں جوق در جوق آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم وقضا میں اس عظیم وجلیل کا انصرام صاحب الجلالۃ عبدالعزیز بن السعود نصرہ اللہ وایدہ بروح منہ کے ہاتھوں کا مرہون تھا۔

مرکزِ اسلام اور قبلہ مسلمین کو شریف حسین اور اس کے پٹھوؤں سے آزاد کرانے اور بلد الامین میں عالم اسلام کے ایک ایسے آزادانہ اجتماع کا دروازہ کھولنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی اور اب مسلمانانِ عالم خدا کے اس گھر میں بیٹھ کر اپنے مصالح ومنافع کے لئے باہم مشورہ کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خوف کو دل میں جگہ دے کر سلامت کنندہ کی ملامت سے بے پرواہ ہو سکتے ہیں اور یہ سب سے بڑا فضل اور سب سے بڑا کرم ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے سلطان عبدالعزیز کو سرفراز فرمایا اور یہ اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قرنہا قرن سے کسی فرد کو مشرف نہیں فرمایا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوا لفضل العظیم۔

حضرات! ہم نے مؤتمر کے سارے حالات مشاہدہ کئے۔ انکے کیف وکم کا سارا منظر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اجلاس پر کبھی انبساط کا نشاط افروز عالم طاری ہو جاتا تھا اور کبھی انقباض وکبیدگی چھا جاتی تھی اور بعض اوقات ہم آپس میں ایسی باتیں کرنے لگتے تھے، جن سے دلوں کی کدورت پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا تھا، بلکہ اگر کسی بھائی کو مجالس کے اُمور کا تجربہ ہو تو بعید نہیں کہ وہ بعض باتوں کو اپنی توہین وتذلیل پر محمول کرے، لیکن ہمیں مسلمانوں سے حسنِ ظن رکھنے کا حکم ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام غصے اور افسوس سے بھرے اپنی قوم کی طرف واپس آئے، تورات کی الواح کو زمین پر دے ٹپکا اور اپنے بھائی کو داڑھی اور سر سے پکڑ کر گھسیٹنے لگے، ہارون علیہ السلام نے یہ معذرت پیش کی کہ اے میرے ماں جائے بھائی، مجھے سر اور داڑھی سے پکڑ کر نہ کھینچ۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ پس اگر ہم میں سے کسی نے مؤتمر میں اپنے بھائی کی داڑھی پکڑ کر کھینچی ہے، تو غصہ کے فرو ہونے کے بعد لازم ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ کہے

رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک و انت ارحم الراحمین۔

(اے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے، ہم پر اپنی رحمت نازل فرما تو سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہے)

مومنین قانتین کی یہی شان ہے، وہ لوگ جن کے سینوں میں دولتِ اخلاص مضمر ہے اور وہ لوگ جن کی غرض وغایت اصلاح ہے، ان کا یہی شیوہ ہے، مندوبین عالم اسلام کا یہی اجتماع جس طریق پر وقوع پذیر ہوا، اس کی نظیر زمانہ سابقہ میں مفقود ہے، پس ہم پر لازم ہے کہ اس شہر کے پروردگار کا جس نے ہمیں خوف سے مامون اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال کیا، اس عظیم الشان احسان پر سجدہ شکر بجالائیں۔ اس کے بعد ہم پر جلالۃ السلطان عبدالعزیز کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جن کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ جلیل القدر کام سرانجام دلایا۔ بلادِ مقدسہ کے خادم کی حیثیت سے ان کو خاص عزت وعظمت حاصل ہے اور خصوصاً جب کہ عظمۃ السلطان عدل، دیانت داری، وسعتِ قلب اور حسنِ اخلاق کی گوناگوں صفات سے متصف ہیں۔ کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ خلفائے راشدین وسلف صالحین وائمہ متبوعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے متبع ہیں۔ مزید برآں اللہ نے ظالموں، سرکشوں اور قطاع الطریق کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیا ہے۔ حج وزیارت کے راستے بالکل مامون ہو گئے ہیں، جن لوگوں نے مکہ ومدینہ کے مابین سفر کیا ہے، ان سے بالتواتر آج شہادت کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ شہادت دینے والے مختلف جماعتوں اور فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ایک حقیقت میں وہ سب متفق اللسان ہیں کہ راستے بالکل مامون ہیں۔

جس طرح حجاز کی حکومت کو عالم اسلامی پر سیادت وقیادت میں برتری حاصل ہے، اسی طرح اس پر ذمہ داریاں بھی اسی نسبت سے زیادہ اور وسیع ہیں۔ حکومتِ حجاز ان اسلامی قوی کے لئے جو مؤتمر میں مدعو کی گئی ہیں، وسیلہ ربط ہے اور امیر حجاز مؤتمر کی روح رواں ہے، اگر اس میں فساد پیدا ہو گیا تو ساری مؤتمر پر فساد طاری ہو جائے گا۔

حضرات! مؤتمر حجاز کی کامیابی زیادہ تر حجاز کی مقامی حکومت کی استقامت اس کی توجہ اور اس کے اس احساس پر منحصر ہے کہ وہ صرف نجد کی نہیں، بلکہ سارے مسلمانوں کی حکومت ہے اور مسلمانانِ عالم اور حکومتِ حجاز دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں۔ حکومتِ حجاز کو ان حقوق کے ادا کرنے میں خوفِ خدا، دیانتداری، صبر بالحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔

ان فرائض کی بجاآوری میں حکمت، تسہیل، فراخدلی، فیاضی اور تدریج کی ضرورت ہے تاکہ کسی بُری بات کے ازالہ کرنے سے کوئی بات پیدا ہو جائے، جو اس سے بھی زیادہ بُری، زیادہ ضرر رساں اور زیادہ پریشان کن ہو۔ ہم ان بدعات ومنکرات کے ازالہ کو جو اسلامی ممالک میں اور ان بلادِ مطہرہ میں پھیل چکی ہیں، بُرا نہیں سمجھتے، بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ اہم تر مقصد کو مقدم رکھا جائے، جب دو آفتیں پیش نظر ہوں اور ان میں سے ایک کو اختیار کرنا بمقتضائے حالات لابدی ہو، تو ان دو مصیبتوں میں سے اس مصیبت کو بدرجہ مجبوری اختیار کر لینا چاہیے، جو مقابلۃً ہلکی ہو اور مصائب وآفات سے نجات حاصل کرنے میں حکمت وآہستگی کا شیوہ اختیار کرنا چاہئے اور غلو وتعمق سے بچنا چاہئے، کیونکہ تعمق فی الدین ہی پہلے لوگوں کے لئے باعثِ ہلاکت بنا ہے، کسی چیز پر شرکت، بدعت یا گمراہی کا حکم لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، مفاسد کا موازنہ شریعت کے مصالحِ عامہ کے نقطۂ نظر سے کرنا چاہئے۔

حضرات! آپ میری تقریر کا مقصد جانتے ہیں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ عظمۃ السلطان نے ہماری باتوں کو شرفِ سماعت بخشا اور ہماری تصریحات کو پسند کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ہم علماءِ نجد وغیرہ کے ساتھ بحث ومذاکرہ کریں۔ ہم نے اکثر علماء کے ساتھ گفتگو کی، جس قدر تبادلہ خیالات ہوا ہے، اُمید ہے وہ ضرور بارآور ہوگا اور

مسلمانوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ مؤتمر کو چاہئے کہ یک زبان ہو کر حکومتِ حجاز کو اس بنیادی اُصول کا احساس کرائے۔ جماعت کی آواز میں جو تاثیر ہوتی ہے، وہ افراد میں نہیں ہوتی۔ فذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین۔

مجلسِ خلافت کے ممبران علی برادران (مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی) سلطان عبدالعزیز کے مخالفین میں سے تھے اور مخالفت کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان دونوں بھائیوں کا تعلق بریلوی مسلک سے تھا اور بریلوی طبقہ سلطان ابن سعود کا سخت مخالف تھا۔

مولانا محمد علی جوہر نے سلطان ابن سعود کے خلاف اپنے اخبار ہمدرد میں آرٹیکل لکھے، مولانا ظفر علی خان سلطان ابن سعود کی موافقت میں تھے، اُنھوں نے مولانا محمد جوہر کی تردید میں اپنے اخبار زمیندار میں مضامین لکھے اور اس کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی آخری تقریر جو اُنہوں نے مؤتمر عالم اسلامی کے آخری اجلاس میں کی تھی، اخبار زمیندار میں شائع کی۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کے شروع میں مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے اور صفر ۱۳۴۵ھ میں واپس ہندوستان تشریف لائے۔

جمعیۃ العلماء کا قیام :

جمعیۃ العلماء کے قیام کے سلسلے میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم ''حیات سلیمان'' میں لکھتے ہیں کہ :

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں ایک عرصہ دراز تک علماء ہی پیش پیش رہے۔ دراصل اس تحریک کے بانی وہی تھے اور سب سے پہلے ان ہی نے انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ سید احمد شہید بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیلؒ شہید سے لے کر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ تک برابر اس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس

سے بھی بہت پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تیموریوں کے دورِ زوال میں جب مسلمانوں کی حکومت ختم نہ ہوئی تھی، انگریزوں کے روز افزوں اثرات اور اس کے نتائج کو محسوس کر لیا اور ان سے آگاہ کیا تھا اور اس کے روکنے کی کئی علمی و عملی کوششیں بھی کیں۔ حضرت شیخ الہند نے اس زمانہ میں ہندوستان میں سیاسی انقلاب کی کوشش کی، جب عام زور سے ہندوستانی آزادی کے صحیح مفہوم سے بھی آشنا نہ تھے۔ اس کے لئے قید و بند اور جلاوطنی کی مصیبتیں جھیلیں۔ اس لئے ہندوستان کی سیاسی، بیداری کے بعد اُس کی آزادی کے لئے نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔

جمعیۃ العلماء کے قیام کے سلسلہ میں دہلی میں متعدد علمائے کرام جمع ہوئے اور ایک جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کی تحریک اور مولانا منیر الزمان و دیگر علمائے کرام کی تائید سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس جلسہ کے صدر قرار پائے۔ اس جلسہ میں درج ذیل علمائے کرام شریک ہوئے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا سلامت اللہ راج پوری، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، پیر محمد امام سندھی، مولانا اسد اللہ سندھی، مولانا سید محمد فاخر الہ آبادی، مولانا محمد انیس، مولانا خواجہ غلام نظام الدین، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا سید کمال الدین، مولانا قدیر بخش، مولانا تاج محمد، مولانا محمد ابراہیم دربھنگہ، مولانا خدا بخش، مولانا مولا بخش، مولانا عبدالحکیم گیلوی، مولانا خیر الزماں، مولانا محمد اکرم، مولانا محمد صادق، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا سید اسماعیل، مولانا محمد عبداللہ، مولانا آزاد سبحانی۔

جن علمائے کرام نے جمعیۃ العلماء کے قیام میں بہت زیادہ دلچسپی لی، ان میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد سبحانی اور ثناء اللہ

امرتسری رحمہم اللہ اجمعین شامل تھے۔

جلسہ میں مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے تحریک کی کہ جمعیۃ علمائے ہند کے لئے بالفعل کوئی عارضی صدر اور عارضی ناظم مقرر کرلیا جائے تاکہ اُمور ضروریہ کے انصرام کی ایک آسان سبیل میسر ہو جائے اور صدارت کے لئے میں مولانا کفایت اللہ دہلوی اور نظامت کے لئے مولانا حافظ احمد سعید دہلوی کا نام پیش کرتا ہوں۔ اس کی تائید مولانا سلامت اللہ راج پوری، مولانا مظہر الدین اور مولانا محمد اکرم خان نے کی۔ چنانچہ اتفاق رائے سے یہ تجویز منظور کرلی گئی۔

اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ دسمبر کی آخری تاریخوں میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس امرتسر میں منعقد کیا جائے۔ چنانچہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اسلامیہ مسلم ہائی سکول امرتسر میں جمعیۃ العلماء کا پہلا اجلاس مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

جمعیۃ العلماء کا دوسرا اجلاس :

جمعیۃ العلماء کا دوسرا اجلاس ۷، ۸، ۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پانچ سو سے زیادہ علمائے کرام نے شرکت کی۔ چند مشہور علمائے کرام یہ تھے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبداللہ الکافی، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا فضل اللہ مدراسی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری، مولانا سید مرتضیٰ حسن مراد آبادی اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اجمعین۔

جمعیۃ العلماء کا تیسرا اجلاس :

جمعیۃ العلماء کا تیسرا سالانہ اجلاس بمقام لاہور ۱۷ تا ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ

مطابق ۱۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۲۱ء مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ صدر مجلس استقبالیہ مولانا عبدالقادر قصوری تھے۔ اس اجلاس میں ایک اہم قرارداد پاس ہوئی، جو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے پیش کی تھی۔ قرارداد یہ تھی :

"مسلمانوں کا کسی غیر مسلم کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے جنگ کرنا جس سے کفر کی شوکت بڑھتی ہو اور اسلام کی قوت کو صدمہ پہنچتا ہو قطعاً حرام ہے اور اس صورت کی حرمت متفق علیہ ہے۔ اس کے جواز کے لئے حیلے ڈھونڈنا اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں سے استدلال کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

اس قرارداد کی تائید سب سے پہلے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے کی۔ بعدازاں مولانا محمد فاخر، مولانا سید مرتضیٰ حسن، مولانا محمد اسحاق مراد آبادی، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالقادر قصوری اور دوسرے علمائے کرام نے کی۔

اس اجلاس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ تنظیم جماعت مسلمین کے لئے امیر الہند کا انتخاب کیا جائے اور اس کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی جو امیر شریعت کے اختیارات و فرائض کا مسودہ تیار کر کے جمعیۃ کے آئندہ اجلاس میں پیش کرے۔ اس سب کمیٹی کے ایک رکن مولانا شبیر احمد عثمانی تھے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جمعیۃ العلماء کے تمام اجلاسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ آپ ۱۹۴۴ء تک جمعیۃ العلماء سے وابستہ رہے اور ۱۹۴۵ء میں اس کی رُکنیت سے علیحدہ ہو گئے۔ علیحدگی کی وجہ جمعیۃ العلماء متحدہ قومیت کی حامی تھی اور مولانا عثمانیؒ دو قومی نظریہ کے حامی تھے۔

جناب سید محبوب رضوی تاریخ دیو بند میں لکھتے ہیں کہ :

سیاسیات میں مولانا عثمانیؒ اولاً جمعیۃ العلماء ہند کے ساتھ شریک تھے۔ اس سے پہلے وہ خلافت کمیٹی کے اہم رُکن رہ چکے تھے۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں جنگ بلقان کے زمانہ

میں انہوں نے ترکوں کے لئے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ مولانا عثمانیؒ سالہا سال تک جمعیۃ علماءِ ہند کی مجلس عاملہ کے رُکن رہے۔ جمعیۃ علماءِ ہند کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آخر میں ان کو متحدہ قومیت کے مسئلے پر جمعیۃ علماءِ ہند سے اختلاف پیش آیا اور وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

جمعیۃ علمائے اسلام کا قیام :

جمعیۃ علماءِ ہند متحدہ قومیت کی حامی تھی۔ اس لئے اس نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی۔ مولانا عثمانیؒ متحدہ قومیت کے مخالف تھے اور دو قومی نظریہ کے حامی تھے۔ اس بنا پر آپ نے جمعیۃ علماء سے علیحدگی اختیار کر لی اور جمعیۃ علمائے اسلام کے نام سے علیحدہ جماعت قائم کی۔ آپ کے ساتھ مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور کئی دوسرے علمائے کرام شامل تھے۔ مولانا عثمانیؒ کو صدر بنایا گیا اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نائب صدر بنائے گئے۔

جمعیۃ علمائے اسلام کا تاسیسی اجلاس اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ مولانا عثمانیؒ علیل تھے۔ اس لئے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ اجلاس مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا میر سیالکوٹی کے صدارتی خطبہ سے پہلے مولانا عثمانیؒ کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ مولانا عثمانیؒ نے اپنے پیغام میں فرمایا :

اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطرِ ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کی زمین پر رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے۔ وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا، اس کا شرعی نام کافر ہوا۔

"فمنکم کافر و منکم مومن"

اسی اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب

اس چیز کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنوں میں نہیں بنتی۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے اپنا صدارتی خطبہ "تمدن و معاشرت اسلامیہ" کے عنوان سے ارشاد فرمایا، جس میں آپ نے کتاب و سنت کی روشنی میں آزاد، خود مختار مملکت کے قیام کے لئے پاکستان کو اسلامیانِ ہند کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، دینی اور ملی ضرورت قرار دیا۔ مولانا سیالکوٹی نے اپنے خطبہ میں ہندو مذہب کا پوسٹ مارٹم کیا اور کانگریسی وزارتوں کے قیام کے بعد ہندوازم کے قیام اور مسلمانوں پر مظالم کی تصویر کشی کرتے ہوئے گاندھی کے کردار کو بے نقاب کیا۔

مولانا عثمانیؒ کا پیغام اور مولانا میر سیالکوٹی کا خطبہ اخبار عصر جدید کلکتہ کی اشاعت نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئے۔

مسلم لیگ میں شمولیت :

جمعیۃ علمائے اسلام کے اس اجلاس کے بعد مولانا عثمانیؒ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

مولانا عثمانیؒ سے میری آخری ملاقات اُس سال ہوئی، جب جمعیۃ علمائے اسلام کا اجلاس کلکتہ میں تھا اور اُس میں ان کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا تھا، جس کی اس زمانہ میں بڑی دھوم تھی، جس کے بعد مولانا عثمانی مسلم لیگ کی دعوت میں اہم عنصر کی حیثیت سے شامل ہو گئے اور روز بروز ان کا تعلق مسلم لیگ سے بڑھتا ہی چلا گیا۔

مولانا عثمانیؒ نے اپنے پیغام میں جہاں دو قومی نظریہ کی حمایت کی تھی۔ وہاں آپ نے عام مسلمانوں کی مسلم لیگ میں شرکت کو ضروری قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پیغام میں فرمایا کہ :

اس وقت مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہئے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہوگئی، تو پھر شاید مدتِ دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نے زعمائے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصلی قومیت کی حفاظت کے لئے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملینِ دین اور علمائے ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں، اگر خدا نکردہ ایسا نہ ہوا، تو ہم ان شاء اللہ ایسے فاسد عناصر سے مسلم لیگ کو صاف کر کے دم لیں گے۔

ہندوستان کے مسلم اکثریت کے صوبوں کو اسلامی مرکز (پاکستان) قائم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے مولانا عثمانی نے اپنے پیغام میں فرمایا کہ :

ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو، جہاں اس کے قومی تحرکات اور عزائم فروغ پاسکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کرسکیں۔

بہر حال اس (مرکز) کا نام پاکستان رکھو یا حکومت الٰہیہ یا کوئی اور اتنی بات ضرور ہے کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے جو اکثریت واقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔

۱۹۴۵ء کے الیکشن میں مولانا عثمانیؒ نے ہندوستان کے مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ تمہاری بقا اسی میں مضمر ہے کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیئے جائیں۔ مولانا عثمانیؒ نے اپنے بیان میں فرمایا کہ :

میرے نزدیک مسلم لیگ کی جانب کو ترجیح ہے، لہٰذا شخصیات سے بے پرواہ ہو کر

اس کے نامزد کردہ اُمیدوار کو ووٹ دینا چاہئے۔ ۱۸ر مئی ۱۹۴۶ء اعظم گڑھ میں جمعیۃ علمائے اسلام کے جلسہ میں مولانا عثمانیؒ نے اپنی تقریر میں واضح الفاظ میں فرمایا :

پاکستان مسلمانوں کا پیدائشی حق ہے کہ اس وقت انگریز اور ہندو دونوں پاکستان کو نہیں مانتے، لیکن ایسا وقت آئے گا، جب یہ دونوں قومیں از خود پاکستان دے دیں گی، لیکن اس کے لئے ہم کو اپنے بھولے ہوئے فریضۂ اسلامی جہاد کو پھر سے یاد کر کے عمل کرنا ہوگا۔

پاکستان آمد :

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا، تو مولانا عثمانیؒ مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ کراچی تشریف لے آئے اور آخر تک ان کا قیام کراچی میں رہا۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رُکن، مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن اور شرعی دستور ساز کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ آپ نے کوئی سرکاری عہدہ قبول نہ کیا، مگر مذہبی معاملات میں اُن کی حیثیت مشیر خاص کی تھی۔

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ :

پاکستان میں اُنہوں نے بہت سی دینی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر اُن کی علمی اور ریاستی خدمات کا خاص اثر تھا۔ خصوصاً اُن کو عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی اور اُن کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنمائی بھی مسلّم سمجھی جاتی تھی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ پاکستان مجلس آئین ساز کے رُکن بھی تھے اور اس جماعت کے روحِ رواں تھے، جو اس آئین کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتی ہے اور اس راہ میں مولانا عثمانی ہی کی ابتدائی کوشش کی کامیابی کا وہ نتیجہ تھا، جس کو پاکستان کی آئینی اصطلاح میں قرار دادِ پاکستان کہتے ہیں۔

وفات :

پاکستان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور ایک قدیم دینی تعلیم گاہ ہے۔ اس کا انتظامی اور تعلیمی نظام بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ ریاست بہاولپور کی وزارتِ تعلیم نے مولانا عثمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ بہاولپور آ کر جامعہ عباسیہ کی اصلاح و ترقی کے لئے مشورہ دیں۔ آپ نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۸؍دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۱۲؍دسمبر تک آپ بالکل اچھے تھے۔ ۱۳؍دسمبر کی شب بخار ہوا اور ان کے سینہ میں درد شروع ہوا، لیکن چند گھنٹے بعد آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

تاریخِ وفات : ۲۱؍صفر ۱۳۶۹ھ/۱۳؍دسمبر ۱۹۴۹ء۔

آپ کی نعش کراچی لے جائی گئی اور محمد علی روڈ کے قریب آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خان نے مولانا عثمانیؒ کی رحلت پر اپنے اخبار زمیندار کی ۱۶؍دسمبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں درج ذیل تعزیتی شذرہ لکھا کہ :

تقسیم ملک سے پہلے ہندوستان کے جلیل القدر علماء میں سے صرف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تھے جو پاکستان کی تائید و حمایت کرتے رہے، جب پاکستان قائم ہوا، تو مولانا کراچی تشریف لے آئے اور پاکستان کا نظام اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کے لئے کوشش فرماتے رہے۔ میں مرحوم کا صرف اس لئے معترف نہیں کہ اُن کا اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا کتاب و سنت کے مطابق تھا، اس لئے بھی مرحوم کا مداح ہوں کہ وہ ان چند علمائے کرام میں سے تھے جو کتاب اللہ کے حقائق و معارف پر بالغانہ نظر رکھتے تھے، جنہیں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور مولانا محمود حسن رحمہم اللہ کے بعد قرآن دانی و قرآن فہمی کی پوری صلاحیت تھی،

جن لوگوں نے مرحوم کی تقریریں سُنی ہیں، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا اور ایک ایک بات میں دنیا بھر کے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے۔ میرے وطن کی بدقسمتی ہے کہ وہ ایسے عالم باعمل سے محروم ہو گیا، جس کی فکر و نظر نے پاکستان کے مادی خاکے میں شرعی نظام کا رنگ بھرنا شروع کیا تھا۔ جو ملک و اہل ملک کو اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات سے منور کرنا چاہتا تھا جو اسلام کے لئے جینا چاہتا تھا۔ اسلام ہی کے لئے مرا۔ اللہ تعالیٰ اس بزرگ ملت کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ملت کو اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا ابوسعید بزمی ایڈیٹر اخبار احسان لاہور نے مولانا عثمانیؒ کی رحلت پر لکھا کہ علمائے کرام کی صف میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنی علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنا بلند مقام رکھتے تھے کہ پاکستان تو در کنار دنیائے اسلام میں بھی آپ کے پائے کی کوئی ہستی نہ تھی۔

مولانا عثمانیؒ ذہانت و فطانت اور علمی بصیرت و تبحر کے اعتبار سے علمائے کرام میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا عثمانیؒ کی ذاتِ گرامی وہ ذات تھی جس نے عقل و دانش کی روشنی میں اسلامی احکام کی مصلحتیں آشکارا کیں اور متحدہ ہندوستان کے طول و عرض سے متفقہ طور پر "متکلمِ اسلام" کا لقب حاصل فرمایا۔

مولانا عثمانیؒ کی ذات اہل پاکستان کے لئے ایک انمول جوہر تھا ......

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں کہ :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس دور میں عالم اسلام کی اُن چیدہ ہستیوں میں سے تھے، جن کے علمی رسوخ اور دینی بصیرت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مطالعہ کی وسعت، فکر کی دقت اور زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت و حلاوت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اپنے مدعا کو

بہترین اسلوب اور دلنشین انداز میں بیان کرنے اور دقیق سے دقیق مسائل کو آسان کر کے سمجھا دینے کا انہیں خاص ملکہ ودیعت کیا گیا تھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے آپ کے انتقال پر فرمایا تھا کہ :

''مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے نادرۂ روزگار صاحب کمال صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں''۔

کتابیات

۱۔ پاکستان مسلم لیگ کا دورِ حکومت	صفدر محمود، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء
۲۔ تاریخ دیوبند	سید محبوب رضوی، مطبوعہ دیوبند ۱۹۷۲ء
۳۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی، مطبوعہ دہلی ۱۹۷۸ء
۴۔ جمعیۃ العلماء کیا ہے؟	مولانا سید محمد میاں، مطبوعہ لاہور
۵۔ حصولِ پاکستان	احمد سعید مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء
۶۔ حیاتِ سلیمان	مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۷۳ء
۷۔ حیاتِ عثمانیؒ	پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۵ء
۸۔ سوانح حیات مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ	مولانا قاضی محمد اسلم سیف، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء
۹۔ مشاہیر علماء دیوبند	حافظ فیوض الرحمٰن، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء
۱۰۔ موجِ کوثر	شیخ محمد اکرام، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء
۱۱۔ میاں فضل حق اور ان کی خدمات	مولانا محمد اسحاق بھٹی، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء
۱۲۔ یادِ رفتگاں	مولانا سید سلیمان ندویؒ، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

☆☆☆☆☆☆☆

علامہ سید سلیمان ندوی

پیکرِ علم و عمل

دسمبر ۱۹۴۹ء کے وسط میں مَیں جدّہ میں تھا۔ ۱۳ر دسمبر کی شام کو مغرب کے بعد حکومتِ سعودیہ کی وزارتِ خارجہ جدّہ میں ایک ہندوستانی مسافر کی دعوت تھی۔ شہر کے کچھ معززین، اسلامی حکومتوں کے سفیر اس میں شریک تھے۔ ہندوستان، پاکستان، مصر و عراق وغیرہ کے سفیر اور وزارتِ خارجہ سعودیہ کے بعض ارکان موجود تھے۔ میں ہندوستانی کونسل کے نمائندوں، پروفیسر عبدالمجید خان انڈین کونسل اور مولانا عبدالمجید الحریری کمشنر حج متعین جدّہ کے ساتھ وہاں پہنچا۔ احباب کچھ آ چکے تھے، کچھ آ رہے تھے، مختلف موضوعات پر گفتگو تھی خصوصیت سے کراچی میں اسلامی ملکوں کی جو اقتصادی کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس میں حجاز کی طرف سے حجاز کی اقتصادی حالت کی جو مطبوعہ رپورٹ اس وقت سامنے رکھی تھی۔

اس پر گفتگو ہو رہی تھی کہ اتنے میں جدّہ میں پاکستانی کونسل مسعود صاحب جو مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب دانا پوری کے صاحبزادہ ہیں، تشریف لائے اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ ذکر کیا کہ آج مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر کے سننے کے ساتھ مجلس پر اُداسی چھا گئی۔ میرے سامنے پوری نصف صدی کی معاصرانہ مسابقتوں کی ایک دنیا گزر گئی۔

کُ۱۹۰۲ء کی بات ہے، وہ دارالعلوم دیوبند میں اور راقم دارالعلوم ندوۃ میں تعلیم پا رہے تھے۔ یہ زمانہ دونوں درسگاہوں کا زریں زمانہ تھا۔ دارالعلوم ندوہ میں میرے ساتھ

میرے ایک عزیز قریب و ہموطن (مولوی سید محمد قاسم صاحب خلف الرشید مولانا شاہ تجمل حسین صاحب خلیفہ شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی و حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ) رفیق درس تھے۔ وہ اپنے والد کے حکم سے ندوہ چھوڑ کر دیوبند چلے گئے تھے۔ اُن کو طالبعلموں کی انجمن سازی اور دفتر داری کا بڑا اچھا سلیقہ تھا۔ چنانچہ دیوبند پہنچ کر انہوں نے اس سلیقہ کا ثبوت دیا اور دیوبند میں طالبعلموں کی تقریر و تحریر کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ مولانا شبیر احمد صاحبؒ جو اُن دنوں انہی کے عمر کے طالب علم تھے اور تقریر و تحریر کا فطری ذوق رکھتے تھے، ان جلسوں میں دلچسپی لیتے تھے اور اسی مناسبت سے مولوی قاسم سے بھی اُن کو محبت تھی۔ مولوی قاسم نے ندوہ و دیوبند کو ملانا چاہا۔ وہ میرے خطوں میں مجھ سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا تذکرہ کرتے تھے اور سلام پہنچاتے تھے اور میرا تذکرہ اُن سے کرتے تھے اور میری طرف سے اُن کو سلام پہنچاتے تھے۔ اس تعلق کا یہ اثر ہوا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے آشنا اور ایک دوسرے سے واقف ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب دیوبند سے ماہنامہ القاسم اور ندوہ سے الندوہ نکل رہا تھا اور ہم دونوں کے مضامین اپنے اپنے پرچہ میں نکلتے تھے اور چھپتے تھے۔ اسی زمانہ میں مرحوم کسی تعلق سے لکھنؤ آئے تو مدرسہ میں مجھ سے ملنے آئے۔ یہ میری ان کی طالب علمانہ ملاقات کا پہلا موقع تھا۔ یہ غالباً ۱۹۰۴ء کی بات ہے۔

۱۹۰۶ء میں میری دستار بندی ہوئی اور دستار بندی کے جلسہ میں برجستہ عربی تقریر کی وجہ سے عربی مدرسوں میں ایک خاص شہرت حاصل ہوئی اور اسی زمانہ میں مولاناؒ کو بھی فراغت حاصل ہوئی۔ وہ دارالعلوم دیوبند میں اور میں دارالعلوم ندوہ میں مدرس ہو گئے۔ اسی کے سال دو سال کے بعد کسی انجمن کی دعوت پر پنجاب جانے کا اتفاق ہوا، تو راہ میں سہارنپور اُتر کر دیوبند چلا گیا۔ یہ میری حاضری کا پہلا اتفاق تھا۔ ان دنوں دارالعلوم دیوبند میں میرے عزیز دوست ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب (خلف مولانا سید حکیم عبدالحئی صاحب

ناظم ندوہ) ندوہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر دیوبند میں حدیث کے دورہ میں شریک تھے۔ میں نے اس کا اہتمام کیا کہ مجھے کوئی پہچانے نہیں، منہ چادر میں لپیٹے تھا۔ مدرسہ پہنچ کر سید عبد العلی صاحب کو پوچھ کر اُن کے کمرہ میں گیا، وہ مجھے یک بیک دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ میں نے اشارہ سے اُن کو منع کیا اور وہ رُک گئے اور ساتھ لے کر مدرسہ اور درس کے کمرے دکھانے لگے اور آخر میں اوپر چھت پر دارالشوریٰ اور دارالاہتمام دکھانے لے گئے۔ اتفاق دیکھئے کہ ایک طالب علم جو پہلے ندوہ میں پڑھتے تھے اور اب دیوبند میں زیر تعلیم تھے، وہ دارالاہتمام سے نکل رہے تھے، وہ مجھے دیکھنے کے ساتھ دوڑ کر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم کی خدمت میں چلے گئے اور میرا نام بتایا، موصوف نے جو ہمہ تن متواضع اور خاکسار تھے، ایک معمولی طالب علم کے لئے یہ زحمت فرمائی کہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ اندر کمرے میں لے گئے اور چائے کی دعوت فرمائی، جس میں اکثر حضرات مدرسین شریک تھے۔ دوسرے وقت حضرت مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنے فضیلت کدہ پر کھانے کی دعوت فرمائی۔

ایک طالب علم کے لئے سب سے بڑی دعوت طالب علموں کے جلسہ کی ہو سکتی تھی چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے جلسہ کا اہتمام فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ صدر مدرس تھے، مگر اس خدمت سے علیحدگی کا خیال کر رہے تھے اور حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ تازہ تازہ حجاز سے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ جلسہ آراستہ ہوا، طالب علموں نے تقریریں کیں۔ آخر میں مولانا انور شاہ صاحبؒ اور مولانا حسین احمد صاحبؒ نے عربی میں تقریریں کیں اور پھر اس کم سواد کو عربی میں تقریر کا حکم ہوا اور اس نے تعمیل کی۔

اس زمانہ میں آریوں کی تحریک سے شدھی کا زور تھا اور عربی مدرسوں میں آریوں سے مناظرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ چنانچہ جلسہ کے بعد طالب علموں نے آریہ اور مسلمانوں

کے مناظرہ کا مظاہرہ کیا۔ طالب علموں کے دو گروہ بنے، ایک ایک مسئلہ کا حامی تھا، دوسرا اس پر معترض۔ باہم سوال و جواب اور ردّ وقدح کا سلسلہ قائم تھا کہ ایک فریق کم زور سا پڑ گیا۔ مولانا شبیر احمد صاحبؒ جو مدرسین کے ساتھ میرے قریب بیٹھے تھے، مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ سے اجازت لے کر مدرسین کی صف سے نکل کر طالب علموں میں مل گئے اور اس کمزور فریق کی حمایت میں فرمانے لگے اور آخر اپنی تقریر کی قوت اور استدلال کے زور سے ہارا ہوا میدان جیت لیا اور سب نے اُن کی ذہانت کی اور طباعی کی داد دی۔ میں نے حضرت شیخ الہندؒ کی تمام عمر میں ایک دفعہ زیارت کی اور وہ اسی موقع پر نہایت سادگی اور خاموشی کے ساتھ ایک کمرہ میں جس میں کھری چارپائی اور ایک چٹائی اور ایک مٹی کا لوٹا تھا، تشریف فرما تھے۔

اس واقعہ پر سالہا سال گزر گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہوئے کتب حدیث کا درس دینے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد مدرسہ فتحپوری دہلی میں صدر مدرس ہو گئے۔ اسی زمانہ میں میرا بھی دلی جانا ہوا تو مدرسہ میں اُن سے ملاقات ہوئی، مگر پھر دارالعلوم دیوبند لوٹ آئے۔ اسی زمانہ میں مولانا عبیداللہ سندھی، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی طلب پر دیوبند آ کر مقیم ہوئے تھے۔ اُن کا مشن یہ تھا کہ دیوبند پر جو تعلیمی فضا محیط ہو گئی تھی اور سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی مجاہدانہ روح جو اس حلقہ سے دبتی چلی جا رہی تھی، اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں مؤتمر الانصار کی بنیاد پڑی اور اسی کا ۱۹۱۱ء یا اس کے پس و پیش زمانہ میں مراد آباد میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ جس میں علی گڑھ اور ندوہ اور دیوبند کے اکثر رجال علم و عمل جمع ہوئے اور تمام ہندوستان سے مسلمانوں کا بہت بڑا مجمع اس میں شریک تھا۔ ندوہ سے حضرت الاستاذ مولانا شبلی مرحوم شریک ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے العقل والنقل کے نام سے اپنا ایک کلامی مضمون پڑھ کر سنایا۔ حاضرین نے

بڑی داد دی۔ اس مضمون میں گو جدید معلومات حضرت الاستاذ کی تصنیف سے لیے گئے تھے مگر اس کا نتیجہ اس کے برعکس نکالا گیا تھا۔ یہ گویا حامیانِ عقل کے اس علم کلام کا رد تھا، جس میں خرقِ عادت کے وجود اور معجزات کے صدور پر ناک بھوں چڑھائی جاتی۔ حضرت الاستاذ نے واپس آ کر مجھ سے فرمایا تھا کہ انہوں نے معلومات میری کتاب سے لیے اور پھر میرا ہی رد کیا۔

دیوبند کے حلقہ میں اس زمانہ میں برملا کہی جاتی تھی کہ مولوی شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم و معارف پر پورا احتوا ہے، وہ حضرت مولانا کے مضامین و معانی کو لے کر اپنی زبان اور اپنی طرزِ ادا میں اس طرح ادا کرتے تھے کہ وہ دل نشین ہو جاتے تھے۔ یہ خیال رہے کہ مولانا قاسم صاحبؒ کے مضامین نہایت غامض، دقیق اور مشکل ہوتے تھے، جن تک عوام کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے اُن کے مضامین اور حقائق کو سمجھنا، پھر زمانہ کی زبان میں اس کی تعبیر و تفہیم کوئی آسان بات نہ تھی اور اسی لئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر و تحریر کی تعریف کی جاتی تھی۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء تک مسلمانوں کی سیاست کروٹ لے رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے طرابلس پھر کانپور کی مسجد، پھر بلقان کی جنگ، پھر یورپ کی پہلی جنگِ عظیم کے واقعات پیش آئے اور ہندو مسلمانوں کے میل ملاپ کی سیاسی تحریر بڑھتی اور پھیلتی گئی۔

یہاں پر ایک بات مجھے بے محابا کہنا ہے، یہ وہ وقت تھا کہ جب مولانا ابوالکلام آزاد کا الہلال نکل رہا تھا اور ان کی آتش بیانی سے مسلمانوں میں آگ سی لگی ہوئی تھی اور وہ جہاد جس کا نام لینے سے لوگ ڈرنے لگے تھے، مولانا ابوالکلام نے اس کا صور اس بلند آہنگی اور بیباکی سے پھونکا کہ وہ بھولا ہوا سبق لوگوں کی زبانوں پر آ گیا۔ الہلال، دیوبند کے حلقہ میں بھی آتا تھا اور حضرت مولانا محمود حسنؒ کی مجلس میں پڑھا جاتا تھا۔ میں نے اس زمانہ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کا یہ فقرہ سنا تھا کہ ہم نے جہاد کا سبق بھلا دیا تھا اور

ابوالکلام نے ہم کو پھر یاد دلایا۔

اس زمانہ میں مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ترجمان تھے، مگر یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی۔ اس حلقہ کی ایک جماعت پر مدرسہ کے مصالح مقدم تھے اور دوسرے پر اسلام کے مصالح، مولانا محمود حسنؒ دل سے دوسری جماعت میں شریک تھے۔ میں نے سُنا کہ انہوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے تو مدرسہ اپنے اصلی مقصد (جہاد) پر پردہ ڈالنے کے لئے بنایا تھا۔ بہر حال مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو دیوبند سے ہٹنا پڑا اور دہلی میں مسجد فتحپوری کے ایک گوشہ میں دائرۃ المعارف کی بنیاد ڈالی اور اس میں انگریزی خواں تعلیم یافتہ اور عربی کے فارغ التحصیل عالموں کو قرآن پاک کا درس اس جہادی اسپرٹ میں دینے لگے، جو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی زندگی کی روح تھی اور مجاہدین سرحد (یاغستان وثمرقند) سے حلقۂ اتصال قائم کیا گیا۔ اس وقت یورپ کی جنگ کے شعلے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور ہندوستان میں بغاوت کا خیال روز افزوں تھا۔ انگریزی حکومت کی جاسوسی اپنا کام کر رہی تھی، مولانا ابوالکلام آزاد، محمد علی، شوکت علی، حسرت موہانی وغیرہ احرار سب نظر بند تھے، یا جیل میں تھے، حضرت مولانا محمود حسنؒ نے ہندوستان سے ہجرت کی اور وہ حجاز میں قید ہو کر مالٹا میں نظر بند ہوئے اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا سیف الرحمٰنؒ اور مولانا عبداللہ انصاریؒ چھپ کر افغانستان چلے گئے، جو لوگ اب باقی رہ گئے تھے، ان میں بڑے لوگ حکیم اجمل خان مرحوم، ڈاکٹر انصاری مرحوم اور مولانا عبدالباری صاحبؒ فرنگی محلی تھے۔ ان لوگوں نے قوم کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور پہلے مجلس خلافت اور پھر جمعیۃ العلماء کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت تک مولانا محمود حسنؒ مالٹا میں تھے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں جو وفد خلافت لندن گیا تھا۔ اس کا ایک ممبر یہ راقم الحروف بھی تھا۔ غالباً مارچ یا اپریل میں جب مسٹر فشر وزیر تعلیم قائم مقام وزیر ہند سے ملاقات ہوئی تو میں نے حضرت شیخ الہندؒ کی اسیری و نظر بندی کے معاملہ کو ان کے سامنے پیش کیا۔

یاد آتا ہے کہ موصوف اسی سال کے اخیر یا ۱۹۲۱ء کے شروع میں مالٹا سے چھوٹ کر مع خدام کے جن میں حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ بھی تھے، واپس آئے، مگر شاید چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہے اور وفات پائی۔ اس درمیان میں عقیدتمندوں نے ہر سمت سے اُن کو بلایا، مگر خود تشریف نہ لے جاسکے۔ اپنے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت سے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ ہی کو بھیجا۔ ان مقامات میں سے خاص طور سے دہلی کے جلسہ میں اُن کی نیابت نہایت یادگار اور مشہور ہے۔ گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس کو حکیم اجمل خان مرحوم نے اُٹھایا تھا۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے نہایت واشگاف تقریر فرمائی تھی۔ یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے لئے نہ صرف فخر و شرف کا باعث، بلکہ ان کی سعادت اور ارجمندی کی بڑی دلیل ہے۔

۱۹۲۳ء کے آخر میں گیا میں کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے شاندار اجلاس ہوئے۔ جمعیۃ کے اس اجلاس کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب تھے۔ اُن کے ساتھ حلقۂ دیوبند کے اکثر اساتذہ آئے ہوئے تھے۔ ان میں مولانا شبیر احمد صاحب بھی تھے۔ کانگریس اور جمعیۃ کے یہ اجلاس ایک خاص حیثیت سے اہمیت رکھتے ہیں، یعنی اس اجلاس میں کانگریس کی سیاست میں ایک اہم تبدیلی ہوئی اور پنڈت موتی لال سی آر داس، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ کی رہنمائی میں ترک موالات کی جگہ جس میں کونسلوں اور اسمبلیوں کا بائیکاٹ بھی تھا، یہ تجویز سامنے رکھی گئی کہ ان کونسلوں اور اسمبلیوں پر قبضہ کر کے حکومت کو بے دست و پا کر دیا جائے۔ گویا مقصد یہ تھا کہ مقصود کے حصول کے لئے طریق جنگ اور لڑائی کے ڈھنگ کو بدلا جائے۔ اس تحریک کے حامیوں نے سوراج پارٹی اپنا نام رکھا۔ اس وقت گاندھی جی، ابوالکلام آزاد، محمد علی وغیرہ جیل میں تھے۔ اُن کے خالص پیرووں نے اس کی سخت مخالفت کی اور نوچینجر (نہ بدلنے والا) کا لقب پایا۔

کانگریس کی طرح جمعیۃ کا خاص جلسہ ہوا، تجویز کے حامیوں کی طرف سے خاکسار نے اور مخالفوں کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے تقریریں کیں۔ مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی اس تقریر کا صرف ایک حصہ مجھے یاد ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانۂ کعبہ کی فتح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد قائم کرنا چاہتے تھے، مگر چونکہ قریش نو مسلم تھے، اُن کو یہ بات کعبہ کی حرمت اور ادب کے خلاف نظر آئی۔ اس لئے حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: اگر تمہاری قوم تازہ مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر پھر اس کی بنیاد ابراہیمی اساس پر رکھتا۔ یہ واقعہ بیان کر کے مولانا نے فرمایا کہ ترکِ موالات کے بدولت ابھی ہماری قوم انگریزوں کی غلامی سے نئی نئی نکلی ہے۔ یہ کونسل اور اسمبلی کے چکر میں پڑ کر پھر غلام بن جائے۔ بہرحال ووٹ لئے گئے اور مولانا کی مخالفت کامیاب ہوئی۔

مولانا حسین احمد صاحبؒ کا نام اس وقت تک خواص سے نکل کر عوام تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ اس تمام ہنگامہ کے وقت حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مالٹے میں تھے، ساتھ ہی ۱۹۲۱ میں ہندوستان واپس آئے اور سب سے پہلی دفعہ وہ ہندوستان کی سیاست میں کراچی خلافت کانفرنس میں مقرر کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور اس مشہور انقلابی تجویز کے مؤیدین میں تھے، جس میں مسلمان فوجیوں سے فوج کی ملازمت ترک کرنے کی تحریک تھی۔ اس کے محرک محمد علی اور مؤید مولانا حسین احمدؒ، پیر غلام مجددؒ اور سیف الدین کچلو وغیرہ تھے۔ آخر سب پر مقدمے چلائے گئے اور سب کو چند سال کی قید کی سزا ہوئی۔

ع   بڑھتا ہے اور ذوقِ گناہ یاں سزا کے بعد

اس قید سے آزادی کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ بیش از بیش تحریکات میں حصہ لینے لگے اور آخر خلق کی زبان نے اُن کو شیخ الہند کا جانشین مان لیا اور اب حضرت شیخ الہندؒ کے مسلک کی ترجمانی اور ان کی جماعت کی نمائندگی مولانا موصوف فرماتے تھے۔

تاہم خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ بھی آتے جاتے رہتے تھے، لیکن یہ آمد و رفت بھی کم ہوتی رہی۔

۱۹۲۶ء میں جب سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں عالمگیر اسلامی کانفرنس بلائی اور ہندوستان کی مختلف مجلسوں کی طرف سے وفد بھیجے گئے، تو خلافت کے وفد کی صدارت حکیم صاحب اور احرارِ پنجاب کے اصرار سے اس خاکسار کے حصہ میں آئی اور اس کے ممبر محمد علی، شوکت علی، شعیب قریشی ہوئے اور جمعیۃ العلماء کے وفد کے صدر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور ممبر حافظ سعید صاحب، مولانا عبد الحلیم صدیقی صاحب اور مولانا عرفان صاحب مرحوم تھے۔ یہ کل وفد ایک ہی جہاز پر حجاز روانہ ہوا اور اس طرح اس سفر میں مرحوم کو بہت پاس سے دیکھنے کا موقع ملا۔ طبیعت میں بڑی نزاکت تھی اور بات بات میں وہ چیز ظاہر ہوتی تھی۔ اس لئے رفقائے سفر ان کی بڑی رعایت کرتے تھے۔ ایک یمنی طالب علم جو دیوبند میں اُن کے شاگرد تھے، اُن کی خدمت کرتے تھے اور یہ خدمت پورے سفرِ حجاز میں انہوں نے کی۔ جدہ سے مکہ معظمہ تک ہم سب ایک لاری میں آئے۔ جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مرحوم پر عجیب کیفیت تھی۔ اُنہوں نے قران کا احرام باندھا تھا اور ہم سب تمتع کے احرام میں تھے، جیسے جیسے مکہ معظمہ قریب آتا جاتا تھا، اُن پر گریہ کا غلبہ ہوتا جاتا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ یہ اُن کا دوسرا حج تھا۔

مکہ معظمہ میں مؤتمر کے جلسے ایک ماہ کے قریب ہوتے رہے۔ ان میں ہم لوگ شریک ہوتے رہے اور اکثر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی شریک ہوتے تھے، اسی سفر میں مجھے علم ہوا کہ موصوف عربی تحریر و تقریر پر اچھی طرح قادر تھے۔ سلطان نے خلافت اور جمعیۃ کے ایک ساتھ ملنے کو بلایا اور مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس موقع پر خلافِ توقع اپنے اکابرِ دیوبند کے عقائد اور فقہی مسلک پر اچھی اور شستہ گفتگو کی اور سلطان اس کو دیر تک سنتے رہے۔

موتمر کی کاروائی میں تو مولانا نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا، مگر موتمر کے آخری اجلاس میں ایک مضمون انہوں نے پڑھ کر سنایا، جس کو پہلے سے وہ لکھ لائے تھے، مگر اپنے رفقاء کو وہ پہلے سے نہیں دکھایا تھا۔ میں اس اخیر جلسہ میں شریک نہ تھا، مگر وفد جمعیۃ کے ارکان کو مولانا کے اس تنہا بیان سے بڑی حیرانی تھی، بہرحال بات چپ چپ ختم ہوگئی۔

حج کے مناسک میں بھی اُن کی رفاقت رہی۔ یہ زمانہ گرمی کا تھا، بادِ سموم کے جھونکے چل رہے تھے۔ ظہر کے وقت ذوق وشوق میں مسجد نمرہ میں نماز پڑھنے کی آرزو تھی، مگر آفتاب کی حدت اور دھوپ کی تمازت دیکھ کر ہمت نہیں پڑتی تھی، مگر مولانا کفایت اللہ صاحب اور حافظ احمد سعید نے اونٹوں کا سامان کر لیا تھا۔ آخر مولانا کفایت اللہ صاحب کے ساتھ اونٹ پر اُن کا ردیف بن کر چلا، مجھے ہر قدم پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب گرا اور تب گرا۔ اسی خوف سے واپسی میں پیدل آیا۔ اسی موسم کی شدت میں مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ پیدل ہی روانہ ہوئے۔ مسجد کے قریب ہی پہنچے تھے کہ بادِ سموم کے ایک جھونکے نے اُن کو آلیا، مگر بال بال بچ گئے۔

اس نماز میں آنے کا شوق اس خیال سے بھی تھا کہ سلطان امامت کریں گے اور ایک سلطانِ وقت کے پیچھے ہم ہندوستان کے غلام نماز پڑھیں گے، مگر مسجد میں جماعت تیار تھی، سلطان کا انتظار رہا، وہ نہیں آئے، تو ایک مصری شیخ نے نماز پڑھائی، نماز ختم ہوئی تو دیکھا کہ سلطان اپنے نجدی ہمراہیوں کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پاؤں لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے آرہے ہیں، بعد کو جب سلطان سے ملاقات ہوئی تو میں نے حاجیوں کی طرف سے شکایت پیش کی کہ نماز میں آپ کا بڑا انتظار رہا۔ سلطان نے کہا کہ ہمارے نجدی بھائی آپ جانتے ہیں کہ چھتری نہیں لگاتے، اس لئے میں نے چاہا کہ آفتاب ڈھل جائے تو چلوں، مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی نماز ہوگئی، پھر کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں بچپن ہی سے بے گھر ہوگیا، تعلیم جیسی چاہیے نہیں ہوئی، بدوی ہوں، قرأت نہیں جانتا، بدآواز بھی ہوں،

اس لئے نماز پڑھانے سے گریز کرتا ہوں۔ میں نے مذاقاً کہا کہ سال میں ایک دفعہ لوگ آسانی سے اس آواز کو گوارا کر سکتے ہیں۔ مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم ہندوستان کے مسلمان تو مشتاق رہتے ہیں کہ بادشاہ یا امیر کے پیچھے نماز پڑھیں۔ امیر افغانستان جب ہندوستان آئے تھے، تو مسلمان سیکڑوں کوس سے اُن کے پیچھے نماز پڑھنے آئے تھے۔

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک سفر میں بھی رفاقت رہی۔ میں گو محمد علی وشوکت علی صاحب وغیرہ کے ساتھ تھا، مگر ہم جنسی اور ہم مذاقی کے سبب سے اکثر جمعیۃ والوں کے یہاں آکر بیٹھا کرتا تھا، اونٹوں کا سفر تھا، بارہ روز میں منزلیں تمام ہوئیں، ہر روز ایک نئی منزل میں قیام تھا۔

میں مرحوم کی خدمت میں بیٹھتا، اور طرح طرح کی باتیں، ایک منزل میں مرحوم نے غدر دہلی کے زمانہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور اُن کے رفقائے جہاد مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حافظ ضامن علی صاحب شہید کے واقعات اور تھانہ بھون اور شاملی پر تاخت اور مجاہدین کا حملہ، اور حافظ صاحب کی شہادت کے واقعات کو اس پُر اثر طریقہ سے بیان فرمایا کہ روح نے لذت پائی۔

واپسی میں مولانا جہاز پر بہت علیل ہوگئے تھے۔ حالت بہت نازک معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے درجہ میں اُن کا سفر تھا، جو جہاز کے پچھلے حصہ میں تھا۔ وہاں بڑی تکلیف جہاز کے بعض آلات دھڑ دھڑ کر کے نیچے گرتا تھا۔ اسی حالت میں ہندوستان پہنچے، بالآخر اُن کو صحت ہوگئی۔

اُن کی آنکھیں کمزور تھیں، ایک دفعہ تو تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ موگا (پنجاب) کے ڈاکٹر آنکھوں کے مشہور ڈاکٹر تھے، اُن سے علاج کرایا تو درست ہوگئی تھیں۔

مرحوم اب تک دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد سے کچھ انتشار سا تھا، جو رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا تھا، ایک

طرف مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا حافظ احمد صاحب اور کچھ مدرسین تھے، دوسری طرف مولانا انور شاہ صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا سراج احمد صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی اور بعض نوجوان مولوی عتیق الرحمٰن صاحب وغیرہ تھے۔ آخر دوسرا گروہ دیوبند کو چھوڑ کر گجرات میں ڈابھیل ضلع سورت میں منتقل ہوگیا۔ جہاں پہلے سے ایک معمولی سا مدرسہ قائم تھا، مگر عمارت اچھی خاصی تھی۔ مولانا انور شاہ صاحب اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سراج احمد صاحب وغیرہ نے یہاں دوسرا دیوبند قائم کیا۔ بہت سے سرحدی، ولایتی، بنگالی اور ہندوستانی طالب علم بھی ان کے ساتھ آئے اور چند سال تک زور و شور سے ان صاحبوں کا درس وہاں جاری رہا۔

اسی زمانہ میں خاکسار کو کسی جلسہ کے سلسلہ میں راندیر ضلع سورت جانے کا اتفاق ہوا۔ ڈابھیل قریب ہے، مولانا شبیر احمد صاحب کو معلوم ہوا، تو ایک حیدرآبادی طالب علم کو خط دے کر بھیجا۔ میں نے آنے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز ڈابھیل گیا۔ مدرسہ کو دیکھا، حضرات مدرسین سے ملاقات ہوئی، طلبہ سے ملا، طلبہ نے میرے لئے ایک جلسہ ترتیب دیا، جس میں تقریریں ہوئیں، رات کو قصبہ میں جلسہ کا انتظام ہوا، جس میں مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد خود مولانا نے تقریر فرمائی، جس میں میری حقیر ذات کی نسبت ایک فقرہ استعمال کیا تھا، جو درحقیقت میری حقیقت ہے۔ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مجھے ان سے بہت اُنس ہے، اس لئے کہ یہ علماء اور تعلیم یافتوں کے درمیان ایک سفیر و متوسط کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر میری کتاب ارض القرآن کی تعریف فرمائی۔

اُن کے گجرات کے قیام کے زمانہ میں ان کی آمد و رفت حیدرآباد دکن کی طرف بہت بڑھ گئی تھی۔ شرح صحیح مسلم کی امدادی تحریک جاری تھی اور کبھی کبھی میرا بھی جانا ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک میلاد کی مجلس میں میرا اُن کا ساتھ ہوگیا، اسی جلسہ میں خود حضور نظام بھی آنے والے تھے، میری تقریر ہو رہی تھی کہ وہ آ گئے۔ میرے بعد مولانا

شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے تقریر شروع کی۔ حضور نظام نے بڑی داد دی، اور اہلِ محفل محظوظ ہوئے، لوگوں میں باہمی ترجیح کی اچھی خاصی رد و کد شروع ہوگئی، مگر بحمد للہ دونوں مقرروں کے دل باہم صاف رہے اور زبانیں محفوظ۔

مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ بڑے خطیب و مقرر تھے۔ عالمانہ استدلال کے ساتھ بڑے دلچسپ قصے اور لطیفے بھی بیان کرتے تھے، جس سے اہل محفل کو بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور ظریفانہ فقرے اسی طرح ادا کرتے تھے کہ خود نہیں ہنستے تھے، مگر دوسروں کو ہنسا دیتے تھے۔ اُن کی تقریروں میں کافی دلائل بھی ہوتے تھے اور سیاسی و علمی و تبلیغی اور واعظانہ ہر قسم کے بیان پر اُن کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت و طباعی، اور بدیہہ گوئی اُن کی تقریروں سے نمایاں ہوتی تھی، اکبر کے ظریفانہ اور فلسفیانہ شعر ان کو بہت یاد تھے، وہ اُن کو اپنی تقریروں میں عمدگی سے کھپاتے تھے۔

اُن کی تحریر بھی صاف شستہ تھی اور اس عصر کے اچھے لکھنے والوں کے لٹریچر کو غور سے پڑھا تھا اور اس سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ جمعیۃ و خلافت کے جلسوں میں علماء کی بعض تجویزوں کی انگریزی بنانے میں بڑی دقت ہوتی تھی۔ اس موقع پر محمد علی مرحوم نے کہا تھا کہ مولوی شبیر احمد صاحبؒ کی عبارت کی انگریزی بنانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے، کیونکہ اس کی ساخت انگریزی طرز پر ہوتی ہے۔

ممدوح کے مضامین اور چھوٹے رسائل تو متعدد ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اُردو میں اُن کے قرآنی حواشی ہیں، جو حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دل نشین کرنے کے لئے اُن کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اُن کے ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ ان حاشیوں میں انہوں نے جا بجا اپنے ایک معاصر کی تصنیف کا حوالہ صاحب ارض القرآن کے نام سے دے کر

ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ وہ معاصرانہ رقابت سے کس قدر بلند تھے۔ میں نے اپنے حلقۂ درس میں اُن کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے اور ان کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ حاشیے بہت باریک چھاپے گئے ہیں، اس لئے اُن سے استفادہ میں مشکل پڑتی ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومتِ افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحبؒ کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدہ کے لئے فارسی میں ترجمہ کرکے چھاپا ہے۔

صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال اُن کو اپنی نوجوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح تو احناف میں سے حافظ بدرالدین عینی نے بہت پہلے لکھ کر احناف کی طرف سے حق ادا کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطۂ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ اس لئے مرحوم نے اپنے دست و بازو کو آزمایا۔

انگریزوں کے عہد میں دیوبند میں جو بعض سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور کانگریسی اور لیگی خیالات میں جو آویزش تھی، اس کی اطلاع حیدری صاحب صدرِ اعظم حیدرآباد کے کانوں تک پہنچی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مناسب سمجھا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو مہتمم بنا کر دیوبند بھیجیں۔ چنانچہ وہ اس صورت سے ڈھابیل سے واپس آکر دیوبند میں مقیم ہوئے اور اہتمام کا کام شروع کیا، مگر ظاہر ہے کہ صرف تقرر اور منصب سے خیالات اور نظریوں میں اختلاف دور نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ طلبہ میں اسٹرائک ہوئی اور بعض نامناسب واقعات پیش آئے، جن کا نتیجہ ان کا استعفاء تھا۔

اس موقع پر مجھے ایک بات یاد آئی۔ ۱۹۱۳ء کی بات ہے کہ ندوہ میں مولانا شبلیؒ کے استعفیٰ پر ایک عظیم الشان اسٹرائک ہوئی تھی، جس میں علی گڑھ اور دیوبند وغیرہ ندوہ کے اف... اہتمام کے ساتھ تھے اور ملک اور قوم کے آزاد خیال مولانا ابوالکلام آزاد کی رہنمائی میں طلبہ کی تائید میں تھے۔ اس وقت مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا ایک مضمون ''الاحتساب فی الاسلام'' کے عنوان سے الہلال میں نکلا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا مضمون اسی الہلال میں نکلا تھا، جس میں اسٹرائک کو خلافِ اُصول بتایا تھا۔ اس مضمون میں ایک مصرع یہ بھی تھا ...... ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

پھر جب دیوبند کے احاطہ تک اسٹرائکوں کا سیلاب آپہنچا، تو اُن کا یہ مضمون مجھے بہت یاد آیا۔

موصوف کے حیدرآباد دکن اور نظام حیدرآباد سے گوناگوں تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ مرحوم نے اس ہنگامہ میں جو آریہ تحریک کے زمانہ میں حیدرآباد کے مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا، اپنی تقریر سے بہت کچھ مسلمانوں میں سکون پیدا کیا، یہاں تک کہ حیدری صاحب نے اپنی ممنونیت اُن کی ذات کی نسبت ظاہر کی اور منصب میں ترقی کی، مگر ایک وقت ایسا آیا کہ نظام پر تفضیلیت کا غلبہ تھا اور اتفاق سے وہ مکہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے، تو مرحوم نے تقریر فرمائی، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بہت دل نشین طریقہ سے بیان کئے تھے۔ اس دن لوگوں کو مرحوم کی تقریر سے بڑی خوشی ہوئی، اور ان کے بے باکانہ اظہارِ حق کی سب نے تعریف کی۔

مجھے خیال آتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انجمن اسلامیہ اعظم گڑھ کی دعوت پر اعظم گڑھ آئے اور شبلی منزل میں میرے ہی پاس ٹھہرے۔ اس وقت اُن کی شرح مسلم کے کچھ اجزاء ساتھ تھے، جن میں قرأت فاتحہ خلف الامام وغیرہ اختلافی مسائل پر مباحث تھے، جن کو جا بجا سے مجھے سُنایا۔ ایک اور دفعہ اسی زمانہ میں وہ اعظم گڑھ آئے، ٹھہرے کہیں اور جگہ تھے، مجھ سے ملنے آئے، میں نے چائے پیش کی، تو پینے سے انکار کیا، انکار کی وجہ نہ معلوم ہوئی، مگر بعد کو خیال آیا تو قیاس ہوا کہ چائے کی پیالیاں جو جاپانی تھیں، اُن پر جانوروں کی تصویریں بنی تھیں، اس لئے اُن میں پینے سے انکار کیا۔ بہرحال اس سے اُن کے تقویٰ اور بزرگوں کی صحبت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

مرحوم کی شرح مسلم جس کا نام فتح الملہم ہے، لکھنے کا کام تمام عمر جاری رہا۔ اتنے

بڑے کام کے لئے ان کو کسی ریاست سے امداد کی فکر تھی، چنانچہ اس کے لئے حیدر آباد دکن کا خیال تھا۔ اس کے لئے معروضہ پیش کیا اور آخر بڑے ردّ و کد کے بعد ریاست نے اس کی سرپرستی منظور کی اور ہر جلد کے لئے کچھ امداد اور مصنف کے لئے ماہانہ وظیفہ منظور ہوا اور مولانا نے جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی چند جلدیں لکھ کر شائع کیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر ذکر کے قابل ہے کہ جب ریاست نے اُن کی امداد منظور کی تو مرحوم نے مجھے دوستانہ خط لکھا کہ اہلِ علم کی طرف سے ریاست کی اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کیا جائے، چنانچہ میں نے اس کی تعمیل معارف کے شذرات میں کی۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب ناتمام رہی۔

مرحوم سے میری آخری ملاقات اُس سال ہوئی، جب جمعیۃ علمائے اسلام کا اجلاس کلکتہ میں تھا اور اس میں اُن کا ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا تھا، جس کی اس زمانہ میں بڑی دھوم تھی اور جس کے بعد مرحوم مسلم لیگ کی دعوت کی صف میں اہم عنصر کی حیثیت سے شامل ہو گئے اور روز بروز ان کا تعلق لیگ سے بڑھتا ہی چلا گیا۔ مرحوم اس زمانہ میں بیمار تھے۔ نشست و برخاست سے معذور رہتے تھے، گٹھیے کا گمان تھا اور میرٹھ کے کسی ہومیو پیتھ کے علاج سے فائدہ ہو رہا تھا۔ اتفاق سے اس زمانہ میں میرا دیوبند جانا ہوا تو ملاقات کو حاضر ہوا۔ بشاشت سے ملے اور مجھ سے اپنے پیغام کے متعلق رائے پوچھی، تو میں نے اس کے نرم و ملائم لہجہ اور مصالحانہ انداز کی تعریف کی۔ اسی زمانہ میں اُن کو حیدر آباد دکن کی ریاست اپنی عربی درسگاہ مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی کے لئے پانچ سو ماہوار پر بلا رہی تھی۔ مرحوم اس کے قبول و عدم قبول میں متردّد تھے۔ مجھ سے بھی اس میں مشورہ پوچھا، مجھے اس مدرسہ کا اندرونی حال جو معلوم تھا، وہ بیان کیا اور عدم قبول کا مشورہ دیا۔ بہر حال مرحوم نے بھی وہاں جانا قبول نہیں کیا، بلکہ یوں کہنا چاہئے، لیگ کی خدمتوں میں ایسے اُلجھتے گئے کہ پھر دوسری طرف اُن کو خیال کا موقع ہی نہیں ملا اور آخر ۱۹۴۷ء میں لیگ کے بڑے بڑے رہنماؤں کے ساتھ مرحوم بھی کراچی چلے گئے اور وہیں کے ہو گئے۔

مرحوم نے کراچی پہنچ کر گو کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا۔ مگر مذہبی معاملات میں اُن کی حیثیت مشیر خاص کی تھی۔ اس لئے زبانِ خلق نے اُن کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا، جو اسلامی سلطنتوں میں عموماً قاضی القضاۃ کا لقب رہا ہے اور زیادہ تر اس لقب کی شہرت دولت عثمانیہ میں رہی۔ اسی حیثیت سے مرحوم پاکستان کی مجلس آئین ساز کے رُکن بھی تھے اور اس جماعت کے روح رواں تھے، جو اس آئین کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتی ہے اور اس راہ میں مرحوم ہی کی ابتدائی کوشش کی کامیابی کا وہ نتیجہ تھا، جس کو پاکستان کی آئینی اصطلاح میں "قرار دادِ مقاصد" کہتے ہیں۔

مرحوم گو مستقل طور سے پاکستان چلے گئے تھے، مگر تعجب ہوگا کہ انہوں نے نہ تو اپنا کوئی خاص گھر بنایا، نہ کسی کی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا، بلکہ بعض عقیدت مند اہل ثروت کے مکان میں رہے اور اسی مسافرت میں اس مسافر نے اپنی زندگی بسر کر دی۔

مرحوم مروّت کے آدمی تھے اور اہل حاجت کی سعی و سفارش بدل و جان کرتے تھے۔ چنانچہ پاکستان کے اہل حاجت اور اہلِ غرض دونوں ان سے فائدہ اُٹھاتے رہے اور وہ اپنی جاہ و منزلت کا ذرا خیال کئے بغیر ہر ایک کے کام آتے رہے اور حکام کے پاس جا جا کر بے تکلف اُن کی سفارشیں کرتے رہے۔

مرحوم کا آخری کام ایک عظیم الشان عربی درسگاہ کے قیام کا خیال تھا۔ چنانچہ اس کے لئے انہوں نے مخلصین کی ایک جماعت بنائی تھی۔ میرے قیام حجاز کے آخری زمانہ میں مرحوم کی طرف سے اس جماعت کا دعوت نامہ مجھے بھی ملا تھا اور انہوں نے مجھے بھی اس مجلس کا ایک رُکن بنایا تھا۔

مرحوم کی صحت اخیر دنوں میں اچھی نہ تھی۔ امسال پاکستان سے خیر سگالی کا ایک وفد حجاز جا رہا تھا۔ اس کے ممبروں میں خواجہ شہاب الدین وغیرہ کے ساتھ مرحوم کا نام بھی تھا مگر وہ اسی علالت کے سبب نہ جا سکے اور ان کی جگہ مولانا ظفر احمد تھانوی گئے۔ مرحوم پر فالج

کا اثر تھا، جس سے اُن کے دل ودماغ اور جسمانی قویٰ پر بڑا اثر تھا۔ اتفاقِ وقت یا تقدیر
تماشہ دیکھئے کہ دسمبر میں جب سردی انتہائی نقطہ پر تھی، وہ جامعہ عباسیہ کی تعلیمی ضرورت
بھاولپور گئے۔ جہاں سُنا ہے کہ اس وقت بڑی سردی تھی، اس کے بعد کا حال کراچی
ایک رسالہ "ندائے حرم" مورخہ جنوری ۱۹۵۰ء سے نقل کرتا ہوں۔

"۱۷ رصفر ۶۹ھ مطابق ۸ر دسمبر ۴۹ء کو حضرت علامہ مرحوم ومغفور جامعہ عباسیہ
ایک تقریب میں شرکت کیلئے کراچی سے بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۲۲ رصفر ۶۹ھ مطابق
۱۳ر دسمبر ۴۹ء کی صبح تک طبیعت بالکل ٹھیک ہی معلوم ہوتی تھی۔ خلافِ معمول اس روز
ایک پیالی کے بجائے دو پیالیاں چائے پی اور فرمایا رات کو کچھ حرارت رہی، چنانچہ اسی
وقت ڈاکٹر کو ٹیلیفون کر کے طلب کیا گیا۔ ڈاکٹر نے بہت خفیف حرارت بتائی اور دوا دیدی۔
دس بجے کے قریب سینہ میں غیر معمولی گھبراہٹ محسوس ہوئی، دوبارہ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ نبض کی
رفتار اس وقت اپنی طبعی رفتار سے کچھ کم تھی۔ ایک طبیب اور دوسرے ڈاکٹر کو بھی طلب کر
گیا۔ بہاولپور کے وزیرِ تعلیم اور وزیرِ اعظم اور وزیرِ مال بھی پہنچ گئے، چار پانچ انجکشن دیے
گئے مگر نبض کی رفتار کم ہوتی گئی۔ آخر گیارہ بجکر ۵۰ منٹ پر یہ آفتابِ علم غروب ہو گیا۔ انا
للہ وانا الیہ راجعون۔

میت اُسی روز شام کو بذریعہ پاکستان میل ۷ بجے کے قریب بہاولپور سے کراچی
روانہ کی گئی۔ اسی روز شام کو پاکستان کے اس مایۂ ناز عالم باعمل کو لاکھوں اشکبار آنکھوں
سوگواروں نے سپردِ خاک کیا۔ ڈیرہ نواب کے اسٹیشن پر نواب صاحب بہاولپور نے میت
کی زیارت کی اور اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا"۔

کراچی کے سٹیشن پر مسلمانوں کے بہت بڑے مجمع نے میت کو اُتارا اور
مرحوم کی قیامگاہ پر لائے اور پھر وہاں سے اُن کی قیامگاہ کے سامنے ایک زمین میں جس
عامل کالونی کہتے ہیں، دفن کیا گیا۔ سندھ کے اقطاع میں سے بہاولپور ہی وہ مقام

جس سے دیوبند کے اکابر اور امداد اللّٰہی سلسلہ کے مشائخ کو تعلق خاطر رہا ہے۔ اس لئے اگر
مرحوم کی موت اسی سرزمین پر واقع ہوئی، تو عالم مثال کے حوادث میں کوئی عجیب چیز نہیں
ہوئی۔

مرحوم کی کوئی ظاہری اولاد نہ تھی، لیکن بحمد اللہ کہ انہوں نے اپنی کثیر باطنی اولاد
چھوڑی ہے۔ یہ اُن کے تلامذہ ہیں، جو زیادہ تر دیوبند اور بعض ڈابھیل میں اُن کے شرف
تلمذ سے مشرف ہوئے ہیں۔ ان میں بعض مشاہیر کے نام جو مجھے معلوم ہیں، وہ یادگار کے
طور پر سپردِ قلم کرتا ہوں، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالمآثر، محمد حبیب الرحمٰن
صاحب اعظمی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی،
مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود دریائے علم ہے۔

مرحوم کی پیدائش ۱۳۰۵ھ معلوم ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے اُن کی عمر قمری حساب
سے چونسٹھ سال کی ہوئی۔ اس وقت جب مرحوم کے نصف صدی کے واقعات کو سپردِ قلم کر
رہا ہوں، میرا دل کانپ رہا ہے اور لب معاصر مسافر عدم کے لئے مغفرت کی دعا میں
مصروف ہیں۔ ایسے نادرۂ روزگار صاحبِ کمال صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن
کے مرقد کو پُرنور فرمائے اور اس پر اپنا ابرِ رحمت برسائے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں، مگر اُن
کے کارنامے دنیا میں ان شاء اللہ تعالیٰ حیاتِ جاوید پائیں گے ....۔

مطربا، زمزمہ پرداز، جہاں خواہد بود ‏ ‏ ‏ زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گرداں زدہ است

☆☆☆☆☆☆

از : پروفیسر انوار الحسن شیرکو

شیخ الاسلام کا علمی مقام

شیخ الاسلام کا مقامِ تفسیر :

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی علمی و تصنیفی خدمات کے عنوان سے جن تصنیفات کا مختصر ذکر کیا گیا ہے ان میں علامہ کی تفسیر عثمانی زبردست علمی شاہکار ہے، یہ شاہکار ان کے مقامِ تفسیر کا ایک منصف گواہ ہے جس کے آثار سے مفسر کی عظمتِ شان کا پتہ چل سکتا ہے مفسر کے اس گلشن علم وفضل کے پھولوں کی سیر کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ ان کی طرب انگیز خوشبوئیں اور پرکیف مناظر کس طرح دماغوں اور نگاہوں کو معطر اور مسحور کر لیتے ہیں جس طرح دلفریب وادیوں کے نظارے دیکھ کر انسان بے ساختہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرنے لگتا ہے، اسی طرح علمی پھولوں کی بہاریں بھی قدم قدم پر دامن دل کو کھینچ کر کہتی ہیں کہ جا ایں جا است بس ٹھہرنے کی یہی جگہ ہے، وہ سینے کتنے خوش نصیب ہیں جن کے اندر ایسے دل ہیں جن میں حکمت ودانش کے غنچے کھلتے ہیں اور ظاہری باغوں کے سیر وتماشا سے بے نیاز ہو کر اپنا دل کھولتے اور اس کی سیر کرتے ہیں۔

تفسیر عثمانی بھی ایک گلشن ہے جس کی سیر جنتِ فردوس وعدن کی سیر سے کچھ زائد پُر بہار ہے، اس کی قدر و قیمت کے اندازے ان قدردانوں سے پوچھئے جو اس بہاروں کے مشتاق اور دلدادہ ہی نہیں بلکہ واقف حقیقت ہیں، آیئے علمائے دانشمند

خیالات معلوم کر لیں جو انہوں نے تفسیر عثمانی کے متعلق پیش کیے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگاہ میں اس تفسیر کی جو قدر تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ مفسر قرآن کی جب تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامتؒ سے ان کی وفات سے پہلے حالتِ مرض میں ملاقات ہوئی تو حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنا تمام کتب خانہ وقف کر دیا ہے، البتہ دو چیزیں جن کو میں محبوب سمجھتا ہوں اپنے پاس رکھ لی ہیں، ایک تو آپ کی تفسیر والا قرآن شریف اور دوسری کتاب ”جمع الفوائد“ اس واقعہ سے حکیم الامت کی نظروں میں تفسیر عثمانی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

علامۂ عصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ :

”مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیرِ قرآن حکیم لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے“۔

علامہ کشمیریؒ کا یہ قول تفسیر عثمانیؒ پر ایک ایسا تبصرہ ہے کہ اس سے اچھا اور تبصرہ ایک جملہ میں ہو نہیں سکتا۔

علامہ عبید اللہ سندھیؒ نے دورانِ قیام مکہ معظمہ میں جب پہلی مرتبہ ان تفسیری فوائد کو پڑھا تو انہوں نے علامہ مفسر کو لکھ کر بھیجا کہ آپ نے قرآن کریم کی جو تفسیر تحریر فرمائی ہے اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی روح کارفرما ہے ورنہ اس جیسی تفسیر کا لکھا جانا میرے خیال سے باہر ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

”اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے علامۂ زماں محقق دوراں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ زید مجدہم کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا ہے۔ مولانائے موصوف کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب وغریب حافظہ، عجیب و

غریب تجرو غیرہ کمالاتِ علمیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج اس میں شامل کر سکے قدرت نے مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ موصوف کی توجہ تکمیلِ فوائد اور ازالۂ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لئے عدیم النظیر حجۃ بالغہ قائم کر دی ہے۔ یقیناً مولانا عثمانی ؒ نے بہت سی ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے''۔

علامہ سید سلیمان ندوی ؒ ''تفسیر عثمانی'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :

''حقیقت یہ ہے کہ علامہ عثمانی ؒ کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآن کے حواشی ہیں جو حضرت شیخ الہند ؒ کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں، ان حواشی سے علامہ مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلنشین کرنے کے لئے ان کی قوتِ تفہیم حلبیان سے بالا ہے، مجھے امید ہے کہ ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے''۔

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی فرماتے ہیں کہ :

''مولانا عثمانی ؒ علماءِ دیوبند میں اپنی قرآن دانی اور تدبر فی القرآن کے متعلق جو خصوصیت رکھتے ہیں، اس نے مولانا کو میرا محبوب اور ان کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے، انہوں نے قرآن مجید کی عام اردو میں جامع و مانع تفسیر بطور حواشی لکھی ہے''۔

علامہ عثمانی ؒ کا مقامِ حدیث :

دار العلوم دیو بند میں علم الحدیث کے سب سے بڑے ماہر کو شیخ الحدیث اور صدر مدرس مانا جاتا رہا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جن علمائے حدیث کے نام لئے جا سکتے ہیں، اپنے اپنے دور میں دار العلوم دیو بند کا شیخ الحدیث ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام میں سب سے بڑی حیثیت کا مالک اگر تسلیم کیا جائے تو یہ حقیقت مبالغہ سے خالی ہوگی، چنانچہ دیو بند کے علماء میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن

دیو بندی ؒ، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری ؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ بلند پایہ محدثین تسلیم کئے گئے ہیں، ان حضرات نے دار العلوم دیو بند اور اپنے حلقۂ درس و تدریس میں حدیث کی بڑی خدمات انجام دی ہیں، انہیں حضرات میں شیخ الاسلام ؒ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم ہیں، جنہوں نے دار العلوم دیو بند میں مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھانے کے بعد صرف علم حدیث کی تعلیم دینے کے لئے دار العلوم دیو بند کو اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ آپ حدیث میں شیخ الہند ؒ کے شاگرد رشید ہیں، جو دار العلوم دیو بند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ انہوں نے حدیث مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ بانی دار العلوم دیو بند سے اور انہوں نے حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی ؒ سے پڑھی، تا آنکہ یہ سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ سے آنحضور ﷺ تک حدیث کی سند مقدمہ بخاری شریف میں ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ عثمانی ؒ نے دار العلوم دیو بند سے ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں حدیث کی حسب ذیل کتابیں پڑھیں۔ (۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) ابو داؤد (۴) ابن ماجہ (۵) ترمذی (۶) موطا امام مالک (۷) موطا امام محمد (۸) نسائی (۹) شمائل ترمذی۔

یہی مذکورہ بالا سال علامہ کی تعلیم کا آخری سال ہے جس کو دورۂ حدیث کا سال کہا جاتا ہے آپ اس سال دورۂ حدیث میں سب سے اوّل رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث سے آپ کو خداداد مناسبت تھی۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ء میں فراغت کے بعد علامہ عثمانی ؒ نے ۱۳۲۶ھ میں دار العلوم دیو بند ہی میں تعلیم دینا شروع کی، اسی سال حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ؒ آپ کی شاگردی میں رہے جو دورۂ حدیث میں کتابوں کی اس ترتیب کے نہ ہونے کے باعث جو شرائط دار العلوم میں سے ہے داخل نہ ہو سکے ایک سال بعد شوال ۱۳۲۶ھ میں آپ مدرسہ فتح پوری واقع چاندی چوک دہلی کے مشہور عربی مدرسہ

میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے، جہاں آپ حدیث کی تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ دو سال بعد آپ پھر دار العلوم دیوبند تشریف لائے اور معقول و منقول کی بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے ساتھ ساتھ حدیث کی تعلیم دینے پر بطور استاذ حدیث مقرر کئے گئے، اس دوران آپ نے حدیث کی کتابیں مسلم شریف اور ترمذی شریف دار العلوم میں پڑھائیں، حضرت شیخ الہند مرحوم حج کے لئے شوال ۱۳۳۳ھ میں روانہ ہوئے اور اسی سفر حج میں قید فرنگ میں مالٹا میں نظر بند رہے اور ۲۶ر رمضان ۱۳۳۸ھ کو نو بجے صبح مالٹا سے روانہ ہو کر دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے اور اس سال بخاری شریف حضرت شیخ الہندؒ نے پڑھائی لیکن مالٹا سے واپسی پر صرف چھ ماہ بعد ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد مسلم شریف علامہ عثمانیؒ مستقل طور پر ۱۳۴۴ھ تک دار العلوم میں پڑھاتے رہے بعد ازاں آپ ڈابھیل میں حدیث کا درس دیتے رہے، ۲ر صفر ۱۳۵۲ھ کو جب علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کا انتقال ہو گیا جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے تو اب صدر مدرس اور شیخ الحدیث علامہ عثمانیؒ بنائے گئے اور بخاری شریف کا درس جس کا مرتبہ قرآن کریم کے بعد ہے آپ کے سپرد ہوا اور اب آپ وہاں کے مستقل شیخ الحدیث ہو گئے۔ یہ ہے علامہ عثمانیؒ کے علم حدیث سے شغف اور مشغولیت کا عرصہ اور مطالعہ حدیث و تحقیق کا دائرہ جس میں آپ چوٹی کے علماء شمار کئے جاتے تھے، چنانچہ آپ کے علم حدیث اور محدث ہونے پر جو اہل علم نے ریمارکس دیئے ہیں وہ مختصراً پیش کئے جاتے ہیں تا کہ میرے دعویٰ کی دلیل اور تائید بن سکیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دار العلوم دیوبند ۱۳۳۳ھ کی روئیداد میں لکھتے ہیں کہ :

"مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی موخر طبقہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ماشاء اللہ وہ ان نوجوان اہل علم میں سے ہیں جن کو علوم اکابر کا حامل قرار دیا جائے، تمام علوم معقول و منقول میں کامل استعداد رکھتے ہیں، تحریر و تقریر میں بے مثل ہیں، خصوصاً علم حدیث میں ایسا ملکہ ہے جو معمر اور تجربہ کار مشائخ حدیث کو ہوتا ہے"۔

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے فتح الملہم شرح مسلم کی تقریظ میں علامہ عثمانیؒ کے محدث ہونے کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے، لکھتے ہیں :

"یقیناً اپنے زمانہ کے علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ جو اس زمانہ کے محدث، مفسر و متکلم ہیں، اور احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب مسلم کی خدمت ان سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے اہل علم کی گردن پر احسان کیا ہے"۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے مکتوب ۶ر رجب ۱۳۵۳ھ میں علامہ عثمانیؒ کے علمی مقام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

"آنجناب کے علمی کمالات، تحریر و تقریر میں فائق و ماہر ذکاوت و حافظہ میں بے نظیر ہونے کا اقرار کرتا ہوں اور دار العلوم دیوبند کے لئے صدارت تدریس آپ کے شایانِ شان سمجھتا ہوں اور قسمیہ کہتا ہوں کہ میں اپنی استعداد اور قابلیتِ علمی آپ کے شاگردوں کے پائے کی بھی نہیں پاتا"۔

شیخ محمد زاہد الکوثریؒ مصری نے فتح الملہم کی تقریظ میں علامہ عثمانیؒ کو محقق، محدث مفسر، فقیہ اور متکلم تسلیم کیا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ غرضیکہ علامہ عثمانیؒ اپنے علم و فضل کے ثبوت میں دوسروں کے اقوال کے محتاج نہیں یہ مندرجہ بالا چند علماء محدثین کی آراء ہی کافی ہیں کہ آپ کا محدث و مفسر اور فقیہ ہونا اس چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے جس کو تمام دنیا مطلع پر جلوہ آرا دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہے اور دلوں اور آنکھوں کو منور کرتی ہے۔

علم فقہ میں علامہ کا مقام :

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی شخصیت علماءِ دیدہ ور میں ایک خاص مقام رکھتی ہے، وہ معقول و منقول دونوں علوم میں نور بصیرت سے ممتاز تھے، ایسی جامعیت قدرت کی خاص عنایت اور خالقِ فطرت کی رحمت کا اثر ہو سکتا ہے، انہیں جہاں تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ

اور کلام میں طبعی ذوق تھا، وہاں علم فقہ میں بھی منفرد نظر آتے تھے، علمائے اہل نظر میں جب فقہی مسائل اور ان کے عہد کے ہنگامی نظریوں کا سوال پیش آتا تو ان کا تفقہ اور فقہی معلومات وتحقیقات کا دریا ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا تھا، فقہی مسائل کو اس طرح پیش فرماتے کہ دل کی تہوں میں پیوست ہوتے چلے جاتے اور دماغ کے پردوں کو صاف اور روشن کرتے جاتے تھے جب بھی ہنگامی دور کے نازک تقاضے امت مسلمہ کے لئے شرعی احکام کی تشنگی محسوس کرتے تو علامہ عثمانیؒ کی طرف نظریں اُٹھاتے، آپ ان کے اشاروں کو سمجھتے سوچتے غور کرتے قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھتے اور پورے غور وخوض، نقد ونظر کے بعد جبکہ ظاہری تحقیق وتدقیق کے فیصلے باطن نگاہوں کے ساتھ نگاہیں ملا کر شفائے قلبی کے ساتھ متفق ہوجاتے تو علامہ اس پر ڈٹ جاتے اور پھر ان کی قوتِ علمی، قوت فیصلہ، قوتِ استدلال کے سامنے جو مخالف دوسرا نظریہ لے کر آتا اس کو پسپا ہونا پڑتا تھا اسی لئے میرے نزدیک فقہ میں دسترس کے باعث اگر ان کو فقیہ دانشمند کہا جائے تو درست ہوگا۔ تفقہ اور دین میں بصیرت ایک تنویر ربانی یا موہبتِ کبریٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ جس کے دل ودماغ میں چاہیں روشن کردیں اسی نور بصیرت یعنی دین کو سمجھنے کا نام تفقہ ہے ائمہ ہدیٰ نے قرآن و سنت کے نشیب وفراز سے جو کچھ سمجھ کر احکام نکالے اس کو فقہ کہا جانے لگا اور ان احکام کے لئے جو اصول وضع کئے ان کو اصول فقہ کا نام دیا گیا۔

دین کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، اس لئے ہر دور اور ہر صدی میں مجدد اور علمائے اہلِ نظر نے دین کی حفاظت کی ہے، ہندوستان وپاکستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اپنے اپنے دور کے حسب مقام ووقت فقہ میں صاحب نظر گزرے ہیں۔ شیخ الاسلام

علامہ عثمانیؒ کے علم فقہ کے بارے میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

"مخدومی واستاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی پوری زندگی ایک علمی زندگی ہے، اس کے مختلف گوشوں اور شعبوں پر مکمل کلام کیا جائے تو ہر ایک کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ حضرت مولانا عثمانیؒ جہاں علم تفسیر اور علم حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے وہاں علم فقہ اور علم الکلام میں ید طولیٰ رکھتے تھے، لیکن اپنے غایت تقویٰ اور احتیاط کی بناء پر حضرت الاستاذ علامہ عثمانیؒ کا معمول فتاویٰ کے بارے میں دیوبند میں بھی اور پاکستان میں بھی یہی رہا کہ فتاویٰ سب اس ناکارہ کے حوالے فرماتے تھے اور کوئی خود لکھنے پر اصرار بھی کرتا تو عذر فرمادیتے تھے اور غایت تواضع سے فرماتے تھے کہ مجھے کبھی فتویٰ کے کام میں اشتغال کا اتفاق نہیں ہوا اس لئے احتیاط کرتا ہوں، حالانکہ یہ امر بدیہی تھا کہ اس ناکارہ کو اگر کوئی علم کا کوئی حرف آتا تھا تو وہ سب انہی استاذہ کرام کی کفش برداری کے ذریعہ سے تھا اور خود احقر کو جب مہماتِ فتویٰ میں اشکال پیش آتا تو پاکستان آنے کے بعد حضرت علامہ عثمانی مرحوم کی طرف رجوع کرتا اور ان کے محققانہ ارشادات سے استفادہ کرتا تھا، حق تعالیٰ نے جہاں آپ کو کمالاتِ علمی میں اعلیٰ پایہ عطا فرمایا تھا، وہیں اخلاقِ فاضلہ اور تواضع میں بھی بلند مقام سے سرفراز فرمایا تھا اسی کا نتیجہ رہا کہ جس مسئلہ میں حضرت علامہ مرحوم کو احقر کی رائے اور فتوی سے اتفاق نہ بھی ہوتا تو تب بھی عملاً ہمیشہ موافقت فرماتے اور اختلاف کا اظہار بھی نہ فرماتے تھے"۔ .... الغرض حضرت علامہ عثمانی مرحوم کا فقہی مقام بھی بہت بلند تھا۔

علامہ عثمانیؒ اور علم الکلام :

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ علمِ معقول اور منقول دونوں میں جامع تھے جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے اور بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان کے ایک

ایک وصف کے لئے ایک ایک دفتر کی ضرورت ہے، علامہ کے علم الکلام پر ید طولیٰ اور تبحر پر مفصل بحث تو تجلیاتِ عثمانی میں موجود ہے یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ علم الکلام علامہ عثمانی کا مایہ ناز علم اور قابلِ فخر سرمایہ ہے، علمائے ہند و پاک اور بعض ممالک اسلامیہ میں شریعتِ اسلامیہ کے عقائد و اعمال پر عقلی دلائل اور امثال کے ذریعہ حجت واقعیہ کی روشنی میں صاف اور مستقیم راہ دکھاتا علامہ عثمانیؒ کی قوتِ استدلال اور کلام جوہر کا خاص عمل رہا ہے۔ علامہ مرحوم کو علم کلام میں خصوصی ذوق حاصل تھا۔ ان کی ذہنی ساخت معقولات یعنی فلسفہ و منطق اور علم الکلام کے لئے ارتقائی مقام رکھتی تھی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے معقولات سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور اس وقت آپ اپنے ہم سبقوں کو منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے یا تکرار کرایا کرتے تھے حتیٰ کہ منطق و فلسفہ کے اس انہماک کو دیکھ کر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے آپ کو تفسیر و حدیث اور فقہ کی طرف مائل کیا، اگر ایک طرف قرآن کریم کے بہترین مفسر اور علم حدیث میں مہارت کے باعث اعلیٰ پایہ کے محدث اور فقہ میں دسترس کے باعث بلند مقام فقیہ تھے تو دوسری طرف علم منطق و فلسفہ اور علم کلام میں پوری بصیرت کے باعث منطقی و فلسفی اور بہترین متکلم تھے، حالانکہ معقولات اور منقولات دونوں طرح کے علوم پر حاوی اور جامع شاذ و نادر ہی ہستیاں ہوتی ہیں، حکمت و فلسفہ کی وسعتیں امام رازیؒ، امام غزالیؒ، شیخ محی الدین ابن عربی، شاہ ولی اللہ اور بالخصوص حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے وابستہ تھیں، آپ نے ان حضرات اکابر فلاسفہ اسلام کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ اسلام کا کوئی مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مسئلہ بھی ان کی تحقیقی نظر کی زد سے باہر نہ تھا۔ ان کو نزاکتِ حالات، نزاکت احکام اسلامی اور نزاکت وقت کے ساتھ ساتھ طبائع کی مناسبتوں کو ٹٹولتے ہوئے اسلام و سائنس کی نکتہ آرائیوں پر پوری دسترس تھی۔ (تجلیاتِ عثمانی نمبر ۳۸۶)

قاسم ثانی علامہ عثمانیؒ :

قاسم ثانی کے لقب سے علامہ عثمانی کی شہرت محتاج تعارف نہیں، ہر وہ شخص جو علامہ کے حلقہ درس، حلقہ مجالس اور حلقہ تقریر میں بیٹھنے کا شرف حاصل کر چکا ہے یا جن اہل علم کو علمائے دیوبند سے تعارف حاصل ہے، وہ جانتے ہیں کہ علامہ عثمانی مرحوم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات اور علوم پر گہری نظر اور مکمل بصیرت رکھتے تھے اور اگر حقیقت تک آپ رسائی چاہتے ہیں تو علامہ عثمانی ایسے جلیل القدر عالم، حضرت قاسم العلوم نور اللہ مرقدہٗ کی تصانیف کی واسطے سے ہی بنے ہیں۔ جس طرح جوہر قابل کی نگاہ، جوہر قابل پر پڑ کر اس کو کیمیا اور لعل و گوہر بنا دیتی ہے اسی طرح حجۃ الاسلام کی نگاہ کیمیا اثر نے علامہ عثمانی جیسا متکلم اسلام پیدا کیا۔ میرے نزدیک شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کو جن صفات نے اس بلندی علم پر پہنچایا وہ یہ تھیں :

(۱) مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے اکتسابِ فیض یعنی آفتاب قاسمی کی ضیاء بار مسلسل کرنیں ماہتاب عثمانی کو منور کرتی رہیں۔

(۲) علامہ عثمانی کی طبیعت ابتداء ہی سے معقولات، مباحث سے دلچسپی کلام کرنے کی قوت کمال کی طرف رخ رکھتی تھی ذکاوت و ذہانت فطرت میں قدرت نے ودیعت کی تھی۔

(۳) زبان شستہ صاف، فصیح و بلیغ اور قوتِ گویائی علامہ عثمانیؒ کے لئے قدرت کا عطیہ اور موہبت کبریٰ تھی۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ علامہ عثمانیؒ پر دو زبردست شخصیتوں کا اثر پڑا، براہِ راست ان کے شیخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کا اور بلواسطہ کتابوں کے ذریعے حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسمؒ صاحب کا۔ اس لحاظ سے علامہ عثمانی مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے علوم کے حامل اور ترجمان

تھے یعنی ایک طرف وہ حجۃ الاسلام کی زبان تھے اور دوسری طرف شیخ الہندؒ کے وہ ترجمان تھے اور یہ دونوں باتیں علامہ عثمانی کو اپنے زمانے میں حاصل تھیں۔ شریعتِ اسلامی کے ادق سے ادق اور مشکل سے مشکل مسئلہ کو فیضِ قاسمی کی برکت سے علامہ عثمانی ایسی فصیح و بلیغ مدلل و مرتب اور متکلمانہ تقریر و تحریر سے ثابت کرتے کہ مخاطبین کے سامنے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم اور شخصیت کا نقشہ آنکھوں اور دماغ کے پردوں پر کھنچا نظر آتا تھا، اسی وجہ سے علماء نے ان کو قاسم ثانی کے لقب سے ملقب فرمایا ہے، جو بالکل حقیقت پر مبنی اور مبالغہ سے خالی ہے، اس دعویٰ کی دلیل کے لئے آپ کی توجہ روئیدادِ اجلاس اوّل مؤتمر الانصار منعقدہ مرادآباد مورخہ ۱۵، ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء مرتبہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ اس روئیداد میں ایک مجلس کا ذکر کیا گیا ہے جو محرم ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم دیوبند میں اصلاحِ نصاب و انتظام طریقۂ تعلیم و تعلم کے لئے منعقد کی تھی جس میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا احمد حسن امروہویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مرتضٰی حسن چاندپوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اور دیگر علماء شریک تھے، اس مجلس میں نصابِ تعلیم کے سلسلہ میں ناظم جلسہ نے تین تجاویز پیش کیں اس مجلس میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تقاریر کیں۔ حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی تقریر کا خلاصہ ناظم صاحب نے روئیداد میں درج فرمایا ہے۔

حکیم الامت تھانویؒ نے حضرت نانوتویؒ کی تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مرتضٰی حسن سے فرمایا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کو چونکہ محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں، آپ اس امر کا اعلان فرمائیں۔ مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ نے حضرت مولانا کی اس قدر افزائی کا اعلان

فرمایا، اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ سے اجازت لے کر مولانا تھانویؒ کی تقریر سے علامہ عثمانیؒ کا علوم قاسمی سے گہرا تعلق اس درجہ ثابت ہوتا ہے کہ نصاب کمیٹی کے جلیل القدر علماء علامہ عثمانیؒ کو متفقہ طور پر مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا جانشین جانتے ہیں، چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے مجدد وقت علامہ عثمانیؒ کو یہ شرف و عزت عطا فرماتے ہیں کہ اپنی پگڑی کے لئے علامہ عثمانیؒ کو اس لئے مخصوص فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم سے زیادہ مناسبت ہے، اللہ اللہ اس عطیہ کبریٰ پر علامہ عثمانی جتنا بھی شکر پروردگار کریں وہ کم ہے، حضرت تھانویؒ کی طرف سے عمامہ کی عزت افزائی علامہ عثمانیؒ کی تاریخ اور علمی سیرت میں سنہری الفاظ سے رقم ہوگی۔ فالحمد للہ علی ذلک، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

''علامہ عثمانیؒ اس قدر علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا، حضرت قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر گہری نظر تھی اور درسوں میں ان کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریریں فرماتے تھے''۔

(الجمعیۃ ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

''دیوبند کے حلقے میں اس زمانے میں یہ بات برملا کہی جاتی تھی کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم و معارف پر پورا عبور ہے، وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے مضامین علمی و روحانی کو لے کر اپنی زبان اور اپنے طرزِ بیاں میں اس طرح ادا کرتے تھے کہ وہ دلنشین ہو جاتے تھے''۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :

''شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس زمانہ کے رازیؒ و غزالیؒ تھے۔ تحقیق و تدقیق اور حسنِ بیان میں امام ابوالحسن اشعری کی زبان اور ترجمان تھے، حجۃ الاسلام مولانا

محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کے امین اور عظیم محدث و مفسر و متکلم تھے۔

بہر حال شیخ الاسلام علامہ عثمانی ؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی متفقہ طور پر لسان تھے اور صحیح معنوں میں قاسم ثانی کا لقب علامہ عثمانیؒ کے لئے تھا۔ مولانا محمد میاں صاحب مصنف علماء ہند کا شاندار ماضی نے علامہ عثمانیؒ کی تقریر تقریظ کے ضمن میں علامہ کو مفسر اعظم القاسم ثانی کے الفاظ سے یاد کیا اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے علامہ کو اپنے وقت کا زبردست متکلم اور عظیم محدث و مفسر تسلیم کیا ہے جو حقیقت ہے۔

شیخ الاسلام بحیثیت خطیب :

دارالعلوم دیوبند کے علماء میں یوں تو کتنے بہترین مقرر اور خطیب گزرے لیکن متوسط دور میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایسا بادل کی طرح برسنے والا اور بجلی کی طرح کڑکنے والا آتش بیان خال خال ہی ہندوستان میں پیدا ہوا۔ خلافت کے جلسے ترکِ موالات کے پلیٹ فارم جمعیت العلماء کے پنڈال، مدارس عربیہ کی وجد آور درسگاہیں، مسلم لیگ کی کانفرنس ہند و مسلم سیاسیات کی نبرد گاہیں، تبلیغ و ارشاد کی مجلس، موتمر مکہ کی محفلیں، دارالعلوم دیوبند کی مسندیں، موتمر الانصار کے ہنگامے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی فضائیں اور مرکزی پارلیمنٹ پاکستان کی مشاورت گاہیں کسی جادو بیان کی سحر آگیں تقریر کے اشتیاق میں آج بھی سراپا انتظار ہیں، آج بھی فضائیں انہیں تقریروں سے گونج رہی ہیں، مگر وہ آتش بار زبان ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی مگر نہیں نہیں وہ سیف اللہ خالد کی طرح زبانِ الہیہ تھا جو کلام ربانی کی تفسیروں میں بولتا بولتا اگرچہ دنیا سے اُٹھ گیا مگر اس کی آوازیں مسلسل آرہی ہیں وہ زبانِ رسالت تھا جو حدیثوں کے عقدے کھولتا کھولتا فضائیں بھر گیا آج دارالعلوم دیوبند سے مسئلہ تقدیر حقیقتِ روح، خوارق عادات، تحقیقِ ایمان اتحاد عقل و نقل اعجاز القرآن کی تحقیق کے تشنہ کام اور درد دل والے اپنی دوائے درد کے لئے اس

مسیحا کا پتہ پوچھ رہے ہیں، لیکن دارالعلوم زبانِ حال سے کہہ رہا ہے .... ؎

ہم نفسو اُجڑ گئیں مہر و وفا کی بستیاں
پوچھ رہے ہیں اہلِ دل مہر و وفا کو کیا ہوا

علامہ عثمانیؒ کی تقریر اور خطابت کے متعلق میں نے اوپر شاعری سے کام نہیں لیا اگر یہ آپ مانتے ہیں کہ بعض مقرر جادو بیان ہوتے ہیں تو ان جادو بیانوں میں سے ایک جادو بیان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ پنجاب کے نامور ادیب مولانا نصر اللہ خان عزیز اپنے اخبار تسنیم مورخہ ۲۰ ردسمبر ۱۹۴۹ء کے آرٹیکل معنون بہ "شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ" میں لکھتے ہیں۔

"مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند کے مدرسہ علم و فقہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے سینے میں ایک دل بیدار و صحت یاب تھا جو ان کی تمام احتیاطوں کے باوجود ان کو میدانِ عمل میں لئے پھرتا تھا سب سے پہلے وہ تحریکِ خلافت و عدم تعاون میں عوام کے سامنے آئے وہ ایک جادو بیان مقرر تھے، لاہور میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صدارت میں جمعیت العلماء ہند کی کانفرنس ہوئی تھی، اس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر نہایت معرکۃ الآراء تھی"۔

مولانا ظفر علی خان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے متعلق اپنے مقالہ "آہ شیخ الاسلام" میں لکھتے ہیں :

"جن لوگوں نے علامہ مرحوم کی تقریریں سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ علامہ کے ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا اور ایک ایک بات میں دنیا بھر کے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے"۔ (زمیندار مورخہ ۱۶ ردسمبر ۱۹۴۹ء)

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ :

"مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وقت کے بڑے عالم پاکباز محدث مفسر اور خوش بیان مقرر تھے"۔ (الجمعیۃ دہلی ۱۶ ردسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ :

''علامہ عثمانیؒ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگانِ وطن آزادی کی حقیقت سے آگاہ ہوئے''۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ :

''ایک میلاد کی مجلس میں میرا اور علامہ عثمانیؒ کا ساتھ ہوگیا، اس جلسہ میں حضور نظام دکن بھی آنے والے تھے، میری تقریر ہو رہی تھی کہ وہ آگئے میرے بعد مو شبیر احمد عثمانیؒ نے تقریر شروع کی۔ حضور نظام دکن نے بڑی داد دی اور اہلِ محفل مح ہوئے۔ مولانا شبیر احمد بڑے خطیب و مقرر تھے، ان کی تقریروں میں کافی دلائل ہوتے اور سیاسی و عملی اور تبلیغی واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت و ط اور بدیہہ گوئی ان کی تقریروں سے کافی نمایاں ہوتی تھی''۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

مولانا احمد سعید صاحب لکھتے ہیں کہ :

''حلقہ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ ایمان خطیب شاید عرصہ تک پ نہ ہو، جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم و کمال کا سمندر موج مار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں، وہ تقریر و تحریر میں اپنے وقت امام تھے، عربی و فارسی دونوں زبانوں پر آپ کو اردو کی طرح عبور تھا وہ بے تکان بولتے لکھتے چلے جاتے تھے''۔ (آزاد اخبار مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ :

''علامہ عثمانیؒ اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش تقریر واعظ، محد مفسر اور سب کچھ ہی تھے''۔ (صدق اخبار)

علامہ کی خطابت کے جائزے :

(۱) علامہ کی تقریر کے کمالاتی اجزاء میں ان کا استدلال اور محققانہ طرز قابلِ تحسین تھا آپ یقیناً ایک پرجوش خطیب اور لیکچرر تھے مگر آپ کا منطقیانہ طرز خطابت مخاطبین کے جذبات سے کھیلنے کی بجائے زیادہ تر دماغ کو حرکت میں لاتا تھا۔

(۲) خطابت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ مخاطبین کے پیمانہ فکر کا اندازہ لگائے اور اس انداز کے مطابق جلسے کو لے کر چلے، علامہ کی تقریر میں اہل علم اور عوام دونوں کیلئے یہ جوہر یکساں تھا کہ وہ تقریر میں ایسا اعتدال قائم رکھتے تھے جس سے طبقاتِ انسانی یکساں طور پر حظ اور دلچسپی حاصل کرتے تھے۔

(۳) ان کی تقریر میں اتنی کشش اور جاذبیت ہوتی تھی کہ کوئی مخاطب نہ اُکتاتا تھا اور نہ کشش سے چھوٹ کر بھاگ سکتا تھا، تحریر کی طرح تقریر بھی کانوں کے راستہ تہوں کو چیر کر دل اور رگ جاں میں پیوست ہو جاتی تھی۔

(۴) دماغ اس قدر سلجھا ہوا تھا کہ تقریر کے تمام گوشوں پر اس کی گرفت، بہترین ترتیب کے ساتھ اپنا کام کرتی تھی اور مقام و محل کی مناسبت کا خاص خیال رہتا تھا۔

(۵) مافی الضمیر کی وضاحت اور افہام و تفہیم میں آپ کی تقریر بے نظیر تھی، مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق مضمون کو ایسے آسان طریقے اور تمثیل و تشبیہ کے ساتھ سمجھاتے تھے کہ کوئی جاہل سے جاہل بھی ناکام نہ جاتا تھا۔

(۶) تقریر میں برمحل اشعار کا چسپاں کرنا آپ کا انتہائے کمال تھا، فن خطابت کے اُصول کے پیشِ نظر خشک سے خشک مضمون کو عربی فارسی اور اردو اشعار سے دلچسپ بناتے جاتے تھے اکبرالہ آبادی کی شاعری سے آپ کو بے حد دلچسپی اور مناسبت تھی لیکن ان اشعار سے آپ کی عالمانہ ثقاہت میں قطعاً کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

(۷) علمی طاقت اور لسانی طاقت کے ساتھ الفاظ کی شوکت مسلسل فضاؤں ...
ارتعاش پیدا کر دیتی تھی جس سے دلوں پر جادو ہوتا چلا جاتا تھا وہ اپنی اعجاز بیانی سے سامعین کو تصویر حیرت بنا دیتے تھے کہ کیا مجال جو ان کے چہرے سے نگاہیں اور ان کے بیان سے دل ہٹ جائیں۔

(۸) بیان میں فصاحت، بلاغت، سلاست، شگفتگی اور ہلکی ہلکی ظرافت ہوتی تھی ہاتھ کی مناسب حرکت جسم کی گردش، بائیں ہاتھ کی پہلو پر نشست اور دائیں ہاتھ کی جنبش نگاہوں میں ایک خاص کشش اور دندان مبارک کی ایک خاص تبسم کے ساتھ اثنائے تقریر میں چمک، یہ سب آپ کے تقریر کے انداز تھے۔

غالباً ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء کی بات ہے کہ جدید دارالاقامہ دارالعلوم دیوبند کی ... اعانت کے سلسلہ میں ایک وفد جو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ ... مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ پر مشتمل تھا، ضلع بجنور کے دورے پر پہنچا۔ نہٹور ضلع بجنور میں جلسہ ہوا، مولانا احمد سعید دہلویؒ جن کی فصیح و سلیس تقریر مشہور ہے اور جن کو ملکۂ تقریر کے باعث سحبان الہند کہا جاتا ہے، وہ بھی دہلی سے تشریف لائے تھے، عشاء کے بعد علامہ عثمانیؒ کی تقریر ہوئی، مولانا احمد سعید اور مرتضیٰ حسن صاحب دونوں تقریر سے موزوں فاصلہ پر چارپائیوں پر اتنی دور آرام فرما رہے تھے کہ تقریر کی آواز آ رہی تھی میں بھی مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا احمد سعید صاحب علامہ عثمانیؒ کی تقریر پر انتہائے وجد میں بار بار پہلو بدل رہے تھے اور واہ واہ کے الفاظ سے ختم تقریر تک برابر بولتے جاتے اور جھومتے جاتے تھے۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جو بہ نظر طوالت قلم انداز کئے جاتے ہیں۔ (بحوالہ تجلیات عثمانی نمبر ۱۵)

علامہ کی حق بیانی :

علامہ عثمانی کی تقریر کی روح اور خطابت کا جوہر بے باکانہ حق گوئی ہے، تحریر میں بھی جس چیز کو پوری تحقیق اور غور و فکر کے بعد صحیح خیال فرماتے، عالمانہ شان سے صاف صاف اور حق فرماتے اور جس چیز کو حق فرماتے اور جس چیز کو حق سمجھتے پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو مرعوب نہیں کر سکتی تھی اور ان کو ان کے مرکز خیال سے ہٹا نہ سکتی تھی، میں نے اکثر تقریروں میں علامہ کو حق گوئی اور بے باکی کے سلسلہ میں افضل الجہاد من قال کلمۃ الحق عند سلطان جائر (افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے) کی حدیث پر عجیب شان سے تقریر کرتے ہوئے سنا ہے۔ (میں سے مراد پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی)

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند ایم اے علامہ عثمانیؒ کی حق بیانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :

"علامہ عثمانیؒ کی تقریر ہو یا تحریر، حق گوئی اور صاف بیانی کا مرقع ہوتی تھی، علمی تحقیقات اور قوتِ بیانیہ مافی الضمیر کی ادائیگی اور وضاحت مضمون آفرینی اور قدرت الفاظ اس پر حق گوئی، یہ وہ جوہر تھے جنہوں نے علامہ کی تقریر و تحریر کو چار چاند لگا دیئے تھے، بڑے بڑے اجتماعات میں حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمان کی حیثیت سے علامہ عثمانیؒ نے جو تقریریں کیں انہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں آپ کی عظمت و برتری کا سکہ بٹھا دیا۔ تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہونے دیتے تھے جو بات کہتے تھے ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ بہت ناپ تول کر کہتے تھے، تحریکِ خلافت کا زمانہ حد درجہ اشتعال اور جذبات کی برانگیختگی کا عہد تھا اس زمانہ میں کبھی بھی تقریراً تحریراً کوئی بات ایسی نہیں کہی جو صرف جذبات کا نتیجہ ہو حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر معاملہ میں اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے، چنانچہ شاید اب تک

لوگوں کو یاد ہے کہ دہلی کے عظیم الشان جلسے میں پنڈت مدن موہن مالویہ کے مقابلہ پر اور ۱۹۲۲ء میں ''گیا'' میں جمعیت علماء ہند کے سالانہ جلسے کے موقع پر کونسلوں کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر حکیم اجمل خان مرحوم کی مخالفت میں حضرت الاستاذ علامہ عثمانی مرحوم نے کس قدر ہنگامہ آفرین اور معرکتہ الآراء تقریریں کی تھیں''۔

علامہ بحیثیت مناظر اسلام :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو ایک اچھے اور بڑے مناظر میں ہونی چاہئیں، اگر دنیا کے مذاہب کی سچائی کا عالمگیر مناظرہ منعقد کیا جائے تو میرے نزدیک علامہ موصوف کے دور میں ان سے اچھا اسلام کا نمائندہ جو اپنے روشن پختہ دلائل سے دوسرے مذہب پر حجت قائم کردے اور کوئی نہ ملے گا۔ دارالعلوم دیوبند کی جماعت کو جب کسی آل انڈیا اہم مسئلہ یا بحث میں بڑے بڑے اہل فہم اور سلجھے ہوئے لیڈروں کے مقابلہ میں ضرورت پیش آتی تو سب کی نگاہیں آپ کی طرف اُٹھتیں اور علمائے دیوبند کو میدان جیتنے کا اطمینان ہو جاتا چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ شاہد ہے کہ علامہ موصوف نے فن مناظرہ میں بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں اور نہ صرف دیوبند کا وقار قائم کیا ہے بلکہ اسلام کی لاج بھی رکھی ہے۔ علامہ کی زندگی جہاں شریعت کے مطالعہ درسِ قرآن و حدیث وعظ و تقریر میں گزری وہاں اسلام کی وکالت اور تائید میں بھی ایک پختہ کار مناظر کی حیثیت سے آپ کی عمر کا ایک حصہ بسر ہوا۔ ان کی قوتِ علمیہ اور زورِ بیان کے ساتھ قوتِ استدلال کے سامنے شاید ہی کوئی ٹھہرتا تھا۔ علامہ مخاطب اور مناظر کی مختصر سی گفتگو میں اس کی تمام علمی طاقتوں اور منتہائے خیال کے سارے زور کا اندازہ لگا لیتے تھے اور ایسے دلائل یا الزامی سوالات قائم کرتے کہ حریف چاروں طرف سے اپنے آپ کو محصور پا کر ہتھیار

ڈالنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں کے اثرات اور نتائج سے آپ ان کے فنِ مناظرہ اور مباحثہ کا اندازہ لگا سکیں گے کہ اس سلسلے میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ :

''ہندوستان کے مختلف مذاہب اور دیگر مکتبہ ہائے خیال کے ساتھ آئے دن کے مناظروں کے باعث دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی تقریروں اور مناظروں کے مشق کرائی جاتی رہی تھی اور علامہ عثمانی ان اُمور کے انچارج ہوتے تھے اور طلبہ کو ان فنون کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ کے عہد میں اس قسم کی مختلف جماعتیں ظہور میں آتی رہتی تھیں۔ تحریکِ خلافت کے زمانہ کے بعد جب حکومتِ برطانیہ نے ہندو مسلم اتحاد کے خرمن پر فساد اور پھوٹ کی بجلی گرائی اور پنڈت شردھانند نے آگرہ اور اس کے اطراف و جوانب میں شدھی کی تحریک شروع کی، تو علامہ بھی وہاں پہنچے اور دارالعلوم میں طلبہ کے سامنے مناظرانہ شان کی تقریریں شروع فرمائیں اور اسی کے نتیجہ میں علامہ کا اعجاز القرآن جیسا مقالہ علمی خزانے دے کر ہمارے سامنے آیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم میں ہندی کی تعلیم کا بھی آغاز ہوا اور آپ نے جہاں قادیانیوں کے رد میں بہت کچھ کام کیا، وہاں آریوں کے متعلق بھی آپ کے مضامین مناظرہ کرنے والوں کے لئے خاص ہتھیار ہیں۔ قادیانیوں کے رد میں بعض آیات کے ماتحت آپ کی تفسیر میں بہت کچھ ہے اور خاص طور پر آپ کی کتاب ''الشہاب'' اور ''صدائے ایمان'' نیز دیگر تقریریں ہیں''۔

ادب و شاعری :

انیسویں صدی کے آخری اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور کی طرف تھوڑی سی گردن موڑ کر دیکھنے سے ہمارے اردو ادب کے کچھ ایسے نقشے نظر آتے ہیں جن میں سرسید، آزاد، نذیر احمد، شبلی اور حالی نے طرح طرح کے رنگ بھرے ہیں ان میں سے ہر ایک کسی

نہ کسی طرز کا موجد ہے اور ہر ایک کوئی نہ کوئی شانِ ادب اپنے لٹریچر میں رکھتا ہے۔ اسکولوں، کالجوں، علمی انجمنوں اور ادبی ماہناموں میں ان کی ہستیوں کی دھوم ہے اور ان کے ادبِ اردو کا چرچا ہے، ادبی ماہناموں میں ان ہستیوں کی دھوم ہے اور ان کے ادب اردو کا چرچا ہے، آخر اہلِ ذوق نے ان کے ادبی شاہکاروں میں کچھ امتیازی رنگ ہی تو دیکھا ہے جس کے باعث یہ ہستیاں ممتاز نظر آتی ہیں اور یقیناً ان کی تحریروں میں حسنِ ادب کی وہ جھلکیاں ہیں جن کے سبب ان کی قلمی کارناموں کو قبولیت اور عقیدت کا تاج پہنایا گیا ہے۔ انہی ناموران ادب کے معیار کو پیش نظر رکھ کر شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی ادبی گلکاریوں کا ادب نواز نگاہیں فیصلہ کر سکتی ہیں کہ باغ اردو کو اپنی تصانیف میں علامہ نے کس طرح آراستہ کیا ہے۔ اردو کے مذکورہ محسنوں کی چمن بندیوں کے برابر میں ان کی اردو زبان کا بہترین اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور وہ ان ناموران ادب سے کسی صورت میں بھی کم نہ تھے جن کی تحریریں ملک سے خراجِ ادب لے چکی ہیں، چنانچہ اہلِ علم اور اہلِ ادب نے علامہ کے اردو ادب کے متعلق جو کچھ کہا ہے، مختصراً چند اہلِ علم وادب کے خیالات پیش کئے جاتے ہیں''۔

ادارہ فروغ اردو لاہور جس نے علامہ کے بعض مقالات مثلاً الاسلام، اعجاز القرآن، العقل والنقل، الروح فی القرآن کو ایک جگہ جمع کر کے چھاپا ہے اور ان کے شروع میں ایک مختصر سا تعارف پیش کیا ہے علامہ کو اردو کے جہاندیدہ ادیب کے نام سے یاد کرتا ہوا لکھتا ہے۔

''علماء کی جماعت سے باہر بہت کم اصحاب کو اس خوشگوار حقیقت کا علم ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ محض خطبہ وتقریر پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ آپ نے دینی مسائل اور حکمت وفلسفہ کے نکات پر ایک جہاندیدہ ادیب اور پختہ کار حکیم کی حیثیت سے قلم اُٹھایا ہے''۔ (تعارف مقالاتِ عثمانی)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے آپ کی تفسیر کی اردو زبان کے متعلق لکھا ہے کہ:

''علامہ کی زبان اور طرزِ بیان نہ خشک نہ مغلق، نہ مولویانہ بلکہ عموماً سلیس شگفتہ اور ادیبانہ ہے''۔ (مقدمہ قرآن کریم مطبوعہ بجنور)

مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:

''علامہ کی تحریر کی شگفتگی مسلّم تھی اور ان کی ادبی جامعیت شگفتگی اور بلاغت کو خود ان کے اکابر بھی مانتے تھے اور اس کی کافی داد دیتے تھے''۔ (رسالہ دارالعلوم مئی ۱۹۵۶ء)

علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

''علامہ عثمانیؒ کی تحریر بھی شستہ تھی، علامہ کی تحریر کے بارے میں مولانا محمد علی جوہر نے کہا تھا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی عبارت کی انگریزی بنانے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کیونکہ اس کی ساخت انگریزی طرز پر ہوتی ہے''۔ (معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

بہر حال علامہ عثمانیؒ اردو ہی کے ادیب نہ تھے بلکہ عربی وفارسی کے بھی بہترین ادیب وشاعر تھے، علامہ کی شعر وشاعری کے متعلق حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''علامہ عثمانیؒ شعر وشاعری سے بھی عاری نہ تھے، گو اس کا ذوق نہ تھا، مگر چند مواقع ایسے بھی پیش آئے کہ جذباتِ دل کی ترجمانی آپ نے نظم میں فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی رحلت پر ''نالۂ دل'' کے نام سے ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی۔ اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات پر علامہ کے قلم سے سوز ودرد دل کی بے تابی میں نکلے ہوئے غم کے آنسو نہایت مقبول ہوئے ان کے علاوہ کئی اکابر کی وفات پر مرثیے لکھے جو مشہور ہوئے''۔

نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حضرت شیخ عبدالرحیم رائپوریؒ کے بارے میں اور حکیم الامت تھانویؒ کے بارے

میں" ....۔

بہت اچھا ہمیں سب چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ
کہ حامی ہم غریبوں بیکسوں کا بھی خدا ہوگا
کلیجہ منہ کو آجاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں میں
کہ کیسا حال تیرا اے اسیر مالٹا ہوگا
تمہارے ذکر سے جس کے بدن میں جان آتی تھی
تمہاری فکر میں ہی کیا خبر تھی وہ فنا ہوگا

....

وا حسرتا کہ شیخ زمانہ نہیں رہا
اُمت کا وہ حکیم یگانہ نہیں رہا
جائیں کہاں ازالۂ شبہات کیلئے
اب کوئی اپنا ایسا ٹھکانہ نہیں رہا

....

امدادؒ حق نظر کا نظارہ کدھر گیا
یعقوبؒ کی نگاہ کا تارہ کدھر گیا
فیض رشیدؒ و قاسمؒ و محمودؒ شیخ الہندؒ
ہم بے کسوں کا آہ سہارا کدھر گیا

....

علامہ مفتی تقی عثمانی مدظلہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

حضرت والد صاحبؒ نے جن اکابر کی محبت اُٹھائی، اور جن سے آخر وقت تک خصوصی تعلق رہا، ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی شامل ہیں۔ آپ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی علمی اور سیاسی زندگی کے بارے میں مفصل کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے ہدایہ کا کچھ حصہ اور صحیح مسلم حضرت مولاناؒ ہی سے پڑھی تھی اور جب مولانا ڈابھیل میں صحیح بخاری کا درس دیتے تھے تو ایک مرتبہ بیماری کی بنا پر تدریس سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر مولاناؒ نے اپنی جگہ صحیح بخاری کا درس دینے کیلئے حضرت والد صاحبؒ کو نامزد فرمایا۔ حضرت والد صاحبؒ اس وقت دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو چکے تھے۔ مولانا کی فرمائش پر ڈابھیل تشریف لے گئے اور چند ماہ وہاں مولانا کی جگہ صحیح بخاری کا درس دیا۔

پھر جب قیامِ پاکستان کیلئے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے ملک گیر جدوجہد کرنا شروع کی اور اس غرض کے لئے جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں آیا تو حضرت والد صاحبؒ اس پوری جدوجہد میں مولاناؒ کے دست و بازو بنے رہے اور اس غرض کے لئے

ملک کے طول وعرض میں دورے کئے۔متعدد مقامات پر جہاں مولانا تشریف نہیں لے جا سکتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کو اپنی جگہ بھیجا اور سرحد ریفرنڈم کے موقع پر پورے صوبہ سرحد کا دورہ کرتے ہوئے والد صاحبؒ کو اپنے ساتھ رکھا۔

پاکستان بننے کے بعد یہاں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز ہوا، تو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ ہی کی دعوت پر حضرت والد صاحبؒ پاکستان تشریف لائے۔انہی کی ہدایت پر تعلیماتِ اسلامی بورڈ میں شامل ہوئے، جو اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کیلئے بنایا گیا تھا، پھر مولانا کی وفات تک ہر اہم معاملے میں ان کے شریکِ کار رہے اور حضرت مولانا کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ پاکستان کے صفِ اوّل کے معماروں میں شامل تھے۔قائد اعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم تقسیم ملک کے وقت آپ کو اپنے ساتھ پاکستان لے آئے تھے اور مغربی پاکستان میں پاکستان کا پرچم سب سے پہلے مولانا ہی نے لہرایا۔

اگر آپ چاہتے تو یہاں اپنے لئے بہت کچھ دنیوی ساز وسامان اور عہدہ ومنصب حاصل کر سکتے تھے، لیکن مولاناؒ نے آخر وقت تک درویشانہ زندگی گزاری۔اپنے لئے کوئی ایک مکان بھی حاصل نہ کیا، بلکہ وفات کے وقت تک دو مستعار لئے ہوئے کمروں میں مقیم رہے اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ نہ آپ کا کوئی بنک بیلنس تھا، نہ ذاتی مکان تھا، نہ ساز وسامان۔

۱۹۴۸ء میں جب حضرت والدؒ پاکستان تشریف لائے تو روزانہ شام کے وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس جانے کا معمول تھا۔راقم الحروف اس وقت بہت کم سن تھا اور اکثر والد صاحبؒ کے ساتھ مولانا کی خدمت میں چلا جایا کرتا تھا۔اس زمانے میں کراچی میں کوئی معیاری علمی مرکز نہیں تھا، کوئی علمی کتب خانہ بھی نہ تھا۔لہٰذا جب کسی علمی

مسئلہ کی تحقیق مقصود ہوتی تو مولاناؒ حضرت والد صاحبؒ کے پاس تشریف لے آتے۔کیونکہ والد صاحبؒ اپنے ساتھ اپنی ذاتی کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔چنانچہ ہمارے مکان پر علمی وفقہی مجالس رہتیں اور مولانا اپنے ضعف وعلالت کے باوجود علمی پیاس بجھانے کیلئے تین منزلہ مکان کی سیڑھیاں طے کر کے پہنچ جایا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کو تحریر اور تقریر دونوں کا منفرد ملکہ عنایت فرمایا تھا۔خاص طور سے آپ کی خطابت انتہائی مؤثر اور دل نشین ہوتی تھی اور آپ مختلف جملوں کے ذریعہ اپنی بات دلوں میں اُتار دیتے تھے۔حضرت والد صاحبؒ سے سُنے ہوئے حضرت علامہ عثمانیؒ کے چند جملے اس وقت یاد آگئے۔

۱۔ فرمایا کہ ”حق بات اگر حق نیت سے اور حق طریقہ سے کہی جائے تو کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔اس کا کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔بات جب بھی بے اثر ہوگی تو یا تو وہ خود حق بات نہ ہوگی یا بات حق ہوگی، مگر کہنے والے کی نیت حق نہ ہوگی یا بات بھی حق ہوگی، نیت بھی حق ہوگی لیکن کہنے کا طریقہ صحیح نہیں ہوگا، لیکن اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بات کے غیر مؤثر ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں“۔

۲۔ فرمایا کہ ”دنیا کی جنت یہ ہے کہ زوجین ایک ہوں اور نیک“۔

۳۔ حضرت علامہ عثمانیؒ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رُکن تھے اور وہاں شب وروز اسلامی دستور کے سلسلہ میں دوسرے ارکان سے بحث ومباحثہ رہتا تھا۔ایک مرتبہ مولاناؒ کی کسی تجویز پر غالباً (سابق گورنر جنرل) غلام محمد صاحب نے یہ طعنہ دیا کہ ”مولانا یہ اُمورِ مملکت ہیں، علماء کو ان باتوں کی کیا خبر؟ لہٰذا ان معاملات میں علماء کو دخل اندازی نہ کرنی چاہئے“۔

اس موقع پر حضرت علامہ نے جو تقریر فرمائی، اس کا ایک بلیغ جملہ یہ تھا :

”ہمارے اور آپ کے درمیان صرف اے، بی، سی، ڈی کے پردے حائل ہیں اُن

مصنوعی پردوں کو اُٹھا کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ علم کس کے پاس ہے اور جاہل کون ہے؟"۔

۴۔ بعض لوگوں کو اسلامی دستور یا اسلامی قانون کا تصور آتے ہی خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے کہ اسلامی دستور و قانون کے نفاذ سے ملک میں تھیوکریسی قائم ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا کوئی معاملہ اسمبلی میں زیر بحث تھا۔ اس موقع پر حضرت علامہؒ نے ارشاد فرمایا:

"آپ کو ملاّ سے یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں اقتدار پر قابض نہ ہو جائے، لیکن خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ملاّ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں، ملاّ اقتدار پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا، البتہ اصحابِ اقتدار کو تھوڑا اسا ملاّ ضرور بنانا چاہتا ہے"۔

علماء کی اصل پالیسی شروع سے یہ تھی کہ نہ الیکشن میں حصہ لیں، نہ اقتدار میں آئیں اور اگر اربابِ اقتدار اسلامی دستور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں ملک بھر کے علماء کا مطالبہ تسلیم کر لیتے تو کسی اہل علم کو الیکشن کی سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے بعد بعض علمائے کرام مجبور ہو کر الیکشن کی سیاست میں داخل ہو گئے۔

۵۔ وطن کے سلسلہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا ایک ارشاد حضرت والد صاحبؒ بکثرت نقل فرماتے تھے اور اسے اپنے "سفرنامہ دیوبند و تھانہ بھون" میں بھی تحریر فرمایا ہے:

"یاد آیا کہ میرے استاذ محترم اور برادر مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے ایک روز "وطن" پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر شخص کے تین وطن ہیں۔ ایک جسمانی، دوسرا ایمانی، تیسرا روحانی۔ وطنِ جسمانی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔ وطنِ ایمان مومن کا مدینہ طیبہ ہے جہاں سے اس کو نورِ ایمان ملا اور وطنِ روحانی جنت ہے جہاں عالم ارواح میں اس کا اصلی مستقر تھا اور پھر پھرا کر پھر وہیں جاتا ہے"۔

(نقوش و تاثرات ص:۵)

۶۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ عثمانیؒ علم و فضل کے پہاڑ

تھے اور اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند کو جو علوم وہبی عطا فرمائے تھے، خاص طور سے فلسفہ و کلام اور حکمتِ دین کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کو جو دقیق معارف عطا ہوئے تھے، وہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتے، لیکن علماءِ دیوبند کی جماعت میں دو بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے حکمتِ قاسمی کی شرح و توضیح اور اسے اقرب الی الفهم بنانے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ایک حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اور دوسرے مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔

۷۔ حضرت والد صاحبؒ نے ہی سنایا کہ جب حضرت عثمانیؒ نے صحیح مسلم پر اپنی شہرۂ آفاق شرح "فتح الملہم" تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے۔ وہاں روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی اور پھر روضۂ اقدس پر بھی اور حرم مکہ میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا کی تھی کہ:

"یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے یا اللہ! اس کو قبول فرما لیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے"۔

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد کی طرف سے پیش کش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر آباد ہی کے مصارف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوایا۔

۸۔ حضرت والد صاحبؒ حضرت علامہ عثمانیؒ کی اردو تصانیف میں تفسیر عثمانیؒ کے علاوہ "اسلام، العقل والنقل، اور اعجاز قرآن" کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے اور کئی مرتبہ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ان کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے۔ اپنے بعض انگریزی دان متعلقین کو اس طرف متوجہ بھی فرمایا، لیکن افسوس ہے کہ یہ کام حضرت والد صاحبؒ کی حیات میں انجام نہ پا سکا۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

۹۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو خطابت کا غیر معمولی کمال عطا فرمایا تھا، لیکن ساتھ ہی طبیعت میں نزاکت اور نفاست بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت میں ادنیٰ تکدر ہوتا تو وعظ وتقریر پر آمادگی ختم ہو جاتی تھی۔

فیروز پور میں جب قادیانیوں کے ساتھ ہمارا مناظرہ ختم ہوا۔ (اس مناظرے کی تفصیل خود حضرت والد صاحبؒ کے قلم سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنے مقالے "مفتی اعظم اور ردّ مرزائیت" میں بیان فرمائی ہے، یہ مقالہ البلاغ نمبر میں شائع ہو چکا ہے) تو اہلِ شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسہ عام کا اہتمام کیا۔ خیال یہ تھا کہ اس وقت فیروز پور میں اکابر علماءِ دیوبند جمع ہیں، جن میں حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ خان صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ وغیرہ جیسے آفتاب وماہتاب شامل ہیں۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اہلِ شہر کو ان سے مستفید کیا جائے۔ یوں تو یہ تمام ہی حضرات علم وفضل میں اپنی نظیر آپ تھے، لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے، سب کی نظریں علامہ عثمانیؒ پر لگی ہوئی تھیں کیونکہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔ چنانچہ جلسہ کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

لیکن جب جلسے کا وقت قریب آیا تو حضرت علامہ عثمانیؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی۔ تقریر کے لئے انشراح باقی نہ رہا اور مولانا نے تقریر سے عذر کر دیا۔ جتنے علماء اس وقت موجود تھے، ان سب نے مولانا کو آمادہ کرنا چاہا، مگر مولانا آمادہ نہ ہوئے بلکہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن خان صاحبؒ مولانا پر ناراض بھی ہوئے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ مولانا اس معاملہ میں معذور ہیں اور جب تک از خود آمادگی پیدا نہ ہو، وہ تقریر نہیں فرما سکتے۔ اس لئے خاموش رہا۔ یہاں تک کہ جب تمام حضرات جلسہ میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں، میں

بعد میں آؤں گا۔ اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا:

"حضرت! آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے، یہاں قیام گاہ پر تنہا رہنے سے یہ انقباض اور بڑھے گا، اگر جلسہ میں صرف تشریف لے جائیں اور بیان نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بہل جائے"۔

فرمانے لگے "لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے"۔ میں نے عرض کیا کہ "اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کی رضامندی اور خوش دلی کے خلاف کوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا۔ مولانا اس بات پر راضی ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پر دوسرے علماءِ کرام تقریر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع کا ذوق وشوق دیکھ کر حضرت علامہ عثمانیؒ کے دل میں خود بخود آمادگی پیدا ہوگئی اور پھر خود ہی اسٹیج سیکرٹری سے کہا کہ "میں بھی کچھ کہوں گا"۔ اس کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ مولانا کی تقریر ہوئی، جس نے حاضرین کو سیراب کر دیا۔

۱۰۔ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تحریر کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور جب حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے آزادیٔ ہند کی جدوجہد کیلئے جمعیۃ علماءِ ہند قائم فرمائی اور اس غرض کے لئے دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت شیخ الہند کو دینا تھا۔ حضرتؒ کو خود لکھنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے اپنے تلامذہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔

آپ کے متعدد تلامذہ نے اپنے اپنے انداز میں خطبہ لکھا لیکن بالآخر حضرتؒ نے جس خطبہ کو پسند اور منظور فرمایا، وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ تھا۔ چنانچہ حضرت نے وہی خطبہ پڑھا اور وہی شائع بھی ہوا۔

۱۱۔ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت علامہ عثمانیؒ کا رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور

حضرت والد صاحبؒ آپ کے شاگرد بھی تھے اور پھر تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ کے دست و بازو بھی بنے رہے۔ ان تمام رشتوں کے نتیجہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ والد صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کی علمی و عملی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ دو قومی نظریے کے بارے میں حضرت والد صاحبؒ نے ایک استفسار کے جواب میں جو مفصل رسالہ لکھا، اس پر بطور تقریظ علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا :

''میں نے اس فتویٰ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، ماشاء اللہ مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اہل علم ونظر کے لئے گنجائش نہیں چھوڑی۔ سب اطراف و جوانب واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ مفتی صاحب کو جزائے خیر دے''۔

شبیر احمد عثمانی دیوبند

۱۸ رذی الحجہ ۱۳۶۴ھ (جواہر الفقہ) ص ۲۲۸ ج ۲)

اور حضرت والد صاحبؒ کے رسالہ '' **نیل المآرب فی المسح علی الجوارب** '' پر تحریر فرماتے ہیں :

''میں نے مسح علی الجوربین کی بحث پڑھی۔ حق تعالیٰ مفتی صاحبؒ کے اعمال اور علوم میں برکت دے، نہایت تحقیق وتفتیش سے جواب لکھا ہے' بہرحال میرے نزدیک مفتی صاحب کی تحقیق صحیح ہے''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص: ۲۹۸ ج: ۲)

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ایک عظیم مثالی شخصیت

آپ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔ غیر معمولی ذہانت وذکاوت کے حامل تھے۔ علم مستحضر تھا اور بڑا متبحر علم تھا۔ علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا۔ منطق وفلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حکمتِ قاسمیہ کے بہترین شارح تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مسجد فتح پوری دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس علوم میں مشغول ہوئے، پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے کام کیا اور اپنے آخری دور میں چند سال دارالعلوم دیوبند کے صدر و مہتمم بھی رہے۔ صحیح مسلم کی بہترین شرح متکلمانہ انداز میں لکھی اور حکمت قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تفسیری فوائد جو حضرت علامہ نے ترجمہ کے ساتھ شروع فرمائے تھے۔ آپ نے پایہ تکمیل کو پہنچائے۔

بے مثال خطیب تھے اور خطابت میں قاسمی علوم بکثرت بیان فرماتے تھے۔ تحریر و تقریر میں ان ہی علوم کا غلبہ تھا۔ سیاسی شعور اونچے درجہ کا تھا۔ ملکی معاملات کے اُتار چڑھاؤ کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے میں جچی تلی رائے قائم کرتے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے۔ جمعیت علماءِ ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آخر میں مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہو گئے اور جمعیت علماءِ اسلام کی بنیاد ڈالی۔ جمعیت علماءِ اسلام کے ارکان علماءِ کرام نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا اور سرحد و سلہٹ ریفرنڈم میں اہم کردار ادا کیا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان پہنچ کر ترک وطن کر دیا اور پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قراردادِ مقاصد پاس کرائی۔ وہاں کی قوم نے آپ کو شیخ الاسلام پاکستان کے لقب سے یاد کیا۔

حق تعالیٰ نے حضرت علامہ کو علم و فضل کا ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا، لیکن اس کے ساتھ عجز و انکساری اور بزرگوں کا ادب و احترام ان کے خاص اوصاف ہیں۔ اہل علم کے قدردان اور خلوص کا مجسمہ تھے اور نہایت صاف و شفاف قلب کے مالک تھے۔ غرباء و مساکین سے نہایت شفقت و محبت اور اخلاقِ کریمانہ کا برتاؤ فرماتے تھے۔ اخلاقی طور پر آپ میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ جو بہت ہی اونچا تھا کہ ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی۔ وہ اپنے قلبی جذبات کے چھپانے یا ان کے برخلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے، اگر کسی سے خوش ہیں تو ظاہر و باطن خوش اور اگر کسی سے ناراض ہیں تو علانیہ اس کا اظہار ان کے چہرہ سے ہو جاتا تھا اور کہہ بھی دیتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے معاملات میں اگر ذمہ داروں سے انہیں کوئی گرانی پیش آتی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند جو ان کے بڑے بھائی بھی تھے، رنجش ہو جاتی تو اکثر روٹھ کر بیٹھ جاتے یا سفر میں چلے جاتے۔ انہیں منانے اور راضی کر کے لانے کے لئے اکثر میں مامور ہو جاتا تھا، کیونکہ آپ مجھ پر شفقت زیادہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ خفا ہو کر تھانہ بھون تشریف لے گئے تو یہ احقر وہاں گیا اور راضی کر کے لے آیا۔ ایک دفعہ ناخوش ہو کر گھر بیٹھ رہے اور مدرسہ میں آنا

جانا ترک کر دیا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ تو ہی جا کر لا سکتا ہے میں حاضر ہوا اور غرض معروض کی تو راضی ہو گئے اور دارالعلوم میں چلے آئے۔ طبیعت اس قدر صاف تھی کہ جس وقت بھی بات ان کے ذہن میں آ جاتی تھی تو اسی لمحے گرانی رفع ہو کر حقیقتاً بشاشت چہرے پر نمودار ہو جاتی اور ایسے خوش اور منشرح ہو جاتے کہ گویا گرانی ہی نہیں۔ ایک عالم دین کے لئے یہ وصف ایک عظیم مقام ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور یہ تکلف نہیں، بلکہ تصنع و بناوٹ اس کی قلبی رفتار بھی ہو۔

حضرت علامہ کا ایک وصف یہ بھی میں نے بار ہا دیکھا کہ ان کے بڑوں نے اگر بھری مجلس میں بھی انہیں تہدید آمیز لہجے سے کوئی بات کہی تو کبھی اُف نہیں کرتے تھے۔ اگر بات ان کے نزدیک قابل تسلیم نہ ہوتی تب بھی اپنے اکابر کے حقوق کی رعایت روا فرماتے تھے۔ قلبی جذبات کو بالکل صفائی سے کہہ ڈالتے تھے۔ خواہ وہ اپنی ہی کمزوری ہو، ایک بار ناخوش ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ میں حسب معمول منانے کے لئے گیا تو غصے کے لہجے میں فرمایا، بھائی حبیب نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے، جو اس طرح مجھ سے قطع نظر کر لی تو سن لو کہ اس قطع نظر کرنے پر میرے دل میں دو طرح کے جذبات پیدا ہوئے۔ ایک جذبہ نفسانیت سے اور ایک للّٰہیت سے۔ نفسانیت سے تو یہ کہ اگر انہوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے تو انہیں میں اپنی زندگی باور کراؤں، اور اس کا یہ طریقہ ہوتا جو انہیں میری زندگی سمجھوا دیتا اور دوسرا جذبہ للّٰہیت سے پیدا ہوا، وہ یہ کہ میں دیوبند سے کہیں باہر جا کر صحیح مسلم کی شرح لکھنے میں لگ جاؤں۔ میری طرف سے کچھ بھی ہوتا رہے، نہ میں یہاں رہوں گا، نہ یہ روز روز کی کوفت اُٹھانا پڑے گی۔ میں نے کہا کہ حضرت! ان دونوں جذبوں میں سے کون سے کو آپ نے ترجیح دی ہے۔ فرمایا للّٰہیت والے جذبے کو۔ میں نے کہا، الحمد للہ، مگر میں نے پھر کہا حضرت! آپ کے لئے تو اس میں بلاشبہ اجر ہے اور یہ نیت یقیناً پاک ہے، مگر اس پر تو دھیان دیجئے کہ کیا اس قسم کی چھوٹی چھوٹی طبعی ناگواریوں سے جماعتی کام کا ترک کر دیا جانا

مناسب ہوگا، جبکہ کاموں کا دارومدار آپ ہی جیسے حضرات کے اوپر ہے، اگر اسی طرح کل کو جماعت کے دوسرے بزرگ بھی ایسے ہی وقتی اور ہنگامی ناگواریوں کے سبب جو کبھی نہ کبھی آپ کی طرف سے اس میں پیش آجاتی ہیں، یہی فیصلے کرلیں کہ ہمیں کام چھوڑ دینا چاہئے، تو فرمایئے کہ یہ کام آخر کس طرح چلے اور اسے کون سنبھالے گا۔ میرے نزدیک تو آپ نے یہ اپنے کو یکسو کرنے کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اس جماعتی کام کو ختم کردینے کا فیصلہ فرمایا ہے، کیا یہ مناسب ہے؟

بس اتنا سن کر ایک دم چہرے پر بشاشت آگئی اور فرمایا' ہاں یہ تو نے صحیح کہا، بس اب میں نے دوسرا جذبہ بھی دل سے نکال دیا اور کل سے دارالعلوم پہنچ کر کام کروں گا۔

چنانچہ علی الصباح حسب وعدہ تشریف لے آئے اور ایسے انداز سے آئے کہ گویا کوئی بات پیش نہیں آئی تھی۔ یہ درحقیقت وہی ظاہر و باطن کی یکسانیت، قلب کی صفائی اور حق پسندی کا یہ اثر تھا کہ دل میں کبھی کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بہرحال علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا جس نے ان کی بڑائی دلوں میں بٹھادی تھی۔ قلبی طور پر استغناء اور ناز کی کیفیت کا غلبہ زیادہ تھا۔ کام کے سلسلے میں جب تک دوسروں کی طرف سے طلب اور کافی طلب ظاہر نہ ہوتی تھی، متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان جو میرے رفیق قدیم ہیں اور حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کے معتمد علیہ تلامذہ اور رفقاءِ کار میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ علم وفضل کے پہاڑ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے اوصاف سے نوازا تھا۔ عرصہ دراز تک آپ دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور آخر میں دارالعلوم کے صدر مہتمم کی حیثیت سے کام کیا اور دارالعلوم نے نمایاں ترقی کی۔ تفسیر عثمانی، صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم، آپ کی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں جو آپ کے علمی کمال کی دلیل ہیں۔ حضرت علامہؒ نے صحیح مسلم پر اپنی

شہرۂ آفاق ''فتح الملہم'' جب تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے وہاں روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر مسجد نبوی میں اس کی ورق گردانی کی اور پھر روضۂ اقدس پر بھی اور حرم مکہ میں ملتزم پر بھی مسودہ رکھ کر حضرت علامہؒ نے دعا کی تھی کہ یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے۔ یا اللہ اس کو قبول فرمالیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرمادیجئے''۔ اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدرآباد دکن کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدرآباد کے مصارف پر بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس عظیم الشان تالیف نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوایا۔

الغرض حضرت علامہ مرحوم بغداد الجدید (بہاولپور) میں وزیر تعلیمات درس کی دعوت پر تشریف لے گئے اور بغرض تبدیلی آب وہوا کچھ روز وہاں قیام فرمایا، مگر قیام کو ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ وقت موعود آپہنچا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء یوم شنبہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ہمیں داغ مفارقت دے کر راہگیر عالم جاودانی ہوگئے۔ یہ خبر مسلمانانِ ہندوپاک عموماً اور متوسلین دارالعلوم دیوبند کے حلقوں میں خصوصاً انتہائی رنج وغم کے ساتھ سُنی گئی۔ دارالعلوم کی فضا رنج وغم میں ڈوب گئی اور تمام دفاتر بند کردیئے گئے۔ علی الصباح نمازِ فجر کے بعد مسجد دارالعلوم میں حضرت علامہ کے سانحہ ارتحال کا تذکرہ کرکے کلمہ شریف اور قرآن کریم ختم کیا گیا، جس میں تمام اساتذہ اور طلباء اور کارکنانِ دارالعلوم نے شرکت کی، پھر بعد نماز ظہر تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد نے اپنے تعزیتی کلمات میں ارشاد فرمایا کہ :

حضرت علامہ عثمانیؒ کی شخصیت بے مثال تھی۔ علم وفضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ ہم میں سیاسی اختلاف ضرور پیدا ہوئے، مگر وہ اپنی جگہ ہیں۔ حضرت علامہ مرحوم کے علم وفضل اور بلند پایہ شخصیت سے انکار نہیں کیا جا

سکتا۔ یقیناً ان کی یہ دائمی مفارقت ہم سب کے لئے باعث صد رنج و ملال ہے۔ حضرت علامہ مرحوم نے دارالعلوم میں تعلیم پائی اور حضرت شیخ الہندؒ اور بہت سے اکابر دارالعلوم سے انہیں نسبتی تعلق تھا اور تقریر و تحریر کا خداداد ملکہ حضرت مولانا مرحوم کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے"۔

حضرت مولانا مدنیؒ کی تقریر کے بعد احقر نے ایک مفصل تقریر کی، جس میں شیخ الاسلام علامہ مرحوم کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات و خصوصیات پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ جماعت علماء میں حضرت علامہ مرحوم نہ صرف ایک بہترین عالم و فاضل ہی تھے بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ آپ کا فہم و فراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا۔ آپ اس علمی ذوق کے امین تھے، جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور درسوں میں ان کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ علمی لائنوں میں آپ کو درس و تدریس اور مختلف مدارس مدرسہ فتح پوری دہلی، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ہزارہا طلباء کو یکے بعد دیگرے افادہ ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔

تصنیفی لائنوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر بصورت فوائد اور مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہیں گی جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔ سیاسی لائنوں میں آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدبرانہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدر آباد کو ایسے وقت میں بعض مہلک مذہبی فتنوں سے بچانے کی سعی جمیل فرمائی، جبکہ اس کے معاملات بہت زیادہ خطرناک خطرہ میں تھے۔ آزادی ملک کی جدوجہد میں آپ نے کافی حصہ لیا اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنا لیا اور کراچی میں مقیم رہ کر پاکستان کی بہت سی دینی و علمی

خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے ارباب حکومت پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا اور وہاں کی گورنمنٹ کے ہائی کمانڈ میں آپ کا عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اور مذہبی قانون کمیٹی کے صدر تھے۔ بلاشبہ وہاں کی حکومت نے آپ کے ساتھ حیات اور ممات میں وہ معاملہ کیا جو ایک قدر شناس حکومت کا اپنے مخلص خیر خواہ اور ملک کے ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ کرنا چاہئے۔

علامہ مرحوم کی ان چند فضیلتوں اور پھر ان مخصوص نسبتوں سے اولاً آپ دارالعلوم کے مایہ ناز فرزند تھے، پھر اس کے قابل قدر مدرس بنے اور آخر کار ادارہ کے صدر مہتمم ہوئے۔ ان کے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم بطور ادائے حق نہیں بلکہ بطور ادائے قرض ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کریں اور نہ صرف آج ہی بلکہ آئندہ سال بھی برابر کرتے رہیں۔ علماء و طلباء کے بھرے مجمع نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے ہاتھ اُٹھا کر اور کافی حد تک خشوع و خضوع کے ساتھ دعا فرمائی اور بڑے رنج و الم میں ڈوبی ہوئی یہ مجلس برخاست ہوئی۔ دفاتر بند کر دیئے گئے اور حضرتؒ کے ایصال ثواب کے لئے ایک دن کی تعطیل کی گئی۔ احقر مہتمم دارالعلوم اور جماعت کی جانب سے تعزیت کے تار حضرت علامہ مرحوم کے اہل بیت اور پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم اور ایسوسی ایٹڈ پریس پاکستان کو روانہ کئے گئے جن کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلامی کا ایک شدید حادثہ ہے۔ میں خود اور تمام جماعت دارالعلوم دیوبند آپ کے اور تمام ملت اسلامیہ پاکستان کے غم میں شریک ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ دارالعلوم میں تعطیل کی گئی اور ختم قرآن اور دعا کرائی گئی ہے"۔

(ماخوذ از ! پچاس مثالی شخصیات)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب ملتانی

علامہ عثمانیؒ ...... ایک جامع شخصیت

حضرت اقدس علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے متنوع کمالات سے متصف فرمایا تھا علامہ صاحب اپنے دور کے بے بدل مفسر، محدث اور خطیب تھے۔ جدید علم کلام کے لاثانی متکلم و محقق تھے۔ حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہٗ کے ترجمہ قرآن مجید پر علامہ عثمانی مرحوم کے تفسیری حواشی کو برصغیر کے ممتاز علماءِ کرام نے بہت پسند کیا ہے۔ بعد میں یہ اردو تفسیری حواشی تفسیر عثمانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ افغانستان میں ظاہر شاہ حفظہ اللہ کے دور میں اس تفسیر عثمانی کو فارسی زبان میں ڈھال کر خوبصورت کتابت کے ساتھ بہترین کاغذ پر شائع کیا گیا۔ ایک دفعہ بندہ سفر حج میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہریؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا تو مفتی صاحب نے فرمایا، سعودی حکومت نے شاہ فہد عافاہ اللہ کے حکم سے تفسیر عثمانی کو دس دس لاکھ کی تعداد میں متعدد بار چھاپ کر دنیا بھر کے اردو دان مسلمانوں میں مفت تقسیم کیا۔ بندہ راقم کے خیال میں غالباً ایک کروڑ نسخہ شائع کیا گیا۔ سعودی مملکت نے یہ منصوبہ نشر و اشاعت حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مرحوم کے مشورہ سے ترتیب دیا تھا۔

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ خود زبردست مفسر تھے۔ تفسیر بیان القرآن آپ کی لاثانی تفسیر ہے۔ حضرت حکیم الامت "تفسیر عثمانی" کو بہت پسند فرماتے تھے۔ وفات کے قریب حضرت تھانویؒ نے اپنا کتب خانہ اس کی تمام

کتابیں مدرسہ کے نام وقف کر دی تھیں۔ لیکن محبت و عظمت کی وجہ سے تفسیر عثمانی کو اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرمایا کرتے تھے۔ یہ تفسیری فوائد "دریا بہ کوزہ مصداق" ہیں۔ بلا مبالغہ یہ "تفسیری حواشی" عالم اسلام کی تمام معتبر تفسیروں کا خلاصہ، جوہر اور عطر ہیں۔ اردو ادب کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر حضرت علامہ عثمانی کا بے مثل قلمی شاہکار ہے۔

علامہ عثمانی کا کچھ نسبی تعارف :

(۱) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دار العلوم دیوبند اور مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دار العلوم دیوبند باپ شریک بھائی تھے۔ مولانا مطلوب الرحمٰن حضرت علامہ عثمانیؒ کے عینی بھائی تھے۔ ان کے علاوہ علامہ عثمانی کے اور بھائی تھے۔ بعض عینی اور بعض اخیافی تھے۔ (مقدمہ تفسیر عثمانی مرتبہ مولانا محمد اشفاق احمد طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی نمبر ۲۰)

علامہ عثمانیؒ کے والد ماجد مولانا فضل الرحمٰن مرحوم انسپکٹر مدارس تھے۔ انگریزوں کے ظلم و جبر اور ان کے عزائم سے بہت پریشان اور متفکر رہتے تھے۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس کا سارا زور مسلمانوں کے اسلامی ورثہ اور دینی علوم کو ختم کرنے پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں پر اس حالت کو منکشف فرمایا تھا۔ مولانا فضل الرحمٰنؒ نے دینی تعلیم کے مکتب کھولنے کی تجویز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سامنے پیش کی۔ چنانچہ ایک مکتب کھولا گیا۔ مولانا محمد یعقوب اس مکتب کے مہتمم مقرر ہوئے مولانا محمد یعقوبؒ نے خواب میں دیکھا کہ سرور کونین ﷺ ایک مقام پر عصاء مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑے ہیں اور مولانا محمد یعقوب سے فرما رہے ہیں (عصائے مبارک سے زمین پر نشان ڈالتے ہوئے) مولوی یعقوب مدرسہ یہاں بناؤ۔ صبح مولانا محمد

یعقوب صاحبؒ نے اپنے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں خواب بیان کیا اور تعبیر طلب کی۔ مولانا نانوتوی نے فرمایا تعبیر تو بعد میں پوچھنا پہلے اس مقام پر چلو۔ چنانچہ ہم وہاں پہنچے تو عصا مبارک کا نشان موجود تھا۔ اسی نشان پر مدرسہ کی تعمیر شروع ہوئی۔

(مقدمہ تفسیر عثمانی طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی نمبر ۱۰)

ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ :

یہ حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کا ترجمۂ قرآن مجید کی نقل ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ میں جو لفظ مرورِ زمانہ سے متروک یا غیر مستعمل ہو گئے تھے، ان کی جگہ دوسرے مروجہ الفاظ رکھ دیے ہیں اور جہاں عبارت میں اجمال تھا، اس کو کھول دیا ہے۔

(ص ۲۲)

حضرت شیخ الہندؒ دس پاروں کا ترجمہ کر پائے تھے کہ آپ نے، سفر حجاز کا ارادہ فرمایا اور ۱۹۱۶ء میں مکہ معظمہ پہنچے۔ انگریزوں نے شریف مکہ کی غداری سے آپ کو گرفتار کرا کے جزیرہ مالٹا میں قید کر لیا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو اہم کام لئے۔ ایک تو آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ پورا کیا، دوسرے پان اسلامک تحریک کو زندہ کیا۔ مختلف ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے لوگ انگریز نے وہاں قید کر رکھے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اس طرح عالمگیر اسلامی تحریک کئی قوت کے ساتھ پھیلنا شروع ہو گئی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے سورۃ بقرہ، سورہ آلِ عمران اور سورہ النساء کی تفسیر بھی لکھی تھی، مگر سورۂ آلِ عمران کی تفسیر کا مسودہ گم ہو گیا۔ بعد میں علامہ عثمانیؒ نے اس کی تفسیر لکھ کر قرآن مجید کی تفسیر مکمل کر دی۔

جناب مولوی مجید حسن صاحب نے بڑی جانفشانی سے حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ شائع کیا۔ بعد میں انہوں نے کوشش کی کہ تفسیر کے ساتھ ترجمہ شائع ہو، تو انہوں نے

بڑے بڑے علماء کی طرف رجوع کیا، مگر ان کے تفسیری نمونے حضرت شیخ الہندؒ کی تفسیر سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ بالآخر انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی طرف رجوع کیا۔ ادھر مولانا مطلوب الرحمٰن صاحبؒ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو ایک خط لکھا، جس میں اپنا ایک الہام بیان کیا، جس میں اشارہ تھا کہ قرآن مجید کی خدمت کی جائے اور مولانا مطلوب الرحمٰن نے یہ بھی لکھا کہ مولوی مجید حسن صاحب سے اس سلسلہ میں مراسلت کی جائے۔ مولوی مجید حسن صاحب پہلے خط لکھ چکے تھے۔ حضرت علامہ یہ خط لے کر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے پاس پہنچے کہ بھائی مطلوب الرحمٰن کا یہ خط آیا ہے۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی شبیرؒ، مولوی مطلوب الرحمٰنؒ کبھی کچی بات نہیں لکھ سکتے، آپ تفسیر کا کام شروع کر دیں۔

اس وقت علامہ انور شاہ صاحبؒ اور مفتی عزیز الرحمٰنؒ ڈابھیل میں تھے۔ علامہ شبیر احمدؒ فرماتے تھے، تفسیر لکھتے وقت جب کسی مقام پر الجھن ہوتی تھی تو میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ شاہ صاحب فلاں مضمون کس کتاب میں ملے گا تو شاہ صاحبؒ فرماتے دیکھو مولوی شبیر مضمون فلاں کتاب فلاں صفحہ پر ملے گا اور شاید فلاں سطر ہو۔ مولانا شبیر احمدؒ فرماتے تھے کہ صفحہ تو صفحہ کبھی سطر بھی غلط نہ نکلتی۔ اس طرح حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی اس تفسیر کی خدمت میں شریک ہیں۔ (ایضاً ص: ۲۰)

ترجمہ شیخ الہندؒ کی خوبیاں :

مولانا مطلوب الرحمٰنؒ فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انور شاہ صاحبؒ کی محفل میں حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کی خوبیاں بیان ہو رہی تھیں۔ ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق خوبیاں بیان کر رہا تھا۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ میری طرف مخاطب ہوئے کہ مولوی مطلوب تم خاموش ہو تم نے کوئی بات نہیں کہی۔ میں نے عرض کیا شاہ صاحب میرے خیال

میں دو باتیں ترجمہ میں خاص ہیں۔ پہلی بات یہ ہے قرآن کریم کثیر المعانی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو کثیر المعانی ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ شانِ نزول قرآن مجید خاص ہے، مگر اطلاق عام ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے حتی الوسع شانِ نزول سے گریز کیا ہے تاکہ معانی محدود نہ ہو جائیں۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا، مولوی مطلوب جہاں تمہاری نظر پہنچی ہے وہاں کسی کی نظر نہیں پہنچی۔ (ایضاً ص ۲۱)

مولوی مجید حسن صاحبؒ نے صرف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری نمونہ کو حضرت شیخ الہندؒ کی تفسیر کے موافق پایا اور اسے پسند کیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ علامہ عثمانیؒ علوم شیخ الہندؒ کے حقیقی وارث تھے۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑہ والے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند اللہ تعالیٰ شانہٗ کے صفت علم کے مظہر اتم تھے۔

واقعی علامہ عثمانی صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے علوم کے شارح تھے اور امین و محافظ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے، مولانا محمد قاسم صاحب کا جتنا فیض مجموعی طور پر ہم سب کو پہنچا ہے، اس سے زیادہ تنہا مولوی شبیر احمد کو پہنچا ہے۔ (ایضاً ص:۲۱)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا مقام
حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کی نگاہ میں:

"دلی را دلی می شناسد" ایک مرتبہ بعض نادان کانگریس کے حامی طلبا نے گستاخی کی اور غلیظ پرچے حضرت عثمانیؒ کے گھر پھینک دئے۔ اس اطلاع پر حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنیؒ نے نماز جمعہ کے بعد دیوبند کی جامع مسجد میں تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

"میں عرصہ تک بلادِ عربیہ رہا ہوں، مگر جو بات میں نے ہندوستان کے علماء میں دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی اور ہندوستان کے علماء میں جو بات میں نے دیوبند کے علماء میں

دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی اور دیوبند کے علماء میں جو بات میں نے مولوی شبیر احمد کے اندر دیکھی وہ کہیں نہیں دیکھی اور میرا خیال ہے کہ جب اُمت میں کوئی خلل واقع ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مخصوص بندوں کو بھیج کر اس کی اصلاح کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولوی شبیر احمد انہی لوگوں میں سے ہیں۔ لہٰذا آئندہ مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی نے گستاخانہ کلمات لکھ کر ان کے مکان میں ڈالے ہیں تو میں رات کو اُٹھ اُٹھ کر اس کے بعد بددعا کروں گا"۔

مخصوص بندوں سے مراد مُجدّدِ دین کی جماعت ہے۔ اکابر علماءِ دیوبند درجہ بدرجہ مجددین کی مقدس جماعت میں شامل تھے۔ دین کے متعدد شعبوں میں ان بزرگوں نے تجدید کا کام کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، احیاءِ سنت، ردِ بدعات، عام دعوت و تبلیغ، جہادِ اکبر و جہادِ اصغر، دینی و اسلامی سیاست، ان تمام شعبوں میں تجدیدی کردار ادا کیا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر عثمانی نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے عقائد و خیالات درست کئے۔ دجالوں، کذابوں نے اس اُمت میں جتنے گمراہ کن افکار پھیلائے ہیں، تفسیر عثمانی میں ان سب کا ازالہ کیا گیا۔ ظاہر ہے اسی کو تجدید کہتے ہیں۔ یہ تفسیر تمام مقبول معتبر تفاسیر کا نچوڑ ہے۔ (ایضاً ص:۲۱)

یوں تو عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے اس تفسیر کی تعریف کی، مگر فخر المدارس ہرات افغانستان کے علماءِ کرام نے تفسیر عثمانی کی افادیت اور فیض رسانی پر عمدہ کلام کیا ہے۔ ان کا ارشاد ہے:

"یہ تفسیر ایک مبلغ دینی ایک مدرس علمی ایک عالم فقہی ایک فیلسوف اخلاقی کا درجہ رکھتی ہے۔ اردو سے فارسی میں ترجمہ علماءِ افغانستان کی چند سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے اور اس سلسلہ میں طبع کرنے والوں کی خدمات قابلِ قدر و ستائش ہیں۔ یہ تفسیر وحدت ملی و قومی کے روابط کی شیرازہ بندی میں اور معارف و معلوماتِ دینی و علمی کی توسیع میں مبارک مقام رکھتی ہے۔ فخر المدارس کے مدرسین کی نظر میں اس تفسیر کی اشاعت اور مطالعہ ہمارے ملک

افغانستان کے تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے افراد دونوں کیلئے مفید ہے۔ یہ تفسیر معاش
معاد کے اُمور میں بہترین ہدایت ہے۔ جس قدر ہمارے لوگ اس تفسیر کا مطالعہ کریں
اور اس میں عبور حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسی قدر قوم میں عدالت کا قیام
احکامات کا احترام اور خالق ومخلوق کے حقوق کی حفاظت کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ یہ تفسیر
کیلئے صحیح اخلاق اور دینی رہبری کا مقام رکھتی ہے اور اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے
میں ظلم وتعدی کے رُجحانات اور دوسروں کے حقوق میں مداخلت کے جذبات کی اصلا
ہوگی۔

دینی وشرعی دساتیر کیلئے یہ تفسیر مجرب نسخے پیش کرتی ہے۔ چونکہ ہمارے مسل
باشندے اُم الکتاب سے عام طور پر بے خبر ہیں۔ اس لئے ملکی قوانین اور دستور کیلئے یہ تف
معاون ہے اور روحانی مریضوں کیلئے شفا کا سامان ہے۔ اسی طرح ہر ملک کے اردو
مسلمان طبقے کیلئے اس تفسیر کی یہی تاثیر اور یہی شان ہے۔

فتح الملہم شرح مسلم :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا دوسرا بڑا علمی کارنامہ صحیح مسلم شریف کی عربی شرح "
الملہم " ہے۔ بڑے سائز کے تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ
پینتیس (۳۵) سطریں ہیں اور ہر سطر میں تقریباً تیس (۳۰) کلمات اور ۱۰۵ حروف ہیں
بقول علامہ زاہد کوثریؒ اگر یہ کتاب مصر میں طبع ہوتی تو اس کی ایک جلد کی دو جلدیں بنتیں
بھی بڑے سائز کی۔ اس شرح سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ عثمانی قدس سرہٗ عظیم مفسر ہو
کے ساتھ ساتھ عظیم محدث بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ تفسیر وحدیث میں مہارت کیلئے علم فقہ
کمال لازم ہے۔ تو موصوف بہ یک وقت علوم قرآن، علوم حدیث اور علوم فقہ میں محقق
کی شان رکھتے تھے۔ فتح الملہم شرح المسلم کا خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فار

زبان میں تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کتاب مستطاب ہدایت نصاب "صحیح مسلم" کہ درجۂ ثانیہ در کتب حدیث وارد
چنانکہ حدیث در درجۂ ثانیہ از کتاب اللہ است دریں زمان خدمتے از جانب احناف ندارد
معلوم است کہ ہیچ تبرکے از مآثر حضرت رسالت پناہ ﷺ اصح وافضل از کردۂ علم حدیث
نیست کہ انفاس قدسیہ کریمہ نبی کریم ﷺ بدون کدام تصرف و بے کم وکاست مستند و
ظاہر است کہ ہیچ خدمتے بعد از خدمت کتاب اللہ موجب مرضاۃ وخوشنودی حضرت نبوۃ
مانند خدمت حدیث نتواند بود۔

لاجرم علامۂ عصر خود مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کہ محدث ومفسر ومتکلم
ایں عصر اند ودر علم ایں احقر ہیچ کس خدمت ایں کتاب بہتر وبرتر از ایشاں نتوانستے کرد۔ متوجہ
ایں خدمت شدہ منت بر رقاب اہل علم نہادند وحق ایں خدمت بجا آوردند وحصۂ معتد بہا را
از کتاب موصوف شرح نوشتند کہ در خصائص خود بعلم احقر نظیر ندارد۔ وماناکہ سابقین نیز
چنیں خدمتے گرامی بریں کتاب نکردہ باشند شرح مذکور بریں اُمور مشتمل است۔

اوّلاً : شرح مشکلات حدیث کہ درباب ذات وصفات الٰہیہ ودگر افعال یا دگر حقائق غامضہ
بر تر از افہام داروی شوند۔

ثانیاً : نقل عمدہ ونخبہ از اقوال علماءِ کرام در ہر مادہٗ وموضوع۔

ثالثاً : تفہیم غوامض بامثلہ ونظائر کہ اوفق بمقام بہتر از ان نباشد۔

رابعاً: نقل مذاہب آئمہ دین از کتب معتمد علیہا در مذاہب اربعہ کہ گفتہ اند ......

عالم چو کتابے است پر از دانش وداد   صحاف قضاء وجلد او بدأ ومعاد
شیرازہ شریعت و مذاہب اوراق   اُمت ہمہ شاگرد وپیمبر اُستاد

خامساً : خدمت مذہب حنفیہ در مسئلہ مختلف فیہا بغایت انصاف واحتیاط۔

سادساً : نقل نکات واسرار صوفیۂ کرام وعرفاءِ عظام در ہر باب کہ یافتہ شدہ از فتوحات شیخ

اکبر قدس سرہ وحجۃ اللہ البالغہ وغیرہما۔

سابعاً: دفع شبہات متنورین عصر کہ بتقلید اور باطمینان قلب ضائع کردہ اند۔

ثامناً: جمع کردن احادیث متعلقہ باب از کتب متنوعہ دریک جا بقدر امکان۔

تاسعاً: جمع وتوفیق احادیث وبذل جہد اندراں۔

عاشراً: مراجعت نقول از اُصول ودیگر آنچہ مناسب ایں خدمت گرامی باشد۔

علامہ محقق زاہد کوثریؒ کے قلم سے فتح الملہم اور اس کے مصنف علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تعارف

صورة ما كتبه فضيلة الشيخ العلامة الحبر المحقق الناقد صاحب التصانيف والمآثر الشهيرة مولانامحمد زاهد بن حسن بن على الكوثرى نزيل القاهرة اطال الله بقاءه و احسن اليه فى دنياه و آخرته و افاض علينا من شآبيب علمه و فضله

" الى حضرة العلامة المحدث الناقد الفقيه البارع العالم الربانى فخر المذهب النعمانى مولانا الشيخ شبير احمد العثمانى اطال الله بقاءه فى صحة وعافية و وفقه لكل خير و نفع بعلومه المسلمين

السلام عليكم ورحمة الله و بركاته و بعد فقد كان من حسن حظى ان أتعرف الى الاستاذين الجليلين المنتد بين من قبل المجلس العلمى الموقر بطبع كتب خاصة بمصر القاهرة فانشرح صدرى جدا مما علمت من حضراتهما من احوال اخواننا فى الهند فى سبيل احياء معالم العلم بما يرضى الله و رسوله و كنا نعلم شيئا من ذلك قبل و لكن اينما كنا نعلمه مما استفدنا من حضراتهما فى هذا الصدد و بالامس شرفا منزلى و قدما الىّ (فتح الملهم فى شرح صحيح مسلم) من مؤلفاتكم الزاخرة فعظم سُرورى و ابتهاجى بذلك جداً و كلما درسته ازددت اعجاباً بالكتاب ' فانتم يامولانا فخر الحنفية فى هذا العصر حقا ، ابديتم بشرح صحيح مسلم هذا عن علم غزير و

فضل فياض فى هدوء تامه و سكينة كاملة فى كل اخذ و ردّ كما هو شان ارباب القلوب من السلف الصالح ، فاشكر كم باسم العلم على عملكم النافع هذا كما اشكر كم عظيم شكر على هديتكم القيمة هذه و ادعو الله سبحانهٗ ان يوفقكم لامثال امثاله من التاليف النافعة فى خير و عافية ، فالواجب على هذا العاجز ان يرتع فى حياضه و يعكف على دراسته بقدر ما يسمح له صحته ليكون ذلك ذخراً لآخرتى و تنويرًا لقلبى ، و نظرة عجلى فى الكتاب اظهرت لى عن كنز ثمين و كم كان سرورى عظيماً من تلك المقدمة النفيسة فى مصطلح الحديث و فى شرح مقدمة صحيح مسلم فانها مما لم اره مسطراً فى موضع واحد بهذا الجمع و هذا التحقيق و طريقتكم البديعة فى شرح الكتاب مما يخضع لبالغ استقامته كبار اهل العلم سلفاً و خلفاً فماذا يكون قول مثلى من المتطفلين على العلم سوى الاكبار والاجلال ، اطال الله بقاء كم فى عافية كاملة و صحة تامة و نفع بعلومكم المسلمين ، فى الختام أرجو من مولانا الدعاء لى بحسن الخاتمة '

من الداعى المخلص

محمد زاهد بن الحسن الكوثرى

خادم العلم بدار الخلافة العثمانية سابقا ، المقيم بالمنزل رقم ٨٠

بشارع العباسيه بمصر القاهرة

فى ٩ / جمادى الثانية سنة ١٣٥٧هـ

ثم قرّظ حضرة العلامة الممدوح فى مجلة "الاسلام" المصرية بكلمات جليلة ما نصّها .

فتح الملهم فى شرح صحيح مسلم :

لاهل العلم بالحديث عناية خاصة بصحيح مسلم علماً منهم بمنزلة

العليا بين أصول الاسلام الستة فمنهم من الف مستخرجات عليه و منهم من الّف فى رجاله خاصةً، و منهم من عنى بمواضع النقد عند بعض اهل النقد سنداً و متنا ، و منهم من سعٰى فى ايضاح مخبآت معانيه و شرح وجوه دلالته و كشف ما اغلق فى اسانيده ، فمن جملة الشارحين لهذا الكتاب الجليل الامام ابوعبدالله محمد بن المازرى صاحب " المعلم " فى شرح صحيح مسلم " و منهم القاضى عياض بن موسى اليحصبى مؤلف " اكمال المعلم فى شرح صحيح مسلم " و منهم ابوالعباس احمد بن عمر القرطبى مصنف " المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم " و منهم ابوزكريا محى الدين يحيى النووى صاحب " المنهاج فى شرح صحيح مسلم بن الحجاج " و هو استمد من الكتب الثلاثة التى ذكرناها و من الاعلام و معالم السنن للخطابى ، وشرح النووى هذا هو اوّل شرح برز فى عالم المطبوعات من شروح مسلم آلا انه ليس مما يشفى غلة الباحث فى حل المطالب ' ثم ظهر فى عالم الوجود " اكمال اكمال المعلم " لابى عبد الله محمد بن خليفة الابى الذى طبع قبل نحو ثلاثين سنة و معه " مكمل اكمال الاكمال " لابى عبد الله محمد بن محمد السنوسى و قد جمعا فيها صفوة مافى الشروح السابقة من الفوائد مع استدراكهما ما تيسر لهما و كان سرور اهل العلم بهما عظيما بما لقوا فيها من نوع من البسط بالنظر الى شرح النووى المطبوع فيما سبق و لكن الحق يقال انه لم يكن شرح من تلك الشروح يفى صحيح مسلم حقه من الشرح والايضاح من جميع النواحى التى تهم الباحثين المتعطشين الى اكتناه ما فى الكتاب من الخبايا فان اجاد احد الشروح فى الفقهيات او الاعتقاديات علىٰ مذهب من المذاهب مثلاً تجده يغفل شرح مايتعلق بسائر المذاهب عملاً و اعتقادًا و هذا لايروى ظمأ الباحث او تراه يهمل شرح مقدمة مع انها من القدم

ما سطره ائمة الحديث فى التمهيد لقواعد المصطلح ككتاب " التمييز " لمسلم و حق مثلها ان يشرح شرحاً وافياً ، و تجد بين الشراح من يترك الكلام على الرجال بالمرة مع ان الباحث فى حاجة شديدة الى ذلك فى مواضع النقد المعروفة ' فاذا اعجبك احد تلك الشروح من بعض الوجوه تجده لايشفى غلتك من وجوه أخر و هكذا سائر الشروح ، و هذا فراغ ملموس كنا فى غاية الشوق الى ظهور شرح لصحيح مسلم فى عالم المطبوعات يملأ هذا الفراغ وها نحن اولاء قد ظفرنا بضالتنا المنشوده ببروز فتح الملهم فى شرح صحيح مسلم " بثوبه القشيب و حلله المستملحة فى عداد المطبوعات الهندية ، و قد صدر الى الآن مجلد ان ضخمان منه عدد صفحات كل مجلد منها خمسائه صفحة و عدد اسطر كل صفحة خمسة و ثلاثون سطراً و لو كان الكتاب طبع بمصر لكان كل مجلد منه مجلدين بالقطع الكبير و تمام الكتاب فى خمسة مجلدات هكذا ، والمجلد الثالث على شرف الصدور ، و قد اغتبطنا جد الاغتباط بهذ الشرح الضخم المفخم صورة و معنى حيث و جدناه قد شفى و كفى من كل ناحية و قد ملأ بالمعنى الصحيح ذالك الفراغ الذين كنا أشرنا اليه ، فيجد الباحث " مقدمة كبيرة " فى اوّله تجمع شتات علم أصول الحديث بتحقيق باهر يصل آراء المحدثين النقلة فى هذا الصدد بما قرره علماء اصول الفقه على اختلاف المذاهب غير مقتصر على فريق دون فريق ، فهذه المقدمة البديعة تكفى المطالع مؤنة البحث فى مصادر لا نهاية لها ، و بعد المقدمة البالغة مائة صفحة يلقى الباحث شرح مقدمة صحيح مسلم شرحاً ينشرح له صدر الفاحص حيث لم يدع الشارح المجهد موضع اشكال منها اصلا ، بلا أبان مالها و ماعليها بكل انصاف ثم شرح الاحاديث فى الابواب بغاية من الأتزان فلم يترك بحثا فقهيًا من غير

تمحيصه بل سرد ادلة المذاهب فى المسائل و قارن بينها و قوى القوى و
الواهى بكل نصفة ، و كذلك لم يهمل الشارح المفضال امرًا يتعلق بالحـ
فى الابواب كلها بل وفاه حقه من التحقيق والتوضيح ، فاستوفى فى
الاسماء و شرح الغريب و الكلام على الرجال و تحقيق مواضع اورد عل
بعض ائمة هذا الشأن وجوهاً من النقد من حيث الصناعة غير مستسيغ التـ
قول من قال " كل من اخرج له الشيخان فقد قفز القنطرة " ذريعة التقلـ
الاعمى و كم رد فى شرحه هذا على صنوف اهل الزيغ ، ولهُ نزاهة بالغة
ردوده على المخالفين من اهل الفقه و الحديث ، و كم آثار من ثنايا الاحاديـ
المشروحة فوائد شاردة و حقائق عالية لاينتبه اليها الا افذ اذا الرجال و ارباب
القلوب ولاعجب ان يكون هذا الشرح كما وصفناه و فوق ما وصفنا عنـ
المطالع المنصف ، ومؤلفه ذلك الجهبذ الحجة الجامع لاشتات العلو
محقق العصر المفسر المحدث الفقيه البارع النقاد الغواص مولانا شبير احمد
العثمانى شيخ الحديث بالجامعة الاسلاميه فى دابهيل سورت (بالهند) و
مدير دار العلوم الديوبندية (ازهر الاقطار الهندية) و صاحب المؤلفات
المشهورة فى علوم القرآن والحديث والفقه والرد على المخالفين اطال الله
بقاءه فى خير و عافية و وفقه الاتمام طبع هذا الشرح الثمين و لتاليف كثير
من امثاله مما فيه سعادة الدارين و نفع بعلومه المسلمين فى مشارق الارض و
مغاربها ، انه قريب مجيب .

محمد زاهد الكوثرى

كتبه الفقير محمد عبدالسلام البرنى عفا الله عنه

(شوال ۱۳۵۷ھ)

فتح الملہم شرح صحیح مسلم :

مؤلفہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دیوبندی قدس سرہٗ بقلم قاری شریف احمد المقری من فضلاء ڈھابیل الھند ۱۳۵۷ھ و مالک مکتبہ رشیدیہ کراچی پاکستان

پوری کتاب میں حسب ذیل اُمور کا التزام کیا گیا ہے۔

(۱) ایمانیات میں جو مسائل اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان اختلافی سمجھے گئے ہیں، ان کی مستوعب تحقیق اور ایسی نقول پیش کرنا جو بحد امکان اختلاف کو کم کرنے والی ہوں۔

(۲) رواۃ کے تراجم میں اُن کے ممتاز اور مہم احوال کا تذکرہ، غیر معروف اسماء کا ضبط، بقدرِ ضرورت وکفایت جرح وتعدیل۔

(۳) اسنادی مباحث خاص خاص مواقع میں جہاں کوئی اشکال یا خلجان تھا۔

(۴) الفاظِ حدیث کا حل۔

(۵) جس فن کا مسئلہ ہو اس فن کی مشہور اور معرکۃ الآراء کتابوں کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں تا کہ مسئلہ کے سب اطراف وجوانب پوری طرح واضح ہو جائیں اور دلائل بھی اس قدر سامنے آجائیں کہ ایک طالب علم کو اُس مسئلہ کے لئے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہے اور مسئلہ کی پوری منقح صورت روشن ہو جائے۔ اس بارہ میں صرف شروح حدیث کے اقتباسات پر قناعت نہیں کی چنانچہ بعض مواضع میں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک مسئلہ کی بہت زیادہ مکمل تحقیق کسی ایسی کتاب میں مل گئی جہاں بالکل وہم وگمان بھی نہ تھا۔

(۶) اسرارِ شریعت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ، امام غزالیؒ اور شیخ اکبر وغیرہم کی تصانیف۔ ان سے بھی موقع بموقع پورا استفادہ کیا گیا ہے۔ تا کہ وہ اعلیٰ مضامین اور عمیق حقائق و اسرار بھی حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کے مطالعہ سے گذر

جائیں۔

(۷) فتح الباری وغیرہ کے مختلف ابواب میں ایک ہی موضوع کے متعلق جو تحقیقات بکھری ہوئی تھی اُن کو یکجا کیا گیا۔

(۸) حنفیہ کے مسائل کی تحقیق وتشریح اور اثبات وایضاح کے لئے فقہ حنفی کے شروح و حواشی کے ضروری اقتباسات پیش کئے گئے۔

(۹) اپنے اساتذہ اور اکابر کی وہ تحقیقات جو زبانی نقل ہوتی چلی آ رہی تھی یا کسی ایسی کتاب میں مندرج تھی جس کی طرف قارئین حدیث کا ذہن منتقل نہ ہو سکتا تھا یا عربی کے سوا دوسری زبان میں تھی، اس کو کافی بسط وایضاح کے ساتھ شروح میں درج کیا گیا۔

(۱۰) بہت سی ایسی تحقیقات جو اس سے پہلے مسموع نہ ہوئی ہوں گی جن کی قدر و قیمت ان شاء اللہ مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکے گی اور جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ خداوند قدوس کا انعام اور رسولِ کریم ﷺ کا فیض کسی وقت بھی منقطع نہیں ہے۔

(۱۱) تا بحد امکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ جس مسئلہ پر کچھ لکھا جائے وہ محض جدل اور احتمال آفرینی کے طور پر نہ ہو بلکہ ایسی چیز ہو جس کو وجدان قبول کرے اور ذوقِ سلیم رد نہ کرے۔

(۱۲) مؤلف نے جہاں کہیں اپنی عبارت ''قلت یا قال العبد الضعیف'' وغیرہ عنوان سے لکھی ہے پوری کوشش کی ہے کہ عبارت سلیس اور صاف ہو اور تفہیم میں کوئی گنجلک نہ رہے۔

(۱۳) وہ روایات جن میں بظاہر اختلاف ہے خواہ وہ مذہب سے متعلق نہ ہوں ہر موقع پر بے انتہا کوشش کی گئی ہے کہ خود روایات ہی کے ذریعہ سے اُن میں تطبیق دی جائے یا ہر ایک کا جداگانہ منشأ بیان کیا جائے تا کہ تعارض کا شبہ نہ رہے۔

(۱۴) اپنے مقدور کے موافق بہت جگہ سعی کی گئی ہے کہ احادیث کے مآخذ قرآن کریم

میں دکھلائے جائیں۔

(۱۵) حنفیہ کے اور دوسرے مذاہب کے دلائل کی کافی تنقیح کی گئی ہے اور پوری فراخدلی سے ہر مذہب کے ادلّہ اور وجوہ ترجیح کا بیان ہوا ہے۔

(۱۶) جو مسائل مہمّہ یا اُن کے دلائل بنظر اختصار ترک کر دیئے ہیں اُن کے متعلق ان کے مظان کے حوالے دیئے گئے ہیں تا کہ طالب بسہولت ان کی تحقیق کر سکے۔

(۱۷) جدید شبہات کے ازالہ کی طرف بھی موقع بموقع توجہ کی گئی ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بہ حیثیت خطیبِ اعظم :

برصغیر میں ممتاز خطیب اور مقرر چار گذرے ہیں ۔ (۱) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۲) مولانا ابوالکلام آزادؒ (۳) سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۴) مولانا احمد سعید سحبان الہند دہلویؒ۔

سنا ہے کہ ایک دفعہ نظام حیدر آباد دکن کے یہاں علامہ شبیر احمد صاحبؒ مدعو تھے اور آپ کا خطاب تھا۔ نظام دکن کے ماحول میں قدرے تشیع کے اثرات تھے۔ علامہ صاحبؒ نے مناقب صحابہؓ پر خطاب فرمایا اور فرمایا کہ حضرت بلالؓ کا اتنا بلند و بالا مقام تھا خدا تعالیٰ شانہٗ و رسول اکرم ﷺ کے یہاں اس قدر بلند مقام قریب پر فائز تھے کہ نواب نظام صاحب ان کی خاک پائے کو اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے پر فخر کرتے ہیں۔ اس پر نظام صاحب مرحوم نے کھڑے ہو کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا واقعی حضرت بلالؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی خاک پائے کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا میری سعادت اور میرے لئے باعث صد فخر ہے۔

خطاب کا وقت مقرر تھا۔ نواب صاحب نے اس وقت میں ایک گھنٹے کا اضافہ کر دیا۔ حضرت عثمانی مرحوم کی ایک تقریر سے صحابہ کرامؓ کے حق میں ماحول اور فضا بدل گئی۔

علامہ عثمانیؒ بہ حیثیت مدرس برصغیر میں دینی تعلیم کے لحاظ سے ممتاز ترین دار العلوم دو تھے۔

دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ڈابھیل۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے منقولات و معقولات کی اہم کتابیں ۲۷ سال دیوبند اور ڈابھیل میں مسلسل پڑھاتے رہے، ہزاروں علماء نے آپ سے علم حاصل کیا اور وقت کے مفسر و محدث بنے۔ حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش صاحب قدس سرہٗ سید القراء والمجودین جامعہ خیر المدارس ملتان سے بندہ نے خود سنا کہ ایک مرتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے بخاری شریف کی ایک حدیث پر اٹھارہ روز درس دیا۔ یہ درس حضرت عثمانی کے رہائشی مکان پر تھا۔

اہتمام :

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ چند برس دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم بھی رہے، جبکہ قاری محمد طیب صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا علامہ عثمانیؒ نے ساری عمر تدریس کتب ہو یا دارالعلوم دیوبند کا اہتمام، کبھی اس پر تنخواہ نہیں لی۔

سیاست، پاکستان کی تعمیر :

دوسرے طبقوں کی طرح علماءِ حقانی پاکستان کے مسئلہ پر دو طبقے بن گئے تھے۔ اکثر علماءِ کرام جمعیۃ علماءِ ہند حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یہ تمام بزرگ اور ان کے پیروکار تقسیم ہند کو مسلمانوں کے حق میں صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرا طبقہ جمعیۃ علماءِ اسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ پاکستان کے حق میں تھے۔ طرفین سے یہ تمام علماءِ کرام مخلص تھے۔ یہ اختلاف اجتہادی اختلاف تھا۔ حدیث شریف ہے، اذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد و اخطأ فله اجر واحد۔ (بخاری، مسلم)

اجتہادی مسائل میں اجر ہی اجر ہے، کسی شخص کا دوسرے فریق کے مخلص لوگوں پر طعن و تشنیع کرنا منع ہے اور سب کا احترام کرنا لازم ہے۔ اس موضوع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کا ایک مستقل رسالہ ہے "الاعتدال فی الاختلاف"۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے، اس کی حکمت سے مخلص علماءِ کرام کے اختلاف سے فریقین کے عوام و خواص کو فی الجملہ فائدہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد جو لیگی احباب بھارت میں رہ گئے تھے، ان کو جمعیۃ علماءِ اسلام اور احرار کی وجہ سے فائدہ ہوا۔ ابتلاء و امتحان سے نقصان کم ہوا۔ اسی طرح جو احباب جمعیت علماءِ ہند اور احرار سے تعلق کے باوجود پاکستان میں رہ گئے یا آ گئے، ان کو جمعیۃ علماءِ اسلام اور تھانوی حضرات کیوجہ سے فائدہ ہوا اور امتحانی منزل قدرے آسانی سے گذر گئی۔

مصطفیٰ کمال اتاترک :

بعض لوگ مصطفیٰ کمال اتاترک کا نظریہ رکھتے تھے اور اب پچاس ساٹھ سال کے بعد بھی ان کے جراثیم پاکستان میں محسوس کئے جا رہے ہیں۔ میں نے کراچی میں بعض لیگی حضرات سے سنا کہ پاکستان بننے کے بعد بعض بے دین لوگوں نے کہا پاکستان کے مخالف لوگوں سے مصطفیٰ کمال والا رویہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور آپ کے رفقاءِ کرام آڑے آ گئے۔ بے دین بلکہ بد دین مصطفیٰ کمال اتاترک کے ہمنوا لوگوں کو ناکام بنا دیا۔ اس سلسلہ میں تھانوی حضرات نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

حقیقت :

سچی بات یہ ہے کہ دونوں طرف غیر مخلص لوگوں نے دھوکہ دیا۔ کانگریس نے اپنے وعدے پورے نہیں کئے۔ بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کو اب تک ظلم و تعدی کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں اسلامی نظام کے نافذ کرنے کا وعدہ مسلم لیگ نے

پورا نہیں کیا بلکہ قادیانیوں اور رافضیوں جیسے بے دینوں کو عوام پر مسلط کرنے کی نامسعود کوشش کی، اب تک کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ حق اور اہل حق کو کامیاب بنائیں۔ (آمین)

علامہ عثمانیؒ کا ملتان میں ورودِ مسعود اور ایک لطیفہ :

۱۹۴۸ء میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہٗ جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ کی دعوت پر تشریف لائے۔ اگلے سال ۱۹۴۹ء میں بندہ فیض احمد خیر المدارس میں جلالین کی جماعت میں داخل ہوا، بعض رفقاء نے بتلایا کہ حضرت علامہ عثمانیؒ نے گذشتہ سال خطاب میں لطیفہ بتایا اور سنایا تھا، آپ نے فرمایا ہمارے بعض احباب کا اور پاکستان کا قصہ کچھ یوں ہے:

رمضان شریف کا چاند نظر آ گیا لیکن ایک شخص نے کہا نہ میں چاند دیکھوں گا اور نہ روزہ رکھوں گا، کیونکہ روزہ رمضان کا چاند دیکھنے پر لازم ہوتا ہے۔ (صوموا لرؤیتہ) تو وہ شخص نگہ نیچی کر کے چل رہا تھا۔ اچانک بارش کے پانی میں چاند نظر آ گیا اور روزہ رکھنا لازم ہو گیا تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اسی طرح ہمارے احباب پاکستان نہیں دیکھنا چاہتے تھے بالآخر قدرتِ خداوندی نے پاکستان دکھا دیا بلکہ پاکستان کو ان احباب کیلئے پناہ گاہ بنا دیا۔ واقعی وہ ذاتِ علیم وحکیم اور علی کل شیء قدیر ہے۔ حضرت عثمانیؒ قاسم بیلہ ملتان تشریف لئے گئے۔ جو حضرت محمد بن قاسم فاتح سندھ وملتان کی یادگار ہے اور وہاں نیچے فرش پر بیٹھ گئے اور فرمایا مجاہدین جہاں رہتے ہیں یا جہاں سے گذرتے ہیں وہاں خاص انوار وبرکات محسوس ہوتے ہیں۔ ''قاسم بیلہ'' کی حاضری میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ اور منشی عبد الرحمٰن خان ملتانی بھی ساتھ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۲

سیرت وکردار

منشی عبدالرحمٰن خان

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

سیرت و اخلاق کی چند جھلکیاں

مردِ حق :

شیخ الاسلام، امام المفسرین، شیخ الحدیث، محققِ اسلام، دانائے شریعت، ماہرِ رموزِ دین، قادر الکلام مقرر، بلیغ البیان خطیب، عاملِ قرآن، چراغِ محفلِ عرفان، جہاندیدہ ادیب، حکیمِ ملت، صاحبِ نظر نائبِ رسول، داعی الی اللہ، پیکرِ عزم و استقلال، علامۂ عصر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا سلسلہ و شجرۂ نسب خاندان ولی اللّٰہی سے ملتا ہے، جس میں بڑے بڑے جلیل القدر محدث و مفسر پیدا ہوئے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے علوم و معارف کے جانشین اور سیاسی و علمی اُمور کے ترجمان تھے۔ آپ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم کا عکس اور پرتو سایہ فگن رہا، انہوں نے احیاءِ اسلام کی جس سیاسی اور علمی تحریک کا آغاز کیا، آپ نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں زندگی کے آخری لمحہ تک معمارِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا اور پاکستان بننے کے بعد اور قراردادِ مقاصد پاس کرانے سے قبل قائد اعظم کے جانشین دستورِ اسلامی کے سلسلہ میں جو حیلہ سازیاں کر رہے تھے، آپ نے انہیں کھلے لفظوں میں چیلنج کیا کہ :

"اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس پشت ڈالا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور! نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتادوں گا کہ اہلِ اقتدار دستورِ اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتے"۔

(تجلیاتِ عثمانی ص ۴۶)

قراردادِ مقاصد اسی چیلنج کا نتیجہ تھی اور اسی مردِ حق کی تخلیق جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے پاس کی، جسے آئینِ پاکستان کے دیباچہ کی حیثیت دی گئی، مگر اربابِ اقتدار اسے صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اس لئے نظامِ اسلام کے نظارے یہاں دیکھنے نصیب نہ ہوئے، جو سعودی عرب میں نظر آرہے ہیں۔

مکتبِ فکر :

آپ متحدہ ہندوستان کی مایہ ناز یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے متعلم اور معلم رہے۔ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے ممتاز شاگردانِ رشید میں سے تھے جن کے سامنے مولانا مفتی کفایت اللہ مفتی ہند، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ نے بھی زانوئے تلمذ تہ کیے تھے۔

خاندانی اور علمی نسبت کا اثر بچپن سے نمایاں تھا۔ آپ اپنے ہم عصروں کے ساتھ کھیل کود یا سیر وتفریح میں قطعاً شریک نہ ہوتے تھے۔ لہو ولعب سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی تعلیم کا ایسا شوق لگا کہ مدرسہ کے اوقات سے فارغ ہونے کے بعد بھی آپ اساتذہ کی خدمت کے لئے پہنچ جاتے اور ان سے درس اخلاقیات حاصل کرتے رہتے تھے۔ شام کو گھر واپس لوٹتے اور رات بھر عبادت کرتے۔ شب بیداری کی عادت جب تجاوز کر گئی، تو صحت پر برا اثر پڑنے لگا۔ والدہ آپ کو عبادتِ شاقہ سے منع کرتی کہ اتنی شب بیداری مضرِ صحت ہے۔ جب صحت ہی نہ رہے گی تو پڑھو گے کیا؟ جب مشفق والدہ کا اصرار بڑھا تو فرمایا:

"اماں! اگر آپ مجھ کو حقیقی آرام دینا چاہتی ہیں تو شب بیداری سے منع نہ فرمائیں۔ اس ریاضت وعبادت سے مجھے اس فانی زندگی میں آرام ملتا ہے تو میں یقین کرتا ہوں کہ آئندہ زندگی میں بھی حقیقی آرام میسر آجائے گا"۔

(حیاتِ شیخ الاسلام ص ۱۳)

اس جواب نے آپ کی والدہ کو لاجواب کردیا تو وہ ممتا کی ماری آپ کے شفیق استاد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچی اور آپ سے تمام صورتِ حال بیان کرکے شاکی ہوئیں کہ: "حضرت وہ کہنا نہیں مانتا۔ آپ اس کو منع فرمائیں"۔

چنانچہ حضرت نے آپ کو بلایا اور صرف اتنا فرمایا:

"شبیر! تم نے اپنی شب بیداری کی وجہ سے اپنی والدہ کو شکایت کا موقع دیا ہے"۔

جس پر آپ رو پڑے اور شب بیداری میں حدِ اعتدال پر آگئے۔ انیس بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔

درس وتدریس :

آپ کی علمی قابلیت وذہانت کی وجہ سے آپ کو مدرسہ فتح پوری میں صدر مدرسی مل گئی، مگر دو سال بعد آپ کو دیوبند واپس بلالیا گیا، جہاں آپ اٹھارہ (۱۸) سال تک برائے نام تنخواہ پر بے لوث خدمت سرانجام دیتے رہے، چونکہ آپ نے اسی درسگاہ سے فیض حاصل کیا تھا۔ اس لئے آپ اس کو ایک احسانِ عظیم تصور کرکے پوری تنخواہ نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے:

"میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اگر میں ان دنوں کی تنخواہ لے لوں، جن دنوں دارالعلوم سے غیر حاضر رہتا ہوں، پوری توجہ وانہماک سے ایک یا زیادہ دفعہ اپنے فرائض مکمل طور سے ادا نہ کرسکوں تو کہیں قیامت کو مجھ سے مواخذہ نہ ہو

جائے"۔ (ایضاً ص:۲۲)

علمائے کرام کی صف میں اتنی بلند کردار شخصیت ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ ۱۸ سال دارالعلوم دیوبند میں علمی خدمات سرانجام دینے کے بعد وہاں کی فضا ناساز گار پا کر آپ ڈابھیل ضلع سورت چلے گئے۔ جہاں جامعہ اسلامیہ کے نام ایک اسلامی دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ یہ دینی درسگاہ تقریباً بارہ سال یعنی تقسیم ہند تک ترقی کرتی رہی۔

مسلم لیگ میں شرکت:

مسلم لیگ میں شمولیت کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو کئی مرتبہ اس مسئلہ کے حسن و قبح پر غور کرنا پڑا، بالآخر امام محمد بن حسن شیبانی (تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہؒ) کی کتاب السیر الکبیر کی یہ تصریح آپ کے کام آئی کہ اگر خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں کے ساتھ ہو تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ میں خوارج کی مدد کریں، کیونکہ وہ اس وقت کفر (صریح) کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقشِ اسلام کو ظاہر کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں، چونکہ فقہ حنفی کا سارا مدار امام محمدؒ کی ہی تصنیفات پر ہے۔ اس لئے آپ نے اس تصریح کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایا:

"اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شمار ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں، جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفسِ کلمۂ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع، مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے آئینی جنگ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں، پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہلِ حق کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں"۔ (خطبہ صدارت میرٹھ، مسلم لیگ کانفرنس ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء)

اس فیصلہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عثمانیؒ کی نظر ان مسائل پر کتنی گہری تھی۔

شرفِ جانشینی:

اسی لئے جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو آپؒ کے استادِ مکرم حضرت شیخ الہندؒ وہ مسئلہ آپ کے ہی سپرد فرماتے۔ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی کے بعد جب ترکِ موالات کی تحریک کے سلسلہ میں ان سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے اپنے تینوں شاگردوں مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ کو جمع کر کے فرمایا کہ آپ یہ فتویٰ لکھیں، سب نے کہا کہ آپ کی موجودگی میں ہم کیا لکھیں گے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے یہ عذر فرمایا کہ:

"مجھ سے انگریزوں کی نفرت کا جذبہ شدت لئے ہوئے۔ مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہو سکے گی اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا (کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل سے نہ ہٹا دے)۔ (سوانح قاسمی ج ۲، حاشیہ ص ۴۷)

ان ہر سہ حضرات نے ترکِ موالات پر جو فتوے لکھے، ان میں حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا عثمانیؒ کا فتویٰ پسند آیا، جو اٹھائیس صفحات پر مشتمل تھا اور جمعیۃ علماءِ ہند کے دوسرے سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی زیرِ صدارت پڑھا گیا اور جس کا تذکرہ قرآن کریم مطبوعہ مدینہ پریس مترجمہ شیخ الہند میں تفسیر عثمانیؒ سورۂ آل عمران ص ۶۸ کے حاشیہ نمبر ۸ پر موجود ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کو مالٹا سے واپسی کے بعد جہاں جہاں سے بھی عقیدت مندوں نے بلایا آپ نے مولانا عثمانیؒ کو ہی اپنے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت سے بھیجا۔ اس طرح حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنی زندگی میں اپنا قابلِ فخر جانشین بنا دیا تھا۔

حق گوئی :

یہی بات آپ نے حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر انصاری کے سامنے دہرائی، جس کی مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندویؒ نے آپ کو ان الفاظ میں داد دی:

"گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس کو حکیم اجمل خان نے اُٹھایا تھا، حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے نہایت واشگاف تقریر فرمائی تھی، یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کے لئے نہ صرف فخر و شرف کا باعث بلکہ ان کی سعادت مندی اور ارجمندی کی بڑی دلیل ہے"۔ (معارف)

آپ کی تقریر کے بعد یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا اور پھر کسی کو گائے کی قربانی ترک کرنے کے جواز میں آواز نکالنے کی جرأت نہ ہوئی، کیونکہ یہ حقیقت سب پر آشکارا تھی کہ مولانا عثمانی حق گوئی، حق کوشی اور حق طرازی میں کبھی کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی لئے آپ نے ترکِ موالات والے خطبہ میں اپنے اس مسلک کا کھلے طور پر ان الفاظ میں اظہار کر دیا تھا کہ :

"مسلمانوں کی فلاح سے متعلق شرعی حیثیت سے جو میری معلومات ہیں، ان کو بلا کم وکاست آپ کے سامنے رکھ دوں اور اس کی بالکل پرواہ نہ کروں کہ حق کی آواز سننے سے حضور وائسرائے بہادر مجھ سے برہم ہو جائیں گے، یا مسٹر گاندھی یا علی برادران یا کوئی اور ہندو یا مسلمان"۔ (خطبہ ترکِ موالات ص ۳)

مولانا عثمانیؒ حق بات کہنے میں بڑے بیباک اور نڈر واقع ہوئے تھے اور ہر معاملہ میں اپنی رائے بڑی آزادی سے پیش کرنے کے عادی تھے اور اس قومی جہاد کو جہاد اکبر تصور کرتے تھے۔ حق بات کہنے میں آپ شاہ وگدا میں کوئی تمیز نہ کرتے تھے۔ شاہ

افغانستان غازی امان اللہ خان کی بیگم ثریا کے پردہ اُتارنے پر ملک کے اخبارات میں بالعموم اور پنجاب کے اخبارات "زمیندار" وغیرہ میں بالخصوص مضمون نگاروں نے اس پر بڑی لے دے کی، مگر کسی کو خود شاہِ افغانستان کو تنبیہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، یہ صرف مولانا عثمانیؒ کی ذات بابرکات تھی، جنہوں نے شاہ امان اللہ خان تک پہنچانے کیلئے یہ پیغام دیا:

"کاش! کوئی صاحب ہمت دولت علیہ افغانستان کے امیر غازی اور ان کی ملکہ معظمہ ثریا جاہ کے سمع ہمایوں تک حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ پہنچا دے۔ اے ابوعبیدہ! تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، حقیر اور کمتر تھے۔ اللہ نے اسلام کے ذریعہ سے تمہاری عزت بڑھائی، پس جب کبھی تم غیر اللہ کے ذریعہ سے عزت حاصل کرو گے، خدا تم کو ذلیل کرے گا"۔

جرأت و بیباکی :

نظام حیدر آباد دکن علامہ عثمانیؒ کی تقریریں بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے اور آپ سے اتنے متاثر تھے کہ قیام حیدر آباد کے دوران نظام اپنے خاصے سے علامہ عثمانیؒ کے لئے کھانا بھیجتے تھے اور کبھی اپنے دسترخوان پر بلا کر مولانا کے ہمراہ کھانا کھانے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ تین منٹ ملاقات کا وقت دے کر آپ سے مل کر نظام اتنے محظوظ ہوتے تھے کہ ایک ایک گھنٹہ لطفِ گفتگو میں گزار دیتے تھے۔ نظام نے استدعا کی کہ آپ ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ پر دار الافتاء کی صدارت قبول فرما دیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ تاہم نظام کے زیادہ اصرار پر آپ نے صرف دوسو روپیہ ماہوار وظیفہ لینا قبول کر لیا، جو تقسیم ہند تک آپ کو ملتا رہا۔ مالی منفعت آپ کے نزدیک بہت بڑی اہمیت نہ رکھتی تھی، مگر اس وظیفہ سے آپ کی حق گوئی متاثر نہ ہوئی اور آپ نظام کی موجودگی میں کھری کھری سناتے رہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ :

"ایک وقت ایسا آیا کہ جب نظام پر تفضیلیت کا غلبہ تھا اور اتفاق سے وہ مکہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے تھے تو مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے تقریر فرمائی، جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بہت دلنشین طریقے سے بیان کئے تھے۔ اس دن لوگوں کو آپ کی تقریر سے بڑی خوشی ہوئی اور ان کے بیباکانہ اظہارِ حق کی سب نے تعریف کی"۔ (معارف اعظم گڑھ)

حسنِ خطابت :

مولانا عثمانی بڑے خوش بیان مقرر تھے۔ جب تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو مجمع پر چھا جاتے تھے۔ آپ کا ایک ایک لفظ علم و عرفان کا سفینہ اور ایک ایک بات حقائق و معارف کا دفینہ ہوتی تھی۔ آپ کی جادو بیانی کا مولانا ابوالکلام آزاد بھی لوہا مانتے تھے۔ قاری محمد کامل عثمانی دیوبندی کا بیان ہے کہ :

"خلافت کے زمانہ میں بمقام الہ آباد ایک جلسہ ہوا، جس میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد دونوں شریک تھے۔ دونوں قریب قریب کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگاہ مولانا عثمانیؒ کی تقریر کے کسی حصہ نے ابوالکلام آزاد کو چونکا دیا اور اپنی طرف جذب کرلیا۔ گردن جھک گئی اور مولانا ابوالکلام ایسے محو تقریر ہوئے کہ مولانا عثمانی کی تقریر ختم ہوگئی اور سر اس طرح نیچے جھکا رہا۔ جب آزاد کے کان آواز سے لطف اندوزی نہ کرسکے تو سر اٹھا کر دیکھا، مولانا عثمانیؒ بیٹھ چکے تھے۔ چنانچہ مولانا آزاد نے پھر دوسرے اجلاس میں آپ سے تقریر کی فرمائش کی"۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر برہان دہلی لکھتے ہیں کہ :

"مولانا عثمانیؒ تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں

ہونے دیتے تھے جو بات کہتے تھے۔ ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ ناپ تول کر کہتے تھے تحریکِ خلافت کا زمانہ حد درجہ اشتعال انگیز اور جذبات کی برانگیختگی کا عہد تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے کبھی بھی تقریراً یا تحریراً ایسی کوئی بات نہ کہی، جو صرف جذبات کا نتیجہ ہو"۔ (برہان دہلی)

۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو آپ نے نوابزادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کو قراردادِ مقاصد کے متعلق تجویز پیش کرنے پر پاکستان کی مرکزی پارلیمنٹ میں یوں مبارکباد پیش کی:

"یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روحِ انسانیت کی جانب سے ہے، جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص، رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدانِ کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہوکر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں، مگر پھر علاج اور دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے، اسی کو دوا اور اکسیر سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے، دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جال میں پھنس چکی ہے۔ اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی، اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی۔ وہ صحیح راستہ گم کرچکی ہے اور جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے۔ اس پر جتنے زور سے بھاگے گی، وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی"۔

یہ اس روز کی طویل تقریر کا ابتدائی ٹکڑا ہے، جس سے مولانا عثمانیؒ کے شوکتِ بیان کا کچھ اندازہ ہوگیا ہوگا، جس سے جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے اخبار الجمعیۃ کی اس رائے

کی توثیق ہوتی ہے کہ :

''ہمیں حلقۂ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید عرصہ تک میسر نہ آسکے گا۔ جب آپ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم و کمال کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں''۔ (الجمعیۃ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۹ء)

آپ کی تحریر ہو یا تقریر سلاست و فصاحت، متانت و بلاغت، شگفتگی و جامعیت کا مرقع ہوتی تھی۔

شوخیٔ تحریر :

آپ کی تحریر کی شوخی اور اس کے ادبی رنگ کا اندازہ آپ کے ایک مضمون کے مندرجہ ذیل ٹکڑے سے لگ سکتا ہے، جو آپ نے دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث کی تعمیر کے سلسلہ میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کو متوجہ کرنے کے لئے لکھا۔ یہی رنگ آپ کی کم و بیش ہر تحریر پیش کر رہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ :

''عشق و محبت کی بحث میں تم نے لیلیٰ مجنون کے تذکرے پڑھے۔ قیس و فرہاد کی داستانیں سنیں اور یہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ رات کے وقت جب شمع روشن ہوتی ہے، تو ہزاروں پروانے اپنی چھوٹی چھوٹی ہستیوں کو کس اشتیاق اور بے تابی کے ساتھ شمع کی لو پر نثار کرتے اور تن من کو جلا دیتے ہیں، لیکن تم کو کبھی ایسے پروانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا، جنہوں نے شمع کی آگ میں اپنے آپ کو اس لئے جلایا ہو کہ وہ جلنے سے بچ جائیں اور اس لئے فنا کیا ہو کہ وہ پھر کبھی فنا نہ ہوں۔ چمن میں خاموش پھولوں کے اردگرد سینکڑوں دفعہ بلبلوں کے چہچہے سنے ہوں گے۔ پر ایسا ایک دفعہ بھی نہ سنا ہوگا کہ شاید گل تو

خود چہچہا رہا ہو اور شور مچانے والی بلبلیں ساکت و صامت رہ کر اس کے ایک ایک لفظ کو چن رہی ہوں''۔

اس تمہید کے بعد کچھ آگے چل کر علامہ عثمانیؒ نے لکھا :

''عرب کے خشک ریگستانوں اور بے آب و گیاہ پہاڑوں میں خدا کی قدرت دیکھو کہ ایک غنچہ میں چٹک ہوئی اور ایک ایسا پھول کھلا، جس کی مست کر دینے والی مہک کے سامنے مشک و گلاب کی بھی حقیقت نہ رہی اور جب بلبلوں کے دماغوں میں اس کی مدہوش کر دینے والی خوشبو پہنچی، تو انہوں نے جمع ہو کر خوب شور مچانا شروع کیا۔ اس پر چمنستان نبوت کا وہ گل سرسبد گویا ہوا اور اپنے نغمہ طرب افزا سے سب کی زبانیں خاموش کر دیں، پھر کیا تھا بلبلیں اس کے لحن داؤدی سننے کے لئے گردنیں جھکا جھکا کر اور پر سمیٹ سمیٹ کر بیٹھ گئیں اور جو لفظ بھی اس کی زبان سے نکلا، اس کو اٹھا لیا اور جو کلمہ بھی سنا، اس کو نور اول کی تختی پر لکھ لیا''۔ (القاسم ماہ فروری ۱۹۱۷ء)

متذکرہ بالا اقتباسات ادبیت کے شاہکار ہیں، جو پورے شوکت و دبدبہ کے ساتھ حقائق کو حسین استعاروں میں پیش کر رہے ہیں۔ یہی رنگ اخیر وقت تک آپ کی تحریروں میں موجود رہا۔ چنانچہ جنوری ۱۹۴۶ء میں جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور کے خطبہ صدارت میں عرب کی حالت کا یوں نقشہ کھینچا :

''دیکھئے دنیا کی فضاء کس قدر بھیانک اور کیسی تاریک نظر آرہی ہے۔ شیطانی طاقتوں نے کس قدر پرے جما رکھے ہیں، امن و امان کی ایک کرن بھی کسی طرف نظر نہیں آتی۔ تیرہ و تاریک گھٹاؤں نے دن کو رات بنا دیا ہے۔ ان ہی خوفناک اندھیروں میں مکہ کی پہاڑیوں پر ایک چمک دکھائی دی۔

رحمت کا بادل زور سے گرجا اور کڑکا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جبل النور کی چوٹی سے دنیا کا ہادی اور شہنشاہ اکبر کا پیغمبر اعظم چمکتا ہوا اور گرجتا ہوا باران رحمت کے ساتھ نزول اجلال فرما رہا ہے"۔

خراجِ تحسین :

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں سے شاذ ہی کسی کو داد ملتی تھی، کیونکہ کوئی ان کے معیار کو نہ پہنچتا تھا، مگر علامہ عثمانیؒ نے ان کو بھی اپنا گرویدہ بنایا تھا۔ ۱۲،۱۱/محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم دیوبند میں مجلسِ اصلاحِ نصاب کا اجلاس ہوا، جس کے حضرت تھانویؒ سرپرست تھے اور اس میں شرکت کے لئے مدرسہ فتح پوری دہلی سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس اجلاس کی کاروائی مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے تحریر کی جو بعد ازاں شائع ہوئی اس میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں :

"حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ مولوی شبیر احمد صاحب مدرس اوّل مدرسہ فتح پوری دہلی کو چونکہ مولانا مرحوم کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں۔ آپ اس امر کا اعلان فرمائیں۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدر افزائی کا اعلان فرمایا۔ اس کے بعد حضرت سلطان العلماء مدظلہم (شیخ الہند مولانا محمود حسن) سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحبؒ عم فیضہم نے اپنا عمامہ مولوی شبیر احمد صاحبؒ کے سر پر رکھا"۔ (روئیداد موتمر الانصار ص ۵۹۔۶۰)

استاد کے سامنے شاگرد کی یہ عزت افزائی کتنی بڑی سعادت تھی۔ اسی مجلس موتمر الانصار کے اجلاس اوّل بمقام مرادآباد میں علامہ عثمانیؒ نے اپنا تاریخی مقالہ "الاسلام"

جب پڑھا تو حضرت تھانویؒ نے اپنی تقریر میں آپ کی یوں حوصلہ افزائی فرمائی :

"جو دلائل عقلیہ وجود صانع حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے بیان فرمائی ہیں، میں اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں"۔ (روئیداد موتمر الانصار ص ۱۰۰)

مولانا عثمانی حضرت تھانویؒ سے عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر آپ کے علم و فضل کی وجہ سے حضرت تھانوی آپ کی بڑوں جیسی عزت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے وعظ کے دوران آپ نے مولانا عثمانیؒ کو اپنے برابر کھڑا کر کے فرمایا :

"اگر کوئی میرا معتقد نہ مانے تو وہ جانے، میں یہی خیال کرتا ہوں کہ یہ مولوی شبیر احمد صاحب جن کی تقریر آپ نے سنی۔ مجھ سے چھوٹے ہیں، مگر میں ان کو بڑا سمجھتا ہوں، ان کی ذات سے ہمیں اُمید ہے کہ یہ سب کچھ کر لیں گے۔ اب ہم کو موت کا ڈر نہیں رہا، کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنا وعظ شروع کیا"۔

(ماہنامہ القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ ص ۳۸،۳۹)

حضرت تھانویؒ نے ارباب مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح کو تبلیغ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً جو وفد بھیجے، تو آپ نے ایک وفد کا علامہ عثمانیؒ کو بھی امیر منتخب کیا :

"جو ۱۹۳۸ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا، ارباب لیگ کو تبلیغ کرنے کی غرض سے حضرت تھانویؒ نے اس اجلاس کے زمانہ میں ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، آپ نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اس وفد کا امیر مقرر فرمایا"۔ (سیرت اشرف)

تصنیف وتالیف :

حضرت مولانا عثمانیؒ اگرچہ صلبی اولاد سے محروم تھے، لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو ایسی معنوی اولاد سے سرفراز فرمایا، جسے تاقیامِ قیامت موت نہیں چھین سکے گی اور اس سدا بہار پھول پر کبھی خزاں نہ آئے گی۔ اس میں سرفہرست تفسیر عثمانی ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا نے ترجمہ قرآن کے بعد حواشی لکھنے شروع کئے، ابھی سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء تک ہی فوائد مکمل کئے تھے کہ آپ کو آپ کے خالق نے واپس بلالیا اور اس نامکمل کام کی تکمیل کی سعادت علامہ عثمانیؒ کے حصہ میں آئی اور آپ نے بقیہ ۲۶ پاروں کے حواشی تحریر فرمائے۔ جس کا افغانستان میں فارسی ترجمہ بھی شائع ہوا۔ یہ واحد ترجمہ وتفسیر ہے جسے بلا اُستاد پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس کے بعد آپ نے بدورانِ قیام ڈابھیل شرح بخاری شریف بھی لکھی اور تین جلدوں میں مسلم شریف کی مستند شرح فتح الملہم تحریر فرمائی، جسے پوری دنیائے اسلام نے پسند کی۔

آپ کے مقالات میں ۱۔ الاسلام (۱۹۱۱ء)۔ ۲۔ العقل والنقل (۱۹۱۶ء)۔ ۳۔ اعجاز القرآن۔ ۴۔ الشہاب (۱۹۲۴ء)۔ ۵۔ معارف القرآن (۱۳۳۱ھ)۔ ۶۔ الدار الاخرۃ (۱۹۱۳ء)۔ ۷۔ ہدیۂ سنیہ (۱۹۱۸ء) ۸۔ قرآن کریم میں تکرار کیوں ہے (۱۳۲۸ھ رمضان)۔ ۹۔ تحقیق خطبہ جمعہ (۱۹۱۴ء)۔ ۱۰۔ سفینما بینی۔ ۱۱۔ لطائف الحدیث (۱۹۱۵ء)۔ ۱۲۔ تشریح واقعہ دیوبند (۱۳۳۳ھ رمضان)۔ ۱۳۔ حجاب شرعی (۱۹۲۷ء)۔ ۱۴۔ تجو الشمس (ربیع الاوّل ۱۳۳۳ھ)۔ ۱۵۔ خوارق عادات (معجزات) ۱۹۲۷ء۔ ۱۶۔ الروح فی القرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے خطبات ترک موالات ۱۹۲۰ء، مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ ۱۹۴۵ء، جمعیۃ العلماء اسلام کانفرنس لاہور ۱۹۴۶ء، خطبہ صدر ڈھاکہ ۱۹۴۹ء، تقریر قراردادِ مقاصد ۱۹۴۹ء اور مراسلات سیاسیہ ۱۹۴۵ء، مکالمۃ الصدرین ۱۹۴۵ء، پیغام موتمر کل ہند کلکتہ تاریخ پاکستان کے اہم جزو ہیں اور اپنے دور کے

سیاسی مدوجزر پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ایسی سدابہار تحریریں ہیں، جن سے ہر وقت رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

تصوف وتقویٰ :

علامہ عثمانیؒ بڑے نازک طبع اور رقیق القلب تھے۔ خوف وخشیت کا اکثر طبیعت پر غلبہ رہتا تھا۔ اسی لئے نماز بڑے خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے اور توبہ اور استغفار کی سخت تاکید کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ :

"تمام احکام بجالاکر پھر اللہ سے معافی مانگو، کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو، اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہوجاتی ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کرسکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کردیا بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو، اسی قدر اپنے کو تقصیروار سمجھے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہے کہ اے غفور ورحیم! تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما"۔

تعلق باللہ پر آپ زیادہ زور دیتے تھے اور یہاں تک فرماتے تھے :

"علاوہ قیام لیل کے، دن میں بھی (گو مخلوق سے معاملات وعلائق رکھنے پڑتے ہیں، لیکن دل سے) اسی پروردگار کا علاقہ سب پر غالب رکھے اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اس کی یاد میں مشغول رہیے۔ غیر اللہ کا کوئی تعلق ایک آن کے لئے ادھر سے توجہ کو نہ ہٹنے دے، بلکہ سب تعلقات کٹ کر باطن میں اسی ایک کا تعلق باقی رہ جائے، یا یوں کہو کہ سب تعلقات اسی ایک تعلق میں مدغم ہوجائیں"۔

تعلق باللہ سے ہی خوف پیدا ہوتا ہے، جس کے حصول کا یہ طریقہ فرمایا :

"ایسا عدل وانصاف جسے کوئی دوستی یا دشمنی نہ روک سکے اور جس کے اختیار

کرنے سے آدمی کو متقی بننا سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ خدا کا ڈر اور اس کی شانِ انتقام کا خوف ہے اور یہ خوف " ان اللہ خبیر بما تعملون " کے مضمون کا بار بار مراقبہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے، جب کسی مومن کے دل میں یہ یقین مستحضر ہوگا کہ ہماری کوئی چھپی یا کھلی حرکت حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں تو قلب خشیت الٰہی سے لرزنے لگے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرے گا"۔

یہ وہ اصولِ زندگی ہیں، جن پر آپ خود بھی عمل پیرا رہے اور دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی ترغیب و تبلیغ فرماتے رہے۔

اعترافِ خدمات :

روزنامہ امروز نے اپنے امروز و فردا کے کالم میں ۱۷ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو لکھا :

"مولانا عثمانیؒ کی زندگی اور ان کے کارناموں سے پاکستانی عوام اچھی طرح آگاہ ہیں، کیونکہ ان کے تبحر علمی، ان کی راست بازی اور حق گوئی و حق شناسی نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو راستہ سمجھایا۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ قائداعظم کی سیاسی بصیرت اور قانونی مہارت کے ساتھ ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تبحر دینی اور فیضِ روحانی نے مسلمانوں کو وہ قوت بخشی کہ انہوں نے صدیوں کا راستہ چند برس میں طے کر لیا"۔

روزنامہ "احسان" لاہور نے اپنی ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں آپ کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا :

"جب کانگرس کے نام پر ہندو امپیریلزم کے پھیلتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے علامہ عثمانیؒ مسلم لیگ کے ہمنوا بنے تو عوامی اعتماد اور ہر دلعزیزی کی

جس راہ کو طے کرنے میں دوسرے لیڈروں کو سالہا سال صحرا نوردی کرنی پڑی، اسے آپ نے چند ہفتوں میں طے فرما لیا"۔

مولانا نصر اللہ خان عزیز ایڈیٹر تسنیم نے ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء کے شمارہ میں لکھا :

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریکِ پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کار فرما تھے، مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات تنہا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی، اگر وہ بھی ادھر نہ آجاتے تو عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ یہ تحریک مذہبی درجہ رکھتی ہے ...... اس مقصد کا اعتبار کرنے کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی حمایت سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی"۔

پیشین گوئی :

پاکستان بننے سے قریباً ایک سال قبل آپ نے لاہور کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں ہی پاکستان کے متعلق یوں پیش گوئی فرما دی تھی کہ :

"ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اُڑائے، جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح کی اُمید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے"۔ (خطبہ لاہور ص ۱۷-۲۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منشی عبدالرحمٰن خان ملتانی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناقابلِ فراموش شخصیت

ذرہ نوازی :

انجمن مسلمانانِ عالم و جمعیۃ العلماء اسلام کے صدر اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رُکن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے اوائل ۱۹۴۷ء میں ہی میرا رابطہ قائم ہو گیا تھا، جبکہ آپ ابھی دیوبند میں ہی مقیم تھے۔ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی یادگار میں رسالہ پیغامِ اسلام جاری کر رہا تھا۔ اس سلسلہ میں میں نے ایک مضمون کی بلاتعارف اور بلاتکلف درخواست کر دی اور آپ نے اپنی علالت، ضعف اور نقاہت کے باوجود مجھے اپنا پہلا گرامنامہ بہ مضمون ذیل تعلیم تحریر فرمایا :

دیوبند ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء)

کرمفرمائے محترم زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامے موصول ہوئے۔ میں عرصہ سے علیل ہوں۔ طویل علالت اور مشاغل سے بمشکل فرصت نکال کر مختصر تقریظ لکھ سکا۔ بالفعل رسالے کے لئے مضمون لکھنا دشوار ہے، پھر کسی وقت بن پڑا تو بھیج دوں گا۔ دُعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ

آپ کو خدمت اسلام کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے۔ والسلام ...... شبیر احمد عثمانی

جس سے اس ناچیز کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا تعلقات بڑھتے گئے۔ آپ نے میری دعوت پر بلا حیل وحجت اور بغیر کسی اصرار و تکرار کے ملتان تشریف لانے کا وعدہ فرمالیا، اگر ان کی جگہ کوئی اور رہبر و رہنما ہوتا، تو صورت بالکل مختلف ہوتی اور ایسی خانہ واحدی نظر نہ آتی، جو میرے نام ان کے مکاتیب سے عیاں ہے، جو "انوار عثمانی" اور "انداز سخن" میں شائع ہو چکے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الحدیث کے علاوہ مسلم شریف کے شارح اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے مترجم قرآن مجید کے حواشی نگار بھی تھے۔ آپ نے جس خوبی اور خوشنمائی، شگفتگی، متانت، سلاست، فصاحت اور بلاغت کے ساتھ معارفِ قرآن کو اردو کا جامہ پہنایا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ یہ واحد ترجمہ و تفسیر ہے، جو بقول ایک بزرگ کے بلا اُستاد پڑھا اور سمجھا جا سکتا ہے اور اسی کی بدولت میں اپنی ابتدائی تین تالیفات تعارف قرآنی، بصائر قرآنی اور حِکَم قرآنی لکھنے میں کامیاب ہوا، جنہیں آپ نے بے حد پسند فرمایا۔

جرأت و بیباکی:

میری زندگی میں سب سے پہلا انقلاب غازی امان اللہ خان شاہ افغانستان کے عہد حکومت میں آیا۔ وہ ملکہ ثریا کے ہمراہ جب یورپ کی سیر کو گئے تو وہاں ملکہ ثریا نے پردہ اُتار دیا، جس پر افغانستان میں اس اسلامی شعار کے ترک کر دینے پر غیظ و غضب کا ایک طوفان آیا جو غازی امان اللہ خان کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا اور تخت و تاج سے محروم ہو کر جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اخبارات میں جب پردہ موضوع بحث بن گیا تو آپ نے بھی پردہ کے موضوع پر قلم اُٹھایا اور اس کی حقیقت اور شرعی اہمیت واضح کرتے

ہوئے شاہ افغانستان کو یہ پیغام بھیجا تھا، فرمایا:

"کاش کوئی صاحب ہمت، دولتِ علیہ افغانستان کے امیر غازی اور ان کی ملکہ معظمہ ثریا جاہ کے سمع ہمایوں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پہنچا دے کہ "اے ابو عبیدہ تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، حقیر اور کمتر تھے، اللہ نے اسلام کے ذریعے سے تمہاری عزت بڑھائی، پس جب کبھی تم غیر اللہ کے ذریعہ عزت حاصل کرو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا"۔

ترک موالات کے خطبہ میں بھی حق گوئی کا یہی رنگ نمایاں نظر آتا ہے کہ:

"مسلمانوں کی فلاح سے متعلق شرعی حیثیت سے جو میری معلومات ہیں، ان کو بلا کم وکاست آپ کے سامنے رکھ دوں اور اس کی بالکل پروا نہ کروں کہ حق کی آواز سننے سے حضور وائسرائے بہادر مجھ سے برہم ہو جائیں گے، یا مسٹر گاندھی یا علی برادران یا اور کوئی ہندو یا مسلمان ناراض ہو جائے گا"۔ (خطبہ ترکِ موالات ص ۲)

نظام حیدر آباد دکن بھی آپ کے بڑے معتقد تھے۔ آپ کی تقریر بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ قیامِ حیدر آباد دکن کے دوران نظام اپنے دسترخوان پر علامہ شبیر احمد عثمانی کو کھانا کھلاتے اور گھنٹوں ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے رہتے، مگر حق گوئی آپ نے وہاں بھی نہ چھوڑی اور جب بھی موقعہ ملا، نظام کو کھری کھری سنا دیں۔ نظام حیدر آباد مکہ مسجد میں نماز پڑھنے آیا کرتے تھے، جس زمانے میں ان پر تفضیلیت کا غلبہ تھا، اسی زمانہ میں علامہ عثمانیؒ نے نظام کی موجودگی میں فضائل صحابہ کرام پر ایک ایک دلنشین تقریر کر کے نظام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور اس کی ناراضگی کی قطعاً کوئی پروا نہ کی۔

دو قومی نظریہ:

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے قیامِ دیوبند کے دوران اپنے ہم عصر علماء کو کانگرس کی

حمایت سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ آپ اپنے استاذ و مرشد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی طرح دو قومی نظریہ کے حامی تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ :

"ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے، میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندانِ اسلام کی مستقل قومیت سے انکار کر دیا جائے۔ اس عالمگیر قومیت کا بیان مسلم شریف کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ روحاء میں ایک قافلے نے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا "تم کون قوم ہو"؟ جواب میں انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حجازی، نجدی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں، سب سے زیادہ قبائلی تعصب رکھنے والے ملک میں ان کا جواب صرف یہ تھا کہ "ہم مسلمان ہیں"۔ گویا وطنی اور نسلی تعصب کے سب بت ٹوٹ چکے تھے اور بجز اسلام کے اب کوئی قومیت ان کے نزدیک باقی نہ رہی تھی"۔

اسی اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قومیں سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی متحدہ قومیت صحیح معنوں میں بن سکے۔

وطنیت، قومیت کے جو بُت آج سے چودہ سو سال قبل توڑ دیئے گئے اور جن کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا، اب پھر ان کی پوجا پاکستان میں جاری ہے۔

مسلم لیگ میں شرکت :

عالمِ باعمل کبھی بلا سوچے سمجھے قدم نہیں اٹھاتا، بلکہ وہ ہر قدم پر یہ دیکھتا ہے کہ کہیں اس کا یہ قدم اللہ شانہٗ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب تو نہیں ہوگا۔ آ

اس کا کوئی جواز کتاب و سنت میں موجود ہے؟ مسلم لیگ میں شمولیت کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو کئی مرتبہ اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا پڑا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا تھا کہ :

"میں ایک طویل مدت کے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنی چاہئے، اگر اس وقت مسلم لیگ ناکام ہوگئی تو پھر شاید مدتِ دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہیں ملے گا"۔

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا :

"وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں"۔

مسلم لیگ کانفرنس منعقدہ ۲ر دسمبر ۱۹۴۵ء کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اپنی شمولیت مسلم لیگ کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا :

"اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شمار ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفسِ کلمۂ اسلام کے اعلاء اور ملتِ اسلامیہ کو من حیث المجموع، مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے آئینی جنگ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں، پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہلِ حق کی نسبت عشر عشیر بھی نہیں"۔

اس فیصلہ سے اندازہ ہوا کہ مولانا عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ سیاسی مسائل پر بھی بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔

آئینِ اسلامی :

جون ۱۹۴۷ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے موقعہ پر علامہ عثمانیؒ نے ایک وفد کی معیت میں قائد اعظم سے ملاقات کی، جس میں قائد اعظم نے علامہ عثمانی کو یقین دلایا

کہ پاکستانی دستور ساز اسمبلی کے قیام کے بعد مجوزہ دستور کی شرعی نقطۂ نظر سے جانچ پڑتال کے لئے علماء کی کمیٹی بنائی جائے گی۔ چنانچہ اعلانِ پاکستان کے بعد اس غرض کے لئے لاہور میں ایک مجلسِ علماء قائم ہوئی، جس کی صدارت کے لئے علامہ شبیر عثمانی کی خدمت میں خط لکھا گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے شفیق احمد صاحب صدیقی جنرل سیکرٹری مجلس علما کو جو خط لکھا، اس میں اس امر کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ :

''میں اس نظریہ (آئین اسلامی) کا دل سے حامی ہوں اور جس حد تک موقع ملے، اپنی بساط کے مطابق اس بارے میں سعی کرنا اپنا فرضِ مذہبی سمجھتا ہوں، چونکہ میرا انتخاب دستور ساز اسمبلی کے لئے بھی ہو چکا ہے، اس لئے میرا مصمم عزم ہے کہ وہاں پہنچ کر اپنی استطاعت کی حد تک اس سلسلے میں پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کروں، خواہ کوئی پارٹی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور آخری نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہوگی، بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات اور ان کے ایمانی تقاضوں کی سچی ترجمانی کروں گا۔ (انوار عثمانی ص ۱۸۹، ۱۹۰)

پاکستان بننے کے بعد اور قراردادِ مقاصد پاس ہونے سے قبل جو مغرب زدہ طبقہ عنانِ اقتدار سنبھال رہا تھا، وہ صدقِ دل سے آئین اسلام نہ چاہتا تھا اور اس کی راہ میں اس نے بلطائف الحیل روڑے اٹکانے شروع کر دیئے تھے، جس پر علامہ عثمانی ؒ نے انہیں ان الفاظ میں چیلنج کیا کہ :

''اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس و پشت ڈال دیا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور! نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتادوں گا کہ اہل اقتدار دستور اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتے''۔ (تجلیات عثمانی ص ۳۶)

علامہ عثمانی ؒ نے اگرچہ بصد مشکل قراردادِ مقاصد پاس کرائی، مگر آج تک قرارداد

مقاصد جزو آئین نہ بن سکی، بلکہ اسے دیباچہ بنا دیا گیا اور آپ کا یہ اندیشہ صحیح نکلا کہ ارباب اقتدار اسلامی آئین پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک پاکستان میں آئین اسلامی نہ بننے دیا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں اس ضمن میں جو عملی قدم اٹھایا گیا ہے خدا کرے وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے۔

حسنِ احترام :

سرحد اور سلہٹ کا جب ریفرنڈم پیش آیا تو یہ میدان سر کرنے کے لئے قائداعظم نے ان دونوں محاذوں کی کمان علی الترتیب مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ کے سپرد کی اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ دونوں معرکے ان ہر دو حضرات نے قائداعظم کو جیت دیئے، جس پر قائداعظم کی جان میں جان آئی۔ قائداعظم کے دل میں ان ہر دو علماء کا کتنا احترام تھا۔ اس کا اندازہ صرف ان دو واقعات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے :

۱۔ ۱۹۴۶ء کی دہلی کی عظیم الشان کنونشن میں علامہ عثمانی کو جب جائے قیام سے کنونشن تک پہنچنے میں دیر ہوگئی تو قائداعظم نے آپ کی آمد تک اجلاس کی کارروائی روک دی اور جس وقت علامہ عثمانی ؒ کنونشن میں پہنچے تو ہزاروں کے مجمع میں قائداعظم کچھ دور تک آپ کے استقبال کے لئے بڑھے اور تمام مقتدر حضرات باادب کھڑے ہوگئے۔

۲۔ ریفرنڈم جیتنے کے بعد جب علامہ عثمانی ؒ قائداعظم کو مبارکباد دینے گئے، تو قائداعظم نے فرمایا : ''اس مبارک کے مستحق آپ ہیں، میں خواہ سیاستدان سہی، لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی''۔

۳۔ عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد جب پاکستان کے پرچم کشائی کا وقت آیا، تو قائداعظم نے خود پرچم کشائی کی بجائے تحریک پاکستان میں علماء کرام کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کو اور مشرقی پاکستان میں

مولانا ظفر احمد عثمانی کو پرچم کشائی کا شرف بخشا۔

تفسیر عثمانی :

قرآن کریم میں بغرض امتحان وآزمائش دو قسم کے آیات ہیں۔(۱) محکمات جو اوامر ونواہی پر مشتمل ہیں۔(۲) متشابہات جن میں ناقص العقل الجھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں اور راسخ العلم انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔غیر مسلم عام طور پر متشابہات کی بنا پر وسوسے اور فتنے پھیلاتے رہتے ہیں۔علامہ عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں رفع اشتباہات کے سلسلے میں قرآن حکیم کے حقائق ومعارف کو اس قدر سلیس اور شگفتہ زبان میں زمانہ حال کی رعایت سے تحریر فرمایا ہے، جو اردو دُنیا میں ایک نعمت غیر مترقبہ اور ایسا بیش بہا خزانہ ہے کہ جس سے تا قیامت استفادہ کیا جاتا رہے گا۔مولانا محمد یوسف بنوری فاضل دیوبند حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔تفسیر عثمانی" کے مقدمہ مشکلات القرآن مصنفہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب میں مولانا محمد یوسف بنوری کی تفسیر عثمانی کے متعلق مندرجہ ذیل رائے نقل کی ہے :

"جس شخص کا قرآن کریم کے اُردو زبان میں بہترین طرز اور فصیح طور پر تھوڑے وقت میں حل کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمارے استاذ الاستاذ شیخ زمانہ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ شیخ الہند متوفی ۱۳۳۹ھ اور محقق زمانہ حاضر ہمارے شیخ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری فوائد کا مطالعہ کرے کیونکہ ان دونوں نے ان فوائد تفسیریہ میں قرآن کریم کی آیات کو واضح کرنے میں عجیب وغریب نکتہ آرائیاں کی ہیں اور ایسے الفاظ میں قرآن کریم کے الفاظ کے موقعہ میں تشریح کی ہے جو روشن ہیں اور بڑی بڑی تفسیر کی کتابوں کی تحقیقات میں وہ عقدہ کشائیاں نظر نہ آئیں گی جو ان کے فوائد کی مختصر اور لطیف عبارت میں مل سکیں گی"۔

مجھے اس تفسیر کے مطالعہ کی تلقین مولانا عبدالجبار ابوہری خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک اتفاقی ملاقات میں کی اور میں نے اسے مسلسل اپنے زیر مطالعہ رکھا، جس سے میری کئی ذہنی اُلجھنیں دور ہو گئیں اور مجھے وہ بصیرت حاصل ہوئی جو دنیا کی کسی بڑی سے بڑی یونیورسٹی سے حاصل ہونا ممکن نہیں۔اس کے علاوہ مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر جب تاج کمپنی نے شائع کی جو اردو زبان میں ایک گرانقدر اضافہ ہے، میں نے اس کو بھی زیر مطالعہ رکھا۔تفسیر عثمانی حل المشکلات کے لحاظ سے اور تفسیر ماجدی دینی معلومات کے لحاظ سے اپنا کوئی جواب نہیں رکھتیں۔تفسیر عثمانی" تو انسان کو بڑی بڑی ضخیم تفاسیر سے بے نیاز کر دیتی ہے۔اس کوزے میں بڑے بڑے سمندر بند ہیں۔

خطۂ پُر تاثیر :

یہ سُن اور پڑھ رکھا تھا کہ جس زمین کے ٹکڑے سے مجاہدین گزر جائیں، وہ بلحاظ اثر و تاثیر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوسری زمین سے ممتاز ہو جاتی ہے۔اسی لئے جب حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طبیعت میں ایک مرتبہ قبض پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے ان کا ایک "مقام ولایت" رُک گیا تو آپ ایک ایسے خطۂ زمین پر جا کر لیٹنے لگے کہ جہاں سے مجاہدین کا ایک قافلہ گزرا تھا، جس کی برکت سے نہ صرف ان کا قبض بسط میں بدل گیا، بلکہ وہ جس مقام پر پہنچنے سے رُک گئے تھے وہاں پہنچ گئے۔ایسا ہی ایک مقام قاسم بیلہ کے قریب بھی ہے، جہاں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اسلام کے نوجوان سپہ سالار اور مجاہد محمد بن قاسم نے پڑاؤ ڈالا تھا اور جس کا نخلستان، سرزمین عرب کا نقشہ پیش کرتا تھا۔۱۹۴۳ء میں میرا وہاں سے گزر ہوا، جوں جوں میں اس نخلستان کے قریب ہوتا گیا، کشش بڑھتی گئی، جب وہاں پہنچا تو اس خطہ کے غیر معمولی تاثرات نے طبیعت میں کچھ ایسا کیف پیدا کیا، جو بیان سے باہر ہے۔میں وہاں کچھ دیر بیٹھ کر اپنی منزل مقصود کو چل دیا۔میرے روحانی مربی

جب ملتان تشریف لائے، تو وہ بھی میرے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، جن کے تاثرات میری کتاب مشاہدات و واردات میں دیکھے جا سکتے ہیں اور مجھ پر بھی جب کبھی قبض کی حالت طاری ہوتی تو میں وہاں جا کر شرح صدر پاتا ہوں۔

۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر علامہ عثمانیؒ تشریف لائے، تو میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی جو رقعی ملاقات کے مقابلہ میں سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی اور آپ کی سابقہ نوازشات کے ساتھ ساتھ اب بے تکلف قرب عثمانی بھی نصیب ہوگیا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس خطۂ پُر تاثیر کا ذکر آ گیا تو آپ فوراً وہاں جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ چنانچہ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ مہتمم خیر المدارس اور بشیر احمد صاحب رفیقی موٹر میں بیٹھ کر وہاں پہنچ گئے، جونہی ہم اس نخلستان میں پہنچے تو حضرت عثمانیؒ بھی کھجوروں کے درختوں کے اسی کنوئیں کے پاس پہنچ کر رُک گئے، جہاں حضرت غازی صاحب رُکے تھے۔ ایسے مقامات کے انوار کا عکس اسی شیشۂ دل پر ہی پڑتا ہے، جو دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات کی آلائشوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ مولانا عثمانیؒ کی طبیعت پر اس خطۂ زمین کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی مقام پر بڑی بے تکلفی سے سبزہ پر بیٹھ گئے، سبحان اللہ کہہ کر ایک لمبی ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا:

تاثراتِ عثمانیؒ :

یہاں پہنچ کر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا ہے۔ آج کل جہاں دار العلوم دیوبند بنا ہوا ہے، وہاں سے مولانا اسماعیل شہیدؒ کے پیر حضرت سید احمد بریلویؒ کی زیرِ کمان مجاہدین کا ایک دستہ گزر رہا تھا۔ اس وقت وہ جگہ غیر آباد اور ناقابلِ التفات تھی۔ مولانا سید احمد وہاں رُک گئے، مجاہدین نے وجہ پوچھی تو فرمایا یہاں سے علم کی خوشبو آ رہی ہے"۔

یہ کہتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے

مجاہدین کے قدموں میں کیا برکت رکھی ہے کہ وہ جس زمین کو چھو جاتے ہیں، ان کی برکات صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی بحال رہتی ہیں۔

انہوں نے وہاں بیٹھے بیٹھے دار العلوم دیوبند کی ساری تاریخ بیان کر دی اور پھر مجھے فرمانے لگے کہ:

"میری خواہش ہے کہ میرے مدفن کا یہاں انتظام کر دیا جائے۔ میں اسی زمین میں ہی دفن ہونا چاہتا ہوں"۔

یہ سنتے ہی محترم رفیقی صاحب کی طبیعت للچائی، انہوں نے کہا اگر میرے دفن کا بھی یہاں انتظام ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو، میں یہاں بھی ایک خادم کی حیثیت سے ان کے پہلو میں پڑا رہوں گا"۔

ان کی دیکھا دیکھی میرے دل میں بھی ایسی ہی خواہش پیدا ہوئی، مگر معاً خیال آیا کہ خدا جانے یہ سرزمین پاک ہمیں قبول بھی کرے گی یا نہیں۔

یہ خیال آتے ہی میں نے اپنی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ ہم وہاں کافی دیر بیٹھے رہے مولانا کی طبیعت کچھ ایسی لگی کہ ان کا وہاں سے اُٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ آخر طوعاً وکرہاً واپس ہوئے۔ اس روز ان کا دوپہر کا کھانا مخدوم مرید حسین صاحب کے ہاں تھا، جس میں علامہ علاؤالدین صدیقی بھی موجود تھے۔ ان کا پروگرام اس روز بذریعہ ریل کراچی جانے کا تھا، مگر مولانا کراچی جانے پر راضی نہ تھے۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ مجھے تو کوئی واپس اسی جگہ چھوڑ آئے۔ میں سردست کراچی واپس نہیں جاتا۔ اسی بے کلی میں انہوں نے کھانا بھی لطف سے نہ کھایا اور صدیقی صاحب کو بھی مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ اس خطۂ پاک پر جا کر اس کی اثر و تاثیر دیکھیں، مگر انہیں وہاں دوسرے روز کسی ضروری اجلاس میں شرکت کرنی تھی۔ اس لئے وہ مولانا کو مجبور کر کے اسٹیشن تک لے گئے، وہاں پہنچ کر مولانا کو پھر اسی زمین کی کشش ہوئی

اور آپ نے کراچی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، حالانکہ گاڑی آ چکی تھی، ٹکٹ خرید ا جا چکا تھا، مگر مولانا یہی فرما رہے تھے کہ مجھے واپس قاسم بیلہ لے جاؤ، بڑی مشکل سے انہیں کراچی لے جانے پر اس شرط پر آمادہ کیا کہ ہم ابھی واپس جا کر اس اراضی کے مالکان کا پتہ لگا کر اس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اور پھر مفصل پروگرام بنا کر اطلاع دیں گے۔ آپ اس بارے میں بالکل مطمئن رہیں۔ اس اطمینان دلانے پر وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

آغازِ سعی :

میں وہاں سے سیدھا گھر پہنچا۔ لوہے کی پتریاں، کیل، ہتھوڑی اُٹھا کر واپس قاسم بیلہ گیا اور حضرت نے اپنے مدفن کے لئے جو ٹکڑا پسند فرمایا تھا، اس کے چاروں طرف کھجوروں کے درختوں کو نشانی لگانے کے لئے لوہے کی پتریاں لگا دیں۔ مالک اراضی کا پتہ معلوم کر کے واپس آ گیا اور حصولِ اراضی کے لئے کوشش شروع کر دی۔

اس واقعہ کی اطلاع میں نے محترم اسد ملتانی کو بھی کراچی بھیجی، مگر میرے خط سے قبل وہ مولانا عثمانیؒ کو مل چکے تھے اور مولانا بذاتِ خود انہیں تمام واقعہ بتلا چکے تھے، جس کی نسبت اسد صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ را پریل ۱۹۴۸ء میں لکھا کہ :

حضرت مولانا عثمانیؒ سے چند روز ہوئے ملاقات ہوئی۔ سفرِ ملتان کے تاثرات ان کی زبانی سُنے۔ آپ نے جتنا لکھا ہے، اس سے بھی کہیں بڑھ کر انہوں نے کیفیات بیان فرمائیں۔

بعد میں صلاح ٹھہری کہ یہاں باقاعدہ ایک یادگار قائم کی جائے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی اور حضرت اسد ملتانی نے اس کے لئے یہ کتبہ تجویز کیا۔

فرودگاہ محمد بن قاسمؒ

وہ مبارک اور خوش نصیب زمین جس نے ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء میں، اسلام کے سالارِ اعظم حضرت غازی محمد بن قاسمؒ اور ان کے رفقاء مجاہدین کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیا۔

مایۂ ناز است بہر ایں زمیں نقش پائے ابن قاسم بر جبیں

علامہ عثمانیؒ کی تحریک پر یہ کتبہ وہاں نصب کر دیا گیا اور حصولِ اراضی کے لئے سعی شروع کر دی۔

اخلاقِ کریمانہ :

شیخ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان علمائے ربانی میں سے تھے، جن کے دل میں دین وملت کا جذبہ خدمت بے پایاں تھا، جہاں ان کے دل میں قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وہاں ان کا دل اپنے ادنیٰ ترین خادموں اور کفش برداروں کی محبت و شفقت سے بھی معمور تھا۔ وہ ان سے بھائیوں کی طرح پیش آتے اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کرتے، جس کی مثال مشاہیر قوم میں ملنی مشکل ہے۔ ہم فرودگاہ محمد بن قاسمؒ سے واپس آ رہے تھے، انہیں راستہ میں میری دُکان "دارالقرآن" کا علم ہوا، تو سیدھے وہاں پہنچے، موٹر سے اُترے، بدقت تخت پوش پر چڑھ کر دکان کے اندر تشریف لے گئے۔ کافی دیر بیٹھے رہے اور کلام پاک کے مختلف نسخے ملاحظہ فرماتے رہے، لوگ باہر جمع ہو گئے اور شیخ الاسلام کو اس چھوٹی سی دکان میں موجود پا کر حیرت کا اظہار کرتے رہے کہ یہ دکان پر کیوں تشریف لائے۔ انہیں ضرورت کی چیز وہاں دکھلائی چاہئے تھی، وہ شخصیت پرستی کے زیر اثر ان کی محبت وشفقت اور اخلاقِ کریمانہ کا جائزہ نہ لے سکے۔

اسی طرح عصر کے وقت دوسرا واقعہ پیش آیا۔ جلسہ کے اختتام کے بعد جب وہ واپس ہونے لگے، تو معاً سامنے ایک شخص عبدالستار نامی آ گیا اور اس نے آپ کو دیرینہ وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب ملتان آؤں گا تو تمہارے پاس ضرور چائے نوش

کروں گا۔ آپ کے چند ہمراہیوں نے انہیں یہ دعوت ٹالنے کی ترغیب دی، کیونکہ وہ ایک مسکین سا آدمی تھا، جسے کوئی خاطر میں نہ لا رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے ... کیا تھا، اس لئے میں اس کی دل شکنی کرنا نہیں چاہتا۔ وہاں سے وہ اُس کے ساتھ موٹر ... روانہ ہوئے۔ میں ساتھ تھا۔ اس غریب آدمی نے ہمیں چٹائیوں پر بٹھایا اور جو کچھ ... تیار کر کے سامنے لایا۔ ایک غریب مسکین سے جو کچھ ہو سکا، اسے آپ نے بڑی محبت سے نوش فرمایا اور واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے کہ ہمارے جانے سے ہمارا کچھ نقصان نہیں ہوا مگر اس کا جو دل خوش ہوا ہے، اس کا یہ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ ان کے علم و فضل کی ایک معمولی سے جھلک تھے، جو اتنا بھی برداشت نہ کر سکی کہ جسے محض غربت و مسکینی اور پھٹے پرانے کپڑوں کی وجہ سے بنظرِ حقارت دیکھا جا رہا ہے، اس کی دل شکنی کی جائے۔

ملتان سے جب واپس ہوئے تو کراچی کے کسی صاحب نے ان کو اپنے ہاں حلوے کی دکان کے افتتاح پر مجبور کیا۔ آپ اس کے خلوص کی وجہ سے اس کی درخواست مسترد نہ کر سکے اور وقتِ مقررہ پر ۲۲ رمئی ۱۹۴۸ء کے دن وہاں تشریف لے گئے، جس سے متاثر ہو کر حضرت اسد ملتانی نے لوگوں کو یہ قیمتی مشورہ دیا کہ ....

علم کا مخزن ہے مولانائے عثمانی کی ذات
پوچھئے ان سے مسلماں معنیٔ فوز و فلاح
پوچھئے اُن سے کہ کیا ہے فرد و ملت کیلئے
فتنہ ہائے عصر تو میں صورتِ خیر و صلاح
پوچھئے ان سے کہ لادینی سے کرنے کو جہاد
دینِ فطرت نے مہیا کردیئے کیا کیا سلاح
پوچھئے ان سے کہ ہے اہلِ تجارت کیلئے

نفع کس حد پر حرام اور کونسی حد تک مباح
تانہ ہونے پائے کوئی بات قرآں کے خلاف
ہر نئی تجویز پر لیتے وزیر اُن سے صلاح
ملک میں کیونکر ہو آئینِ شریعت کا نفاذ
مشورہ ان سے یہ کرتے قائداعظم جناح
دیکھئے اہلِ کراچی کا مگر ذوقِ لطیف
چاہتے ہیں اُن سے حلوے کی دکاں کا افتتاح
خوب ان لوگوں نے پہچانی ہے مولانا کی قدر
خوب ان اللہ کے بندوں کو سُوجھا ہے مزاح
کیا عجب ہے کچھ دنوں میں ان سے پڑھوانے لگیں
بس جنازے کی نماز اور خطبۂ عقدِ نکاح

بات یہ ہے کہ جس دل میں نورِ علم روشن ہوتا ہے، وہاں خود رائی و خود نمائی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی روشنی میں اسے دوسرے اپنے سے اچھے نظر آنے لگتے ہیں اور اس لئے وہ اس کے بندوں کی دلجوئی کو فرضِ عین سمجھتے تھے اور اس کی عظمت و فضیلت اس فرض کی ادائیگی میں مزاحم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ عثمانی لوگوں کی دلجوئی کے باعث ان کی جائز اُمیدوں کے آئینے کو چُور چُور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اسد ملتانی کو تصویر کے دوسرے رُخ پر بھی نظر رکھنی چاہئے تھی، جو یہ ہے کہ ......

ع دل بدست آور کہ حج اکبر است

آخری اطلاع :

مذکورہ بالا کتبہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی" کی تحریک پر ۱۳۶۵ھ میں وہاں نصب

کر دیا گیا اور اس کی اطلاع انہیں بھیج دی، جس پر آپ نے ۱۵ رجون ۱۹۴۸ء کو مجھے لکھا کہ

''بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا، خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ میرا خیال یادگار کے بارے میں صرف اتنا تھا کہ یہ جگہ محفوظ ہو جائے اور کوئی ایسی نشانی قائم ہو جائے کہ مسلمانوں کو معلوم رہے، آپ نے یہ کام بڑے پیمانہ پر اُٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور کامیاب کرے۔

آپ نے جو کمیٹی بنائی ہے، وہ بہت مناسب ہے اور اخبارات میں کمیٹی کی طرف سے اپیل شائع ہوئی ہے۔ اس کمیٹی میں میرا بھی نام شامل ہے، فی الحال کمیٹی ہی کی طرف سے اپیل کافی ہے، وزیر اعظم صاحب سے کسی مناسب موقع پر اس کا ذکر کروں گا''۔

اس ضمن میں ابھی کوشش جاری تھی کہ ۷ ردسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ کی طرف سے مجھے ان کی آخری چٹھی ملی۔

برادر مکرم زید مجدہٗ !

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ ملا خوشی ہوئی، آپ کے اخلاص اور محبت کا یقین رکھتا ہوں اور آپ کے حق میں دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ دارین میں فائز المرام اور خوش رکھے۔ میں ۸ ردسمبر کو بہاولپور جا رہا ہوں۔ ۹ ردسمبر کو وہاں پہنچوں گا اور غالباً آٹھ دس روز قیام رہے گا۔ اطلاعاً تحریر ہے۔

تدبیر و تقدیر :

ان دنوں وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین اور گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر بھی ملتان آئے ہوئے تھے۔ میں نے مولانا خیر محمد صاحب کے ہمراہ بہاولپور جا کر حضرت عثمانی صاحب کو ملتان لانے کا پروگرام بنایا، تا کہ خواجہ صاحب اور سردار صاحب کی موجودگی میں یادگار اور آپ کے مقبرہ کے لئے حصولِ آراضی کا مسئلہ طے ہو جائے، ابھی ہم بہاولپور جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ آپ کے عالم بقا کو سدھارنے کی دردناک خبر ملی۔ اسی وقت

رابطہ قائم کر کے پتہ کیا کہ نعش ابھی بہاولپور ہے، یا وہاں سے کہیں لے جائی جا چکی ہے، تو یہ معلوم کر کے مزید افسوس ہوا کہ وہ کراچی پہنچ چکی ہے۔ آپ کی نعش خود آپ کے داماد مولوی محمد یحییٰ صاحب کراچی لے گئے، جو حضرت کی خواہش اور ہماری جدوجہد سے بخوبی واقف تھے۔ محترم اسد ملتانی نے انتقالِ نعش کے سلسلہ میں فوراً مجھے لکھا کہ :

''مجھے خاص طور پر اس امر کا افسوس ہے کہ آپ صاحبان نے بہاولپور سے ان کی نعش لے جا کر ملتان دفن کرنے کی کوشش کیوں نہ کی، حالانکہ ان کی وصیت تھی کہ اگر ملتان یا اس کے قرب و جوار میں موت واقع ہو جائے، تو مجھے نخلستانِ قاسم میں دفن کیا جائے۔ مجھے یہاں اس وقت خبر ہوئی جب نعش کو بہاولپور سے گاڑی میں سوار کیا جا چکا تھا، اگر پہلے علم ہوتا تو ضرور اپنی طرف سے کوشش کرتا''۔

اسد ملتان کا تأسف بجا تھا، کوتاہی ہماری بھی نہ تھی ....

محکوم مشیت ہے ہر انسان کی تقدیر
بندے کا نہیں زور کچھ احکامِ قضا میں

انسان کا جس جگہ کا خمیر ہوتا ہے، وہیں جا کر ملتا ہے۔ اس لئے روزِ اول سے میرے دل میں یہ دھڑکا تھا کہ یہ پاک سرزمین ہمیں قبول بھی کرے گی یا نہ، آخر یہ اندیشہ صحیح نکلا۔ علامہ عثمانی'' اگرچہ مستقل طور پر پاکستان میں آباد ہو گئے تھے، مگر دوسرے عمائدین و اکابرین کی طرح آپ نے نہ تو اپنا کوئی خاص گھر بنایا نہ کسی کی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا بلکہ جب تک جئے بعض عقیدت مندوں کے ہاں مسافر کی طرح رہے اور مسافرت میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔

ادھر صاحب زمین نے بھی ''فرودگاہ محمد بن قاسم'' کا کتبۂ سنگ اکھاڑ کر اور نخلستان کٹوا کر زمین صاف کرا لی تا کہ یہ متذکرہ بالا یادگار کے لئے استعمال میں نہ آ سکے۔

جمعیۃ العلماء کانفرنس :

حکیم آفتاب احمد قریشی لکھتے ہیں :

جنوری ۱۹۴۶ء میں جمعیۃ علمائے اسلام پنجاب کی کانفرنس اسلامیہ کالج لاہور میں منعقد ہوئی۔ برعظیم پاک وہند کے نامور علماء اور مشاہیر اجلاس میں شریک ہوئے۔ ان میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی بھی شامل تھے۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے مولانا عثمانیؒ لاہور تشریف لائے اور قلعہ گوجر سنگھ ٹھہرے۔ راقم اس زمانہ میں اسلامیہ کالج مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر تھا۔ بعض دیگر احباب کے ساتھ مولانا عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دل میں خیال تھا کہ پنجاب کی سیاسی صورت حال اور تحریک پاکستان کے بارے میں اپنی معلومات سے مولانا کو ششدر کر دیں گے اور بتائیں گے کہ پنجاب میں انتخابات میں مسلم لیگ کامران ہوگی۔ وہاں پہنچے تو مولانا بے حد لطف وکرم سے پیش آئے۔ وہ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور ایک نوجوان مسلم لیگی کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ عزیز من پاکستان کا بننا تو مقدر ہو چکا ہے۔ پاکستان کے قیام کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی میں دہلی میں قائداعظم سے مل کر آیا ہوں، میں نے قائد سے گزارش کی ہے کہ پاکستان تو بن کر رہے گا۔ ہمیں تو اب عبوری دور کا انتظام کرنا چاہئے۔ انگریز اور ہندو عبوری دور میں ہمارے لئے شدید مشکلات پیدا کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی سعی کریں گے۔ اس دور کا انتظام کرنا چاہئے۔

یہ پاکستان کے انتخابی معرکہ سے قبل کا دور تھا۔ پنجاب کے بڑے بڑے ذہین سیاستدان پنجاب میں مسلم لیگ کی کامیابی کے بارے میں متذبذب تھے۔ مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈروں کو یقین نہ تھا کہ پاکستان قائم ہوگا۔ ان تمام لیڈروں میں قائداعظم کی

ذاتِ گرامی یگانہ حیثیت کی حامل تھی۔ قائدؒ کا ایمان تھا کہ مسلمان ان کے پشت پناہ ہیں اور پاکستان قائم ہو کر رہے گا اور یہ مولانا عثمانیؒ تھے، جنہوں نے عبوری دور کی منصوبہ بندی کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ مولانا عثمانیؒ نے پاکستان کے بارے میں رات کے جلسہ میں ارشاد فرمایا :

"ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے منتخب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ مسلمانوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے، لیکن ہماری آنکھیں صبح درخشاں کا نظارہ کر رہی ہیں۔ اس کے پردے سے ہماری کامرانیوں کا مہرِ منیر طلوع ہوگا اور صبح اُمید کو نمود تک ہم تو صدیوں کی شب تاریک کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے۔ اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے"۔

دلکش نظارہ :

لاہور میں منعقد ہونے والی مذکورہ کانفرنس پنجاب کی تاریخ میں یادگار حیثیت کی حامل تھی۔ کانفرنس اتحاد اُمت کا دلکش نظارہ پیش کر رہی تھی۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ، ہر مکتب خیال کے افراد شیر وشکر تھے۔ کالجوں کے ہزاروں طلبا، علماء پر نثار ہو رہے تھے۔ پنجاب کی یونی نسٹ وزارت لرزہ براندام ہوگئی۔ حکومت پنجاب نے ایک آرڈیننس جاری کیا کہ انتخابات میں مذہب کا نام لینا جرم ہے۔ یونی نسٹ حکومت کا منشا تھا کہ علماء کو مرعوب کیا جائے، علماء کے خلاف مقدمات قائم کئے جائیں تاکہ علماء پریشان ہوں لیکن نوجوان طلباء نے عزم کر لیا کہ علماء کو پریشان نہ ہونے دیں گے اور طلبا خود کانفرنس میں یہ اعلان کریں گے کہ پاکستان کے لئے جدوجہد مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ چنانچہ طلبا کی طرف سے راقم نے کانفرنس میں اس مفہوم کی قرارداد پیش کر دی۔ حکومت پنجاب کے جاری کردہ آرڈیننس کی خلاف تقریر کرتے ہوئے جلسہ میں اعلان کیا گیا کہ مسلم لیگ کو

ووٹ دینا ہر مسلمان کا دینی فرض ہے۔ اس تقریر سے حکومت پنجاب کے اسلام دشمن [illegible] دھجیاں اُڑ گئیں۔ سید قاسم رضوی مرحوم نے ایں موقع پر ایک پُر جوش تقریر کی۔ اس [illegible] اتنی کامیابی نصیب ہوئی کہ اس کے بعد پنجاب کی فضا ہی بدل گئی۔ مسلم لیگ نے [illegible] میں دینی تحریک کی حیثیت اختیار کر لی اور ایسا سیلاب اُٹھا، جس کی زد میں یونی [illegible] اسلام دشمن عناصر خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ پنجاب کے نوجوانوں، دانشوروں [illegible] اہلِ علم حضرات نے مولانا شبیر احمد عثمانی" کی عہد آفرین شخصیت سے بڑا اثر قبول کیا۔ [illegible] کئی روز لاہور میں ٹھہرے، جب رخصت ہوئے تو پنجاب میں اپنی شخصیت کے [illegible] نقوش چھوڑ گئے۔

۱۹۲۶ء میں مولانا عثمانی" اور مجاہد کبیر حضرت سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین [illegible] تحریک پر سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں اوّلین مؤتمر عالم اسلامی کا انعقاد کیا۔ [illegible] مؤتمر میں دنیا بھر کے اکابر اور علماء شریک تھے۔ ہندوستان سے مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد علی جوہر"، مولانا شوکت علی"، مفتی کفایت اللہ"، مولانا عبد العلیم"، مولانا ثناء اللہ [illegible] علاوہ مولانا شبیر احمد عثمانی" بھی شریک تھے۔ اسلامی دنیا کے اکابر میں مولانا عثمانی" نے اپنے علم و فضل اور خطابت سے بڑا مقام حاصل کیا۔ مولانا کی عربی خطابت کے جوہر [illegible] وہیں کھلے اور انہیں مؤتمر کے بہترین خطیبوں میں شمار کیا گیا۔

☆☆☆☆

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح

اور

علامہ سید محمد یوسف بنوری رح

حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی" کا یہ مضمون اصالۃً حضرت محدث بنوری نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت کیلئے تحریر کیا گیا تھا، لیکن شیخ الاسلام علامہ عثمانی نور اللہ مرقدہٗ کی اصاغر نوازی، ایک شاگرد پر عنایات و نوازشات اور گوہر آبدار کی کس قدر قدر افزائی کی اور کتنا تعلق خاطر تھا، اس تحریر پر سب نمایاں ہے ——————(ادارہ)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی" کی عہد ساز شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں ہے۔ وہ دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی" قدس سرہٗ بانی دار العلوم دیوبند کے علوم و معارف کے عظیم ترجمان، عظیم محدث، فقیہ، متکلم اور بے نظیر خطیب تھے۔

حضرت بنوری" کو حضرت عثمانی" سے بھی تلمذ تھا اور ہمیشہ ان کا نام نامی بڑے احترام و عقیدت سے لیتے تھے۔ "معارف السنن" اور دیگر تصنیفات میں انہیں "ہمارے شیخ

محقق العصر'' کے الفاظ سے یاد فرماتے ہیں۔ مصر تشریف لے گئے تو وہاں شیخ محمد زاہد الکوثریؒ کی خدمت میں حضرت عثمانیؒ کی طرف سے ''فتح الملہم'' کی دو جلدیں ہدیہ کیں اور حضرت عثمانیؒ کا تفصیلی تذکرہ ان سے کیا، شیخ کوثریؒ نے اس پر بڑی پُر مغز تقریظ لکھ کر دی اور حضرت عثمانیؒ کو شکریہ کا خط بھی لکھا ...... جو ''انوارِ عثمانی'' (ص ۸۳،۸۲،۸۱) میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت عثمانیؒ کو آپ کے طالب علمی کے زمانے ہی سے آپ سے گہرا قلبی تعلق تھا، گذشتہ صفحات میں آپ حضرت عثمانیؒ کی تحریر فرمودہ ''سند اجازت'' پڑھ چکے ہیں، آپ کیلئے تحریر فرمودہ ''سند اجازت'' میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں : وھو فی ما اری...... ولا ازکی علی اللّٰہ احداً...... صالح ، راشد ، مسترشد ، مستقیم السیرۃ ، جید الفھم ، ذومناسبۃ قویۃ بالعلوم ، مستعد لتدریسھا ...... اور اس سے قبل تحریر فرماتے ہیں، فجد واجتھد فی اکتساب علم السنۃ والقرآن ، وبرع فیہ وفاق اقرانہ ماشاء اللّٰہ ''، چونکہ آپ نے مدت تک حضرت عثمانیؒ کی معیت میں کام کیا، اس لئے دونوں کے درمیان بڑا گہرا تعلق رہا اور حضرت عثمانیؒ آپ سے ایسا معاملہ فرماتے تھے جو ایک مخلص رفیق اور ہم عصر دوست سے کیا جاتا ہے، حضرت بنوریؒ مصر کے طویل سفر سے واپس ہوئے حضرت عثمانیؒ کو اپنی واپسی کی اطلاع دی۔ اس کے جواب میں حضرت عثمانیؒ نے تحریر فرمایا :

''بخدمت برادر محترم ! دامت مکارمہم، بعد سلام مسنون آنکہ محبت نامہ پہنچا، مسرور کیا، مع الخیر مراجعت وطن پر مبارکباد دیتا ہوں، مدت سے ملاقات کا شوق ہے، خیر یوسف مصر سے ہندوستان تو آیا، گجرات بھی انشاء اللہ پہنچ جائے گا۔ ہم کو آپ کی باتیں سننے کا اتنا ہی شوق ہے، جتنا آپ کو سنانے کا، مگر خدا جانے کب ہمارا نمبر آئے''۔

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :

'' مجھے جو قلبی تعلق آپ کے ساتھ ہے، وہ خود آپ کو معلوم ہے، مجھے بہت سی علمی توقعات آپ کی ذات سے ہیں ...... سنن ابی داؤد کے درس سے میری تمنا پوری ہوئی، میں مدت سے چاہتا تھا کہ اس درجہ کا کوئی سبق آپ کے ہاں ہو، الحمدللہ آپ کا درس مقبول ہے''۔ (۱۳ ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ)

ایک اور خط میں ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ کو دیوبند سے لکھتے ہیں :

'' بے شک آپ کے کئی خطوط مجھے ملے، جواب میں حسب عادت تاخیر ہوئی، دارالعلوم کے معاملات اور اکثر امراض کا تسلسل مانع ہوا، آپ بُرا نہ مانیں آپ کی محبت قلب میں جاگزیں ہے اور ایسے دوستوں کا تعلق مایۂ فخر سمجھتا ہوں''۔

ان چند اقتباسات سے دونوں حضرات کے قلبی تعلق اور باہمی اُلفت و محبت کا اندازہ ہو جاتا ہے، حضرت عثمانیؒ مدت تک ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' رہے لیکن آخر میں معروفیات و عوارض کی بناء پر ڈابھیل کے بجائے مستقل طور پر دیوبند میں قیام رہا اور تقسیم کے بعد پاکستان میں تشریف لے آئے۔

آپ کے بعد ڈابھیل میں آپ کے جانشین بھی حضرت بنوریؒ تھے، چنانچہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ''الحمدللہ کہ مجھے اپنے دونوں مشائخ (حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت عثمانیؒ) کی جانشینی کی سعادت نصیب ہوئی''۔

حضرت بنوریؒ کو پاکستان بلوانے کے محرک بھی حضرت عثمانیؒ ہوئے، حضرت عثمانیؒ آپ کو پاکستان کے نائب سفیر کی حیثیت سے عرب ممالک میں بھجوانا چاہتے تھے، مگر آپ اپنے مخصوص مزاج کی بناء پر کسی سرکاری عہدے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے عذر

کر دیا۔

حضرت عثمانیؒ اور حضرت مدنیؒ کا سیاسی اختلاف شہرۂ آفاق ہے جس کی شدت نے .... ؏ چوں گل بسیار شد پیلاں بلغزند

کا سماں پیدا کرتا تھا۔ سوءِ ظن تو معمولی بات تھی، بہت سے لوگوں نے سوءِ ادب کے مرتکب ہو کر اپنی عاقبت برباد کی لیکن یہ حضرت بنوریؒ کی سعادت، سلامتی فطرت اور عالی ظرفی تھی کہ اس طوفان میں بھی ان کے پائے استقامت کو لغزش نہیں آئی، وہ ایک طرف شیخ مدنیؒ کے عاشق ومحب رہے اور دوسری طرف حضرت عثمانیؒ کے محبوب ومقرب۔

وذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ (ماخوذ بینات بنوری نمبر)

باب : ۳

اوصاف وکمالات

جناب الطاف حسن قریشی صاحب

پاکستان کے شیخ الاسلام

بیسویں صدی عیسوی میں بعض ہمہ گیر اور ولولہ انگیز تحریکوں کے نتیجے میں جہاں یورپ' ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں نے غیروں کے پنجہ استبداد سے آزادی حاصل کی، وہاں کچھ نئے آزاد ملک بھی معرضِ وجود میں آئے۔ ان تحریکوں میں بعض وجوہ کی بناء پر تحریک پاکستان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس تحریک میں علماءِ کرام کا کردار ایک ایسا موضوع ہے جس پر بڑی تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ سردست ہم اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ جہاں برکوچک کے علماءِ کرام کے ایک گروہ نے اس تحریک کی زبردست مخالفت کی وہاں مختلف مکاتب فکر کے بہت سے علماءِ کرام نے اس تحریک کی حمایت میں اپنی جانیں لڑا دیں۔

یہ انہی علماءِ کرام کی شبانہ روز مساعی کا نتیجہ تھا کہ مسلم لیگ کا مطالبہ پاکستان جمہور مسلمانانِ ہند کا مطالبہ بن گیا، جس کے لئے انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ یہاں تک کہ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو "لے کے رہیں پاکستان"، "بن کے رہے گا پاکستان" کے نعرے حقیقت کے قالب میں ڈھل گئے اور مملکتِ خداداد پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قائداعظم کو ان کی خدمات کا اعتراف تھا اور وہ ان کے بے حد عزت کرتے تھے۔ ان علماءِ کرام میں سب سے فعال، نمایاں اور مؤثر کردار علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تھا۔ علامہ موصوف

علم وعمل، زہد وتقویٰ، انکسار وتواضع، تبحر اور جامعیت کے پیکر جمیل تھے۔ وہ دینی علوم میں ایک بحر ناپیدا کنار تھے۔ تفسیر حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔ اسی طرح فروعی اور فقہی مسائل میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تمام علماءِ دیوبند میں ان کو امتیاز حاصل تھا کہ ان کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم کے علوم ومعارف پر پورا احتوا تھا، حالانکہ مولانا موصوف کے مضامین نہایت غامض، دقیق اور مشکل ہوتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول علامہ شبیر احمدؒ ان مضامین کی تعبیر وتفہیم ایسے آسان پیرائے میں کرتے تھے کہ وہ دلنشین ہو جاتے تھے۔

(یادِ رفتگان ترجمہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

دوسرے کمالاتِ علمی کے علاوہ علامہ شبیر احمدؒ تقریر وخطابات میں بھی غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ :

''مولانا شبیر احمد صاحبؒ بڑے خطیب ومقرر تھے۔ عالمانہ استدلال کے ساتھ بڑے دلچسپ قصے اور لطیفے بھی بیان کرتے تھے، جس سے اہل محفل کو بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور ظریفانہ فقرے اس طرح ادا کرتے تھے کہ خود نہیں ہنستے تھے، مگر دوسروں کو ہنسا دیتے تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل بھی ہوتے تھے اور سیاسی، علمی، تبلیغی اور واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت طباعی اور بدیہ گوئی ان کی تقریروں سے نمایاں ہوتی تھی۔ اکبر کے ظریفانہ اور فلسفیانہ شعر ان کو بہت یاد تھے اور وہ ان کو اپنی تقریروں میں عمدگی سے کھپاتے تھے''۔ (یادِ رفتگاں ص ۴۳۶)

مولانا ماہر القادری نے علامہ موصوفؒ کی وفات پر اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے ان کی تقریر وخطابت کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا :

''علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اندازِ تقریر بے حد دل نشین اور اثر انگیز تھا ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی کیفیت ان کی تقریر میں ہر سننے والے کو محسوس ہوتی۔

سادہ سادہ باتیں، بناوٹ، تکلف اور آورد سے دور داد وستائش حاصل کرنے کیلئے سامعین کے جذبات سے وہ نہ کھیلتے بلکہ شروع سے اخیر تک تقریر میں وقار ومتانت کا سلسلہ قائم رہتا۔ اکبر الٰہ آبادی کے اشعار نہایت سلیقہ کے ساتھ استعمال فرماتے اور ان کی باریکیوں اور حکیمانہ نکتوں کی شرح بھی کرتے جاتے۔ علامہؒ کی تقریریں اگر منضبط کر لی جاتیں تو علم وادب کا یہ بہت بڑا سرمایہ ہوتا''۔ (فاران کراچی جنوری ۱۹۵۰ء)

مختصر یہ کہ علامہ شبیر احمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے تقریر وخطابت کی جو غیر معمولی صلاحتیں عطا کی تھیں، انہوں نے وہ سب تحریکِ پاکستان کی کامیابی کے لئے وقف کر دیں۔ ان کے نزدیک حصولِ پاکستان کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس خطہ ارض میں اسلام سر بلند اور زندگی کے ہر شعبے میں کارفرما ہو۔ یوں مسلمان دنیا پر ثابت کر سکیں کہ اسلام اور حاملینِ اسلام کا غلبہ و اقتدار عالم انسانی کے لئے کن کن فیوض وبرکات اور کیسی کیسی کامرانیوں اور خوشحالیوں کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ علامہ موصوف اور ان کے ہم خیال علماء کا یہی مقصد ''نظریہ پاکستان'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی نظریہ جمہور اسلامیانِ ہند نے اپنایا اور اسی کی بنیاد پر پاکستان کا ملک دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اگر کوئی بر خود غلط لیڈر قیامِ پاکستان کا مقصد کچھ اور بیان کرتا ہے تو وہ شرمناک کذب بیانی کا ارتکاب کرتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں بھارت کے صوبہ یوپی کے مشہور شہر بجنور میں ایک خوشحال دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا نام فضل الرحمٰن عثمانیؒ تھا جو انگریزی تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے اور ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ فارسی واردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ انہوں نے دہلی کالج کے نامور عالم دین استاذ العلماء مولانا مملوک علیؒ (متوفی ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء) سے تعلیم پائی تھی۔ اس دور کے متعدد سر آمد روزگار علماء بھی مولانا مملوک علیؒ کے شاگرد تھے۔ ان میں مولانا محمد قاسم

نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد مظہر صدر المدرسین مظاہر العلوم کے اسماءِ گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے آخر تک رکن رہے۔ مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے ۱۳۲۵ھ، ۱۹۰۷ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین سعادت مند فرزند چھوڑے۔ (مفتی) عزیز الرحمٰنؒ، (مولانا) حبیب الرحمٰنؒ اور (علامہ) شبیر احمدؒ۔ یہ تینوں فرزند چند سال بعد آسمانِ علم و فضل پر آفتاب بن کر چمکے اور برکوچک کے یگانۂ روزگار علماء میں شمار ہوئے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے دینی تعلیم کی تحصیل کا آغاز ۷ سال کی عمر میں کیا۔ ۱۳۲۵ھ، ۱۹۰۷ء میں وہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوگئے۔ اس وقت کے ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ دار العلوم میں ان کا شمار شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا تھا۔ شیخ الہندؒ کے دستِ حق پرست پر انہوں نے بیعت بھی کر لی تھی۔ تکمیل علوم کے بعد وہ دہلی کے مشہور مدرسہ فتح پوری میں صدر مدرس مقرر ہوئے لیکن تین سال کے بعد ہی انہیں وہاں سے دار العلوم دیوبند میں بلا لیا گیا، یہاں وہ عرصہ تک درجہ علیا کی مختلف کتابیں پڑھاتے رہے۔ اس زمانے میں ان کے درس صحیح مسلم کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کو مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم کے شارح کی حیثیت سے منفرد مقام حاصل ہوا۔ ۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۰ء میں علامہ شبیر احمدؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مفتی عزیز الرحمٰنؒ، مولانا سراج احمدؒ، اور کچھ دوسرے علماء دار العلوم دیوبند کو چھوڑ کر ڈابھیل (ضلع سورت، گجرات کاٹھیاواڑ) تشریف لے گئے۔ وہاں پہلے سے ایک مدرسہ جامعہ اسلامیہ کے نام سے قائم تھا۔ یہ مدرسہ تو معمولی سا تھا، البتہ اس کی عمارت اچھی خاصی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ مولانا انور شاہؒ، مولانا شبیر احمدؒ اور مولانا سراج احمدؒ وغیرہ نے یہاں دوبارہ

دیوبند قائم کیا۔ بہت سے سرحدی، ولایتی، بنگالی اور ہندوستانی طالب علم بھی ان کے ساتھ آئے اور چند سال تک زور و شور سے ان صاحبوں کا درس وہاں جاری رہا۔ (یادِ رفتگاں)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۳ء میں علامہ شبیر احمدؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ، ۱۹۳۵ء میں وہ اپنی مادرِ علمی دار العلوم دیوبند میں واپس تشریف لے آئے۔ ان کو واپس لانے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ اور بعض دوسرے اکابر دیوبند کی مساعی کا بڑا دخل تھا۔ وہ صدر مہتمم دار العلوم دیوبند کی حیثیت سے ۱۳۶۳ھ، ۱۹۴۴ء تک کام کرتے رہے۔ اس دوران میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلق قائم رہا۔

۱۳۶۳ھ، ۱۹۴۴ء میں دار العلوم دیوبند کے اکابر کے درمیان متحدہ قومیت کے مسئلہ پر شدید سیاسی اختلاف پیدا ہوگئے۔ بالفاظِ دیگر کانگریسی اور مسلم لیگی نظریات میں ٹکراؤ ہوگیا۔ اس سلسلے میں دار العلوم میں بعض ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ ان کے نتیجے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے منصب سے مستعفی ہوگئے۔ اس کے بعد وہ پوری قوت کے ساتھ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں سرگرم عمل ہوگئے۔ اس سے پہلے بھی وہ میدانِ سیاست میں مختلف حیثیتوں میں اہم کردار ادا کر چکے تھے۔ کوئی پچیس تیس سال پہلے وہ خلافت کمیٹی کے اہم رکن رہ چکے تھے اور جنگ بلقان کے زمانے میں انہوں نے ترکوں کی مدد کیلئے چندہ جمع کرنے میں بڑی تگ و دو کی تھی۔ اس کے بعد وہ سالہا سال تک جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ ان کا شمار جمعیت کے چوٹی کے رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ ۱۳۴۵ھ، ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود (مرحوم) والی حجاز نے مکہ معظمہ میں ایک عالمگیر اسلامی کانفرنس بلائی تھی۔ اس کانفرنس میں جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے جو وفد شریک ہوا اس میں علامہ شبیر احمدؒ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے وفد کی سلطان

سے ملاقات کے موقع پر عربی زبان میں نہایت مؤثر اور شستہ تقریر کی جس میں اکابر دیوبند کے عقائد اور فقہی مسلک کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ سلطان بڑی حد تک یہ تقریر توجہ کے ساتھ سنتے رہے۔

دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد علامہ موصوف نظریاتی اختلاف کی بناء جمعیۃ العلماءِ ہند سے بھی الگ ہوگئے اور تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کی حامی جمعیۃ العلماء اسلام میں شامل ہوگئے۔ اس جمعیت میں تحریکِ پاکستان کے حامی علماء و مشائخ کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ ۱۳۵۶ھ/۱۹۴۶ء میں علامہ شبیر احمدؒ جمعیۃ العلماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جمعیۃ العلماء اسلام نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں تحریکِ پاکستان کو کامیاب بنانے کیلئے جو بے مثال جدوجہد کی، اس نے قائداعظمؒ کے مشن کو بے حد تقویت پہنچائی اور اس تحریک کو ایک سیاسی مسئلہ ہی نہیں بلکہ اس کی حمایت کو جمہور اسلامیانِ ہند کے لئے ایک ملی اور دینی فریضہ بنا دیا۔ قائداعظمؒ نے اپنی ذاتی حیثیت میں بھی اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے بھی علامہ شبیر احمدؒ کے کردار کو بیحد سراہا اور تادمِ آخر ان کی ملی خدمات کے معترف اور مداح رہے۔

۱۹۴۶ء میں ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا تو علامہ شبیر احمدؒ بنگال کی طرف سے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اس کے رکن منتخب ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد ان کو مشرقی پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان کی مجلس دستور ساز کا رکن منتخب کیا گیا اور پھر شرعی دستور کمیٹی کا صدر مقرر کیا گیا۔

علامہ موصوف قیام پاکستان سے چند دن پہلے رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں مقیم ہوئے۔

قائداعظم کو ان کا اس قدر احترام ملحوظ تھا کہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو ان کے ایماء پر پاکستان کا قومی پرچم سب سے پہلے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لہرایا ....۔

این سعادت بزورِ بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

فی الحقیقت اس سعادت میں کوئی اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا شریک و سہیم نہیں۔

علامہ موصوف نے کراچی پہنچ کر کوئی سرکاری عہدہ حاصل نہیں کیا حالانکہ وہ بڑے سے بڑا عہدہ آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے تھے۔ تاہم دینی معاملات میں اربابِ اقتدار کے نزدیک ان کی حیثیت مشیر خاص کی تھی، اسی لئے وہ عوام الناس میں "شیخ الاسلام" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے جو اسلامی حکومتوں میں بالعموم قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا لقب رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حقیقی معنوں میں ایک درویش صفت انسان تھے۔ لباس بیحد سادہ اور معمولی ہوتا تھا۔ رہنے سہنے کا انداز بھی نہایت سادہ اور تکلفات سے پاک تھا۔ پاکستان آ کر انہوں نے اپنا کوئی گھر بنایا نہ کسی کی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا اور نہ کوئی بنگلہ اپنے نام الاٹ کرایا بلکہ ایک مخلص عقیدت مند کے مکان میں رہے، یہاں تک کہ سوا دو سال بعد خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔ ۲۸ ماہ کی اس مختصر مدت میں علامہ موصوف کی تمام سرگرمیوں کا محور (پاکستان میں نظامِ اسلام کا نفاذ) تھا۔ فی الحقیقت پاکستان کی حکومت کو قرآن و سنت کی بنیاد اور منہاج پر "اسلامی حکومت" بنانا ان کا مقصدِ حیات تھا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو قراردادِ مقاصد منظور کرنے کی جو سعادت نصیب ہوئی، اس میں بعض دینی جماعتوں کی جدوجہد کے ساتھ علامہ موصوف کی مساعی کا بھی کچھ عمل دخل تھا۔ وہ حکومت کے غلط کاموں پر اربابِ حکومت کو برابر ٹوکتے رہتے تھے اور اس معاملے میں کسی مصلحت یا مداہنت

سے کبھی کام نہیں لیتے تھے۔ انہوں نے ۱۴ راگست ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان سے جو تقریر کی وہ ان کے مقصدِ حیات اور احساسات کی آئینہ دار تھی۔ یہ تقریر جس کا ایک ایک لفظ نظریہ پاکستان کی عکاسی کرتا ہے، اس کا پورا متن ملاحظہ کیجئے:

"اللہ پاک کی اس کرم گستری اور نعمت بخشی کا کس زبان سے شکر ادا کیا جائے کہ اس نے ہمیں صدیوں کی محکومی سے نجات دی اور طرح طرح کی خامیوں اور کوتاہیوں سے صرف نظر فرما کر محض اپنے فضل و رحمت سے ہمیں ایک خطۂ زمین پر اقتدار بخشا اور موقع دیا کہ ہم اپنی وہ دیرینہ آرزوئیں پوری کر سکیں جو اسلام کو سربلند اور زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما دیکھنے اور دنیا پر یہ ثابت کرنے کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن رہی ہیں کہ اسلام اور حاملینِ اسلام کا غلبہ و اقتدار عالم انسانی کے لئے کن کن فیوض و برکات اور کیسی کیسی کامرانیوں اور خوش حالیوں کا حامل ہوتا ہے۔

شمسی نظام ماہ و سال کے اعتبار سے آج پورے بارہ مہینے ہوتے کہ ہم اغیار کے تسلط سے آزاد ہو گئے اور دنیا کی سب سے بڑی (اسلامی) مملکت کے مختار و کارفرما قرار پائے۔ اس حصولِ آزادی نے وہ تمام بیرونی رکاوٹیں دور کر دیں جو زندگی کے کم از کم اجتماعی شعبوں میں ہماری اس راہ میں حائل تھیں جس پر چل کر ہم نے صرف دنیائے اسلام کے سامنے بلکہ سارے عالم کے سامنے ایک ایسے معاشرہ اور ایسی مثالی مملکت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں جس میں دجل و فریب کی جگہ صدق و صفا، بدعہدی و خیانت کی جگہ پاس عہد و امانت، اوہام پرستی کی جگہ حق گوئی، ظن و تخمین کی جگہ ایمان و ایقان کی کارفرمائی ہو، جہاں اخلاقی انتشار و ہوس رانی کی جگہ ضبطِ نفس و پاکیزگی کا دور دورہ ہو، جہاں اقتصادی چیرہ دستیوں کی جگہ معاشی توازن ہو، جہاں زیر دست بالا دستیوں کے ظلم و عدوان کے خوف سے مامون ہو، جہاں مخلوق کی گردنیں مخلوق کی غلامی سے آزاد ہوں۔ جہاں نیکی کی قوتوں کو ابھرنے، پنپنے اور فروغ پانے کیلئے سازگار فضا میسر آ سکے۔ جہاں بدی کے سرچشمے بے آب ہو کر خشک ہو جائیں۔ جہاں کا ہر وفادار باشندہ بلا لحاظ مذہب و ملت اور بلا تفریق نسل و رنگ یہ محسوس کرے کہ امن و آشتی، عدل و انصاف، آزادیٔ ضمیر، احترامِ انسانیت، تحفظ جان و مال اور بقائے ننگ و ناموس کے لئے صفحۂ ہستی پر اس سے بہتر خطہ میسر نہیں۔

غرضیکہ پاکستان کی شکل میں ہمیں ایک خطہ زمین اس جنت ارضی کی تعمیر و تشکیل اور ان فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے مل گیا ہے جو ہم پر خیر الامم ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں کہ ہم اچھائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔ اگر اس نعمت کی سچی قدر شناسی اور اس عطا پر سچی شکر گزاری میں ہم کوتاہی کریں تو ایسا کفرانِ نعمت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے وبال سے محفوظ رکھے اور اگر ہم نے اس کے بقاء استحکام یا اس کے صحیح استعمال سے غفلت برتی تو یہ ہماری کھلی ہوئی بدبختی ہوگی۔ بارگاہِ صمدیت میں جہاں سے ہمیں نعمت ملی ہے، شکر گزاری کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جس مالک الملک اور حاکم حقیقی نے ہمیں اپنے نائب امین کی حیثیت سے یہ امانت سپرد کی ہے، اسی کی منشاء و مرضی کے مطابق ہم اس پر تصرف کریں اور اس کے پیش کئے ہوئے معیار پر پورے اُترنے کی جد و جہد میں مصروف ہو جائیں"۔

(تقریر (شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی) از ریڈیو پاکستان کراچی بموقع عید استقلال پاکستان ۱۴ راگست ۱۹۴۸ء)

علامہ شبیر احمدؒ کی اس تقریر کو پڑھ کر کوئی بد بخت ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ قیام پاکس
کا مقصد نظامِ اسلام کے نفاذ کے سوا کچھ اور تھا۔ علامہ کی حق گوئی کی یہ شان تھی کہ ا
دفعہ آرام باغ کراچی میں منعقدہ ہونے والے ایک بہت بڑے جلسے میں تقریر کر
ہوئے فرمایا :

''اگر حکومت مجھ پر زر و جواہر کی بارش کر دے تو بھی کسی خلافِ اسلام فعل
میں اس کی ذرہ برابر تائید نہ کروں گا اور اگر پبلک میرا منہ کالا کرے اور گدھے
پر چڑھا کر شہر کی گلیوں میں میری تشہیر کرے تو اس وقت بھی حق و صداقت کی
راہ سے نہ ہٹوں گا''۔ (ماہنامہ فاران کراچی جنوری ۱۹۵۰ء)

قائداعظم کے نزدیک علامہ شبیر احمدؒ کا جو مقام و مرتبہ تھا اس کا اندازہ اس بات
سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تحریری وصیت کی کہ ان کی وفات کے بعد ان کا جنازہ مو
شبیر احمد عثمانیؒ پڑھائیں گے۔ چنانچہ جب ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظمؒ نے وفات پائی
دوسرے دن علامہ موصوف ہی نے کئی لاکھ کے مجمع کی امامت کرتے ہوئے ان کی نم
جنازہ پڑھائی۔ اسی زمانے میں علامہ پر فالج کا حملہ ہوا اگرچہ یہ حملہ شدید نہیں تھا پھر بھی ا
نے ان کے جسمانی قویٰ پر بڑا اثر ڈالا۔

اسی علالت کے سبب وہ خیر سگالی کے اس وفد میں شامل نہ ہو سکے جو ۱۹۴۹ء م
حجاز مقدس جا رہا تھا۔ ان کی جگہ حکومت نے مجبوراً مولانا ظفر احمد تھانویؒ کو وفد میں شا
کیا۔ تاہم علامہ نے اپنے مقامی (یا اندرونِ ملک) معمولات اور ملی ذمہ داریوں کی ادائ
میں کوئی خلل نہ آنے دیا۔ حالات کی ستم ظریفی کہیے یا تقدیر کا کھیل کہ دسمبر ۱۹۴۹ء م
جب سارے ملک کو سخت سردی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، علامہ کو بہاولپور جانا پڑ
بہاولپور جانے کی تقریب یہ ہوئی کہ وہاں کی قدیم دینی درسگاہ جامعہ عباسیہ کے تعلیمی نظ

میں سخت بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی اصلاح و ترقی اور مشورے کے لئے بہاولپور کی وزارت تعلیم نے علامہ کو بہاولپور آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔

علامہ ۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو کراچی سے بہاولپور تشریف لے گئے۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کی صبح تک طبیعت بظاہر ٹھیک معلوم ہوتی تھی، لیکن انہوں نے خلافِ معمول ایک کے بجائے دو پیالیاں چائے پی اور فرمایا کہ رات کچھ حرارت رہی۔ اُسی وقت ڈاکٹر کو طلب کیا گیا جس نے بہت خفیف حرارت بتائی اور دوا دے دی۔ دس بجے کے قریب سینہ میں غیر معمولی گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ دوبارہ ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ نبض کی رفتار اس وقت طبعی رفتار سے قدرے سست تھی۔ اب ایک طبیب اور دوسرے ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ چار پانچ انجکشن دیئے مگر نبض ڈوبتی چلی گئی۔ آخر گیارہ بج کر پچاس منٹ پر یہ آفتابِ علم و فضل غروب ہو گیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون .

میت اسی روز شام کو ٹرین کے ذریعے بہاولپور سے کراچی روانہ کر دی گئی۔ ڈیرہ نواب صاحب، احمد پور شرقیہ کے اسٹیشن پر صادق محمد خان نواب صاحب بہاولپور نے میت کی زیارت کی اور انتہائی دکھ اور صدمے کا اظہار کیا۔ کراچی کے اسٹیشن پر ہزاروں کے سوگوار مجمع نے میت کو اتارا اور پہلے مرحوم کی قیام گاہ واقع محمد علی روڈ پر لائے۔ اس کے سامنے ہی عامل کالونی میں قبر تیار ہوئی۔ جنازے میں لاکھوں لوگ اشکبار آنکھوں کے ساتھ شریک تھے اور تابوت کو کاندھا دینے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ بقول مولانا ماہر القادریؒ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد ان کے قبولِ عام الناس سے عقیدت اور وابستگی اور ان کی ہر دلعزیزی کو اور بڑھا دیا۔ اسی نسبت سے آخرت میں بھی درجات میں ترقی اور بلندی نصیب ہو گی۔

علامہ مرحوم نے اپنے پیچھے کوئی صلبی اولاد نہیں چھوڑی، البتہ شاگردوں کی صورت میں باطنی اولاد سینکڑوں کی تعداد میں چھوڑی۔ ان میں سے بیشتر کو دیوبند اور ڈابھیل میں

ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ان میں سے بعض اپنے وقت کے نابغہ روزگار علماء شمار ہوئے کچھ کے اسماءِ گرامی یہ ہیں :

مولانا مفتی محمد شفیعؒ ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ، مولانا ابوالمآثرؒ محمد حبیب الرحمٰن اعظمی۔

کثیر التعداد شاگردوں کے علاوہ علامہ شبیر احمدؒ نے چند عظیم علمی یادگاریں بھی اپنے پیچھے چھوڑیں، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں :

علم الکلام ، العقل والنقل ، اعجاز القرآن ، حجابِ شرعی ، الشہاب لرجم الخطاب المرتاب، شیخ الہند کے ترجمہ قرآن پر تفسیری حواشی اور فوائد، فتح الملہم (شرح صحیح مسلم متعدد جلدوں میں) ان کے علاوہ بھی متعدد چھوٹے چھوٹے رسائل اور مضامین ان کی تصنیفی اور علمی یادگاروں میں شامل ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن پر علامہ کے حواشی کی بیحد تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ :

"ان کے حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دل نشین کرنے کیلئے ان کی قوت تفہیم حد بیان سے بالا ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحب کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدہ کے لئے فارسی میں ترجمہ کر کے چھاپا ہے"۔(یادِرفتگان)

تحریر ! حضرت مولانا میاں جمیل احمد بالاکوٹی صاحب

اسلام کا درخشندہ آفتاب

ماضی قریب میں عالم اسلام کی جن چند ہستیوں کی دینی بصیرت اور علمی رسوخ پر اعتماد کیا جاتا تھا، بلاشبہ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے ایک تھے، مولانا عثمانیؒ دورانِ تقریر جب حقیقتوں کو دلیلوں اور مثالوں سے سمجھانے اور منوانے کی کوشش کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ غیب اب شاید غیب نہیں رہے گا، بلکہ شہود بن کر سامنے آجائے گا۔(الفرقان)

مکی مسجد حیدرآباد دکن 1928ء میں جب مولانا کا بیان ہوا تو میر عثمان علی دکن حیرت سے علامہ موصوف کا چہرہ تکتے رہ گئے۔

1924ء میں شاہ حجاز ابن سعود نے آپ کا بیان سنا تو بے حد متاثر ہوئے اور فرمانے لگے کہ ان کے علم میں بہت وسعت اور ان کے خیالات میں بہت رفعت ہے۔

علامہ موصوف پاکستان و ہندوستان کے ان شعلہ مقال مقررین میں سے تھے جو تقریر کے دوران سامعین کے دلوں پر جادو کرتے تھے، کسی کی کیا مجال تھی کہ دورانِ تقریر اُٹھ کر چلا جائے، ان کی تقریر اتنی مؤثر ہوتی تھی کہ جسمانی مشین کے پرزوں کو عمل کے لئے متحرک کرنے کا پورا کرنٹ چھوڑ دیتی، جس سے سامعین کا شوق اور زیادہ ہو جاتا، ان کی طاقت لسانی اور فصاحتِ لفظی اور بلاغتِ معانی پر دل قربان ہونے کو چاہتا تھا۔

قدرت نے جہاں ان کی ذات میں ذہانت اور فطانت ودیعت کی تھی، وہاں عہد طفلی سے ہی تقریر کے ذوق کے ساتھ تحریر کا شوق بھی ان کے پہلو میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ اکابرین کی نظر میں ان کی علمی لیاقت تحریر وتقریر کے اوصاف کھلے جا رہے تھے۔ محقق دوراں حضرت علامہ موصوف کے بے مثل ذکاوت، بے مثل تحریر، عجیب وغریب حافظہ کمالات علمیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج اس میں تامل کر سکے۔

قدرتِ قدیمہ نے علامہ موصوف کی توجہ تکمیل فوائد ازالہ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر عالم اسلام اور بالخصوص اہل ہند کے لئے عدیم النظیر حجتِ بالغہ قائم کر دی ہے۔ تفسیر عثمانی نے بہت سی ضخیم ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں جو حضرت شیخ ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دلنشین کرنے کیلئے ان کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالاتر ہے۔ (معارف ص ۱۹۵۰)

مولانا محمد میاںؒ نے تو آپ کو صاف طور پر قاسم ثانی کے لقب سے یاد کیا ہے۔ علامہ عثمانی کے تفسیری فوائد کے متعلق لکھتے ہیں، تفسیر ایک ایسے متبحر عالم نے لکھی ہے جن کے متعلق مسلمانانِ ہند کا صحیح علم یہ ہے کہ فہم قرآن غور وفکر سلاست کلام دلچسپی تحریر دلپذیری تقریر میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یعنی شیخنا استاذنا مفسر اعظم قاسم ثانی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی“۔

مولانا موصوف نے تقریر وتحریر کے ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ 37 سال تک مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے۔ جہاں علامہ موصوف اپنی مذہبی خدمات میں اپنی عمر کو گزارا، وہاں ان کی ملکی سیاسی خدمات اور آزادی ہند کی وہی اور بالخصوص مسلمانوں کو سیاسی راہ بتانے میں بھی بڑی خدمات انجام دیں۔ 1912ء سے 1918ء تک تحریک

خلافت میں بڑا کام کیا۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے ممبر ہونے کے ناطے قرارداد مقاصد کا سہرا بھی علامہ عثمانیؒ کے سر رہا۔

فنِ تفسیر میں کمال پر آپ زبردست شاہکار قرآن حکیم کے وہ تفسیری فوائد ہیں جو جنوبی ایشیا میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر فروخت ہوئے۔ ذیل میں چند مشہور تفسیری نکات پیش کئے جاتے ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں سورۃ آلِ عمران کے رکوع نمبر 8، آیت نمبر 85 میں لکھتے ہیں اور جو کوئی چاہے سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین تو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔ تفسیر یعنی خدا کا دین اسلام اپنی مکمل صورت میں آ پہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جا سکتا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے۔ مقامی نبوتوں کا ہدایتوں کا عہد گزر چکا ہے۔ اب سب سے بڑی آخری عالم گیر نبوت وہدایت سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہئے کہ یہی تمام روشنیوں کا خزانہ جس میں پہلی تمام کا خزانہ جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں۔

(ص ۸۷ ف آل عمران نمبر ۳)

طبی تحقیق شہد کے بارے میں فیہ شفاء اللناس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے۔ جو باذنِ اللہ مریضوں کیلئے شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کو دست آ رہے تھے، اس کا بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے شہد پلانے کی رائے دی، شہد پلانے سے اسہال میں ترقی ہو گئی، اس نے پھر حاضر خدمت ہو کر کہا کہ دست زیادہ آنے لگے ہیں، فرمایا صدق اللہ و کذب اخیک، کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ پھر پلا کر دوبارہ پلانے سے بھی وہی کیفیت ہوئی تو

آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا، آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے، طبیعت صاف ہوگئی۔

اطباء نے اپنے اُصولوں کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں کیموس فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے۔ اس لئے دست آتے ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ مسہلات دی جائیں، تاکہ کیموس فاسد خارج ہو، شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ حضور ﷺ کا مشورہ اسی طبی اصل کے موافق تھا۔

مامون رشید کے زمانہ میں ثمامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یذ بن یوحنا نے سہل سے اس کا علاج کیا اور یہی وجہ بتلائی۔ آج اطباء شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بے حد مفید بتاتے ہیں۔

احسان دانش

عثمانی خلوص کے تابندہ نقوش

احسان دانش شاعر و دانشور ادیب اور صاحب فکر فنکار تھے۔ مضامین کے تکرار کے باوصف ان کی مختصر تحریر میں علمی و ادبی بانکپن ہے، باذوق قارئین کیلئے ایک تحفہ ہے ۔۔۔۔۔۔ (ادارہ)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ :

حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور علم منقح و مستحضر سے مالا مال تھے، علم کلام اور فلسفے کے علاوہ منطق اور دیگر علوم عقلیہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ اپنی غیر معمولی ذہانت کے بل پر حکمتِ قاسمیہ کے شارح ہوئے، ڈابھیل میں شیخ التفسیر کے عہدے پر فائز رہے، متکلمانہ انداز سے مسلم کی شرح کی جو اہلِ علم میں ناقابلِ فراموش کتاب ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے تفسیری فوائد کو ترجمے کے ساتھ شروع کیا تھا جس کی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تکمیل کی، بے مثال خطیب اور بے بدل مبلغ تھے۔ تبلیغ اور خطابت میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کو شرح و بسط سے بیان فرماتے تھے۔ سیاسی شعور بلند اور قوتِ فیصلہ نہایت معتبر پائی تھی، ملکی معاملات کے اُتار چڑھاؤ ان کی نظر میں تھے، کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں بھی سرگرم کارکن تھے، یہی سبب تھا کہ سیاست کے معاملات میں جچی تلی رائے رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماءِ ہند کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا اور آخر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، دیوبند

میں مدرس اور مسجد فتح پوری دہلی میں صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے اور پھر اسی دارالعلوم میں صدر مدرس ہو کر خدمات انجام دیں۔

آزادیٔ ملک کے بعد ترکِ وطن کر کے پاکستان آ گئے اور پارلیمنٹ کے ممبر ہو گئے۔ اسلامی قانون کے نفاذ میں سعیٔ بلیغ کی اور قراردادِ مقاصد پاس کرائی، پاکستان انہیں بالاتفاق شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

ایک سفر کے دوران میں بہاولپور کے مقام پر وفات پائی اور کراچی میں مدفون ہوئے، عرصہ تک عوام وخواص ان کا سوگ مناتے رہے اور اب تک ان کے خلوص کے نقوش تابندہ ہیں، مجھے ان کی کئی جلسوں میں شریک ہونے کا فخر حاصل ہے، وہ میرے اشعار کو پسند فرماتے اور دعائیں دیتے تھے، خدا انہیں غریق رحمت کرے۔ (آمین ثم آمین)

مولانا شبیر احمدؒ جیسے عالم روز بروز پیدا نہیں ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کانگریس میں سے مسلم لیگ میں آئے تھے، لیکن یہ تو اپنی اپنی بصیرت ہے، دنیا میں ہر انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہے اور بمقدارِ ذوق ہر شخص کی منزل و راستہ اور طریق جستجو جدا ہے اور اسی طرح تمام کائنات میں یہ فطرت کے نمائندے اور قدرت کے مبلغین پھیلے ہوئے ہیں، جس کو جس شعبہ حیات کی تلاش ہے، وہ اسی کا شارح اور ترجمان بھی ہے اور اسی شعبے کی مخلوق بھی اسے میسر آ جاتی ہے۔

ایسے لوگوں کے ہاں اعترافِ علم وکمال بھی ہوتا ہے اور عجز وانکساری بھی کیونکہ اپنے سے عظیم قوت کے آگے جھکنا، احترام کرنا اور عقیدت مند ہو جانا ایک فطری جذبہ ہے، جس کا مرکزی نقطہ حق بینی اور حق پسندی ہے، ہر چند کہ اس کے اعتراف واحترام کے نام جدا جدا ہیں لیکن ان تمام صورتوں کے پیچھے وہی ایک جذبہ کارفرما ہوتا ہے جسے ہم کہیں درون بینی کا نام دیتے ہیں، کہیں حق پسندی کا لقب، مگر بات ایک ہی ہے اور نقطۂ نظر وہی ذاتِ واحد اور اس کی تحقیق ہوتی ہے۔ (جہانِ دانش)

محمد سعید الرحمٰن علوی

بزمِ شیخ الہندؒ کے گوہر تابدار

۱۸۵۷ء کا سال برصغیر پاک وہند کے بسنے والوں بالخصوص مسلمانوں کے لئے بہت ہی المناک اور دردناک تھا کہ ان کی حکومت چلی گئی۔ ان کی روایات کا خاتمہ کرنے کی ظالمانہ تدابیر کی گئیں اور ہر حریت پسند بالخصوص اہلِ علم کو بُری طرح مارا اور رسوا کیا گیا۔ بہر حال بلا نوشانِ محبت نے ہمت نہ ہاری اور بہتر مستقبل کی تلاش کے لئے نئے سرے سے کمربستہ ہو گئے۔ اب کے انہوں نے تعلیم کا میدان منتخب کیا تا کہ اس کے ذریعہ جہاں اپنی روایات، علوم، کلچر اور تہذیب وثقافت کا تحفظ ہو سکے، وہاں وحدت واجتماعیت کا اہتمام بھی ہو سکے۔

اس مقصد کے لئے دو زبردست علمی تحریکیں سامنے آئیں، جن میں سے ایک کا نقطۂ آغاز دارالعلوم دیوبند تھا تو دوسرے کا جامعۃ العلوم علی گڑھ ...... یوپی کے مردم خیز خطوں اور قصبات میں ضلع سہارنپور قصبہ دیوبند کی بڑی تاریخی اہمیت تھی۔ یہاں ایک مرد درویش حاجی عابد حسین صاحبؒ تھے، انہوں نے ایک مکتب قائم کر رکھا تھا، اسی مکتب نے آگے چل کر بین الاقوامی حیثیت حاصل کی۔ اس مکتب کو عظیم الشان علمی تحریک کا رنگ دینے کا سہرا دیوبند کے قریبی قصبہ نانوتہ کے ایک بڑے عالم کے سر ہے، جن کا نام محمد قاسم تھا اور جو آج حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات کے عقیدت مندانہ بلکہ حقیقت پسندانہ لقب د

نام سے معروف ہیں۔

مولانا نانوتوی قدس سرہٗ کے ساتھ اس میدانِ عزم و ہمت میں جو لوگ شریک تھے، ان میں ایک نام مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ؒ کا تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دیوبند کے باسی تھے۔ نہایت فاضل انسان، اردو ادب کے ماہر اور مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ کثیر العیال تھے لیکن ان میں سے تین صاحبزادوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

دیوبند کی بین الاقوامی درسگاہ کے سب سے پہلے باقاعدہ مفتی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن مجددی نقشبندی ؒ جن کے فتاویٰ کا عظیم الشان مجموعہ مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی جن کی اصابت رائے، سیاسی تدبر، انتظامی صلاحیتوں اور تصنیفی اور تالیفی کمالات کا ایک زمانہ معترف ہے...... ایک عرصہ مادرِ علمی دیوبند کے مہتمم رہے جو سب سے زیادہ باوقار اور ذمہ دار منصب ہے۔

اور تیسرے مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ، جن کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا۔

دیوبند کے عثمانی شیوخ کے خانوادوں میں اس خاندان کو بہر طور بڑی اہمیت حاصل تھی اور مولانا فضل الرحمٰن اور پھر ان کے گرامی مرتبت فرزندان نے عالمانہ وقار، سیاسی تدبر، عزم و ہمت اور اصابت رائے سے خاندانی عظمت کو چار چاند لگائے اور اپنے مدرسہ کے لئے وجہ افتخار بنے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ جنہوں نے ۱۳ ردسمبر ۱۹۴۹ء کو بغداد الجدید بہاولپور میں آخری سفر اختیار کیا اور ۱۴ ردسمبر کو کراچی میں مدفون ہوئے، عظیم مفسر، محدث، نقاد، متکلم، خطیب اور بہت کچھ تھے ...... عربی کا مشہور شعر ....۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(اللہ تعالیٰ کے لئے یہ مشکل نہیں کہ ایک شخص کو مجموعہ کمالات و خوبی بنائے) ......ان پوری طرح صادق آتا ہے۔

دنیا کے ہر شعبہ میں ”معاصرت“ فتنہ کا سبب رہی، لیکن علمی دنیا میں اس نے زیادہ ہی کانٹے بکھیرے...... کسی علمی شخصیت کا معاصرین کی طرف سے اعتراف عظمت معمولی بات نہیں، اس حوالہ سے مولانا عثمانی بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ ان کے معاصرین نے ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا اور برملا !

مولانا کے معاصرین میں امام العصر مولانا سیّد انور شاہ کا نام نامی بڑا اہم ہے۔ علامہ ہی وہ بزرگ عالم ہیں جن کی عظمت کا اعتراف فلسفی شاعر علامہ اقبال نے فراخ دلی سے کیا ...... شاہ صاحب اور مولانا ایک ہی استاذ کے شاگرد تھے یعنی امامِ حریت شیخ الہند مولانا محمود حسن ؒ ...... پوری جماعت میں شاہ صاحب ؒ کو جو علمی برتری اور فضیلت حاصل تھی، وہ مسلم ہے لیکن شاہ صاحب نے مولانا المرحوم کی عظیم الشان کتاب ”فتح الملہم“ کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے مولانا کو علامہ عصر اور اپنے دور زمانہ کا محدث، مفسر اور متکلم لکھا۔ (فتح الملہم ٹائٹل ص ۲)

امام العصر مولانا عبید اللہ سندھی کے نام، کام اور ان کی قربانیوں سے ایک دنیا واقف ہے۔ انہوں نے فلسفہ ولی اللّٰہی کی ترجمانی کا حق ادا کیا اور طویل عرصہ حریت و آزادی کے لئے جلاوطنی کی زندگی گزاردی۔ ایک مقام پر بعض افکار کے حوالہ سے سندھی و عثمانی کے درمیان اختلاف کی خلیج بھی حائل ہوئی اور بہت شدید، لیکن اربابِ صدق وصفا ذاتی دشمنیوں اور عداوتوں سے ماوراء ہوتے ہیں۔

مولانا عثمانی کا ایک عظیم الشان مقالہ ہے، جس کا عنوان ہے ”الروح القرآن“ ظاہر ہے قرآنِ عزیز کا یہ مشکل ترین مسئلہ ہے۔ مولانا عثمانی نے جس خوبی و خوبصورتی سے اس ادق اور مشکل مسئلہ پر قلم اُٹھایا، اس کی اطلاع مولانا سندھی کو قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں ہوئی تو مولانا سندھی نے لکھا ”اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لئے

نہایت بصیرت افروز ثابت ہوا۔ اس مشکل مسئلہ کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جو قدر میرا دل دے رہا ہے، اس برعظیم میں انہیں ایسے بہت کم ملیں گے۔ میں حضرت علامہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کی قوت بیانیہ کا مثل جانتا ہوں''۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی اور علامہ عثمانی کے باہم سیاسی اختلافات کا ہر ذی شعور کو علم ہے۔ مولانا مدنی تقسیم ہند کے فلسفہ سے اختلاف رکھتے تھے جبکہ مولانا عثمانی اس فلسفہ کے زبردست نقیب تھے لیکن مولانا مدنی نے علامہ کی وفات پر تعزیتی جلسہ میں فرمایا :

''مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی، علم وفضل میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے''۔

مسٹر ابوسعید بزمی جیسے ذمہ دار صحافی نے روزنامہ احسان لاہور کے اداریہ (۱۴؍ دسمبر ۱۹۴۹ء) میں لکھا :

''وہ علمی فضیلت اور کردار کی بلندی دونوں اعتبار سے اتنے بلند مقام کے حامل تھے کہ پاکستان تو درکنار دنیائے اسلام میں بھی آپ کے پائے کی کوئی ہستی نہ تھی''۔

ملک نصر اللہ خان عزیز کا نام صحافتی دنیا میں بہت معتبر نام ہے۔ ''مدینہ بجنور'' جیسے اخبارات ملک صاحب کی ادارت میں چلتے رہے۔ آخری دور میں جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریک سے وابستہ ہوگئے اور سیّد صاحب کے دفاع کا حق ادا کیا ...... دیوبند سے وابستہ کبھی افراد سیّد صاحب کے بعض افکار سے شدید اختلاف رکھتے اور مولانا عثمانی کی جنگ کشمیر ۱۹۴۸ء کے دور میں سید صاحب سے مکاتبت ہوئی، جس کی تفصیل ''مکتوبات عثمانی'' میں موجود ہے۔ سید صاحب نے جنگِ کشمیر کے شہداء کے خلاف بہت ہی افسوسناک رویہ اختیار کیا اور یوں ایک بڑے نازک موقع پر دانستہ یا نادانستہ ملک کے دفاعی مورچہ کو کمزور کرنے کی سعی کی۔

واقع یہ ہے کہ سیّد صاحب قلم کے شاہسوار تھے اور یہ مولانا عثمانی ہی تھے جنہوں نے سید صاحب کے افکار کا تار و پود بکھیر کر جنگِ کشمیر کی اہمیت واضح کی۔ اس اعتبار سے ملک نصر اللہ خان عزیز مرحوم کا دل مولانا سے میلا رہا اور یہ قدرتی بات تھی لیکن مولانا کی وفات پر ملک صاحب حقیقت نگاری پر مجبور ہوگئے اور لکھا :

''مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبند کے مدرسہ علم وفقہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے سینے میں ایک دل بیدار و صحت یاب تھا جو ان کی تمام احتیاطوں کے باوجود ان کو میدانِ عمل میں لیے پھرتا تھا۔ سب سے پہلے وہ تحریک خلافت و عدم تعاون میں عوام کے سامنے آئے۔ وہ ایک جادو بیاں مقرر تھے۔ لاہور میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی صدارت میں جمعیۃ علماءِ ہند کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر نہایت ہی معرکہ آرا تھی''۔

(تسنیم ۲۰؍دسمبر ۱۹۴۹ء)

معاملہ :

معاملہ اسی پر بس نہیں کرتا۔ خلافتِ عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام (یہ در حقیقت چیف جسٹس کے برابر تھا) اور متعدد علمی کتابوں کے فاضل مصنف علامہ زاہد الکوثری نے حضرت مولانا کی حدیثی خدمت ''فتح الملہم'' پر نہایت شاندار تقریظ لکھی ...... ''مسلم'' حدیث پاک کی چھ اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے، جسے بخاری کے بعد دوسرا مقام حاصل ہے، بقول ایک مفکر حنفی دنیا پر اس کتاب کا قرض اتنے طویل عرصہ بعد مولانا عثمانی نے چکایا ...... علامہ الکوثری کی تقریظ کے آخر میں ہے (ترجمہ از عربی)

''اس کتاب (فتح الملہم) کے مؤلف، فاضل اجل، سراپا حجت، علومِ مختلفہ کے جامع، زمانہ کے محقق، مفسر، محدث، فقیہ، قابل، نقاد غواصِ علوم مولانا شبیر احمد عثمانی مدیر

دار العلوم دیو بند ...... جو ہندوستان کا ازہر ہے ۔الخ"

ایک قدم آگے بڑھائیں تو مولانا اس وقت خوش قسمتی کے اُس درجے پر نظر آتے ہیں کہ رشک آنے لگتا ہے ...... شاگرد، عقیدت مند اور چھوٹے، استاذوں، مشائخ اور بڑوں کا احترام کرتے ہی ہیں لیکن کسی بڑے کا اپنے چھوٹے پر اعتماد سرمایہ ہے، جس کی دنیا میں قیمت نہیں، مولانا المرحوم کو اپنے استاذ گرامی شیخ العالم مولانا محمود حسن کا جس قدر اعتماد حاصل تھا، اس کا اندازہ مشہور محقق عالم، مصنف اور علی گڑھ یونیورسٹی کے فاضل استاذ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی تحریر سے ہوگا :

"حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے مالٹا سے آنے کے بعد آپ (مولانا عثمانی) نے (۱۹۱۹ء) کے آخر اور (۱۹۲۰ء) کے شروع میں سہارنپور، غازی پور، لکھنؤ، بنارس، کانپور، علی گڑھ، دہلی کے بڑے بڑے اجتماعات میں حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمان کی حیثیت سے جو بلند پایہ تقریریں کیں، انہوں نے ملک کے گوشے گوشے میں (مولانا عثمانی) کی عظمت و برتری کا سکہ بٹھا دیا"۔ (دہلی برہان دہلی جنوری ۱۹۵۰ء)

اور اس کی شہادت سید سلیمان ندوی نے بھی اپریل ۱۹۵۰ء کے معارف اعظم گڑھ میں دی ۔ "استاذ گرامی سے اس کی مناسبت کا ہی اثر تھا کہ شیخ الہند نے مالٹا کی اسارت میں قرآنِ عزیز کے ترجمہ کی تکمیل کر کے مختصر حواشی کا سلسلہ شروع کیا جو بعد میں آپ کی علالت اور پھر وفات کے سبب نامکمل رہ گیا تو اس کی تکمیل کی سعادت مولانا کے حصہ میں آئی ۔ ان تفسیری حواشی پر اُس وقت کے ہندوستان کے سبھی جلیل المرتبت علماء نے گراں قدر آرا لکھیں ۔

مشہور عالم و مؤرخ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کی رائے کے چند جملے !

"مولانا عثمانی علماء دیو بند میں اپنی قرآن دانی اور تدبر فی القرآن کے متعلق جو

خصوصیت رکھتے ہیں، اس نے مولانا کو میرا محبوب اور اس کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے"۔

یہ ترجمہ اور تفسیری حواشی شاہ افغانستان کے حکم سے فارسی میں ترجمہ ہو کر فارسی علاقوں میں مقبولِ عام ہوئے ...... اسی کو آج کل جماعتِ اسلامی وسیع پیمانے پر چھاپ کر افغان علاقوں میں پھیلا رہی ہے ...... فارسی نسخہ کی اشاعت پر کابل کی عظیم دینی درسگاہ "فخر المدارس" کے جلیل القدر اساتذہ نے اسے آنکھوں پر رکھا اور اجتماعی انداز سے عظیم الشان تقریظ لکھی ۔

حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ نے بیان کیا کہ مولانا عثمانیؒ نے فرمایا کہ میں نے قدیم و جدید تفاسیر کو دقتِ نظر سے پڑھ کر ان کا مغز نچوڑ کر چند چند سطروں میں پیش کیا، جس پر میرے کئی سال صرف ہوئے ...... قدیم و جدید علوم و فنون کے حوالہ سے آپ اس تفسیری ذخیرہ کو دیکھیں تو عثمانی صاحب کا قلم ہر جگہ آپ کی خوب رہنمائی کرتا نظر آئے گا ۔

قرآنِ عزیز کے بعد اُمت مسلمہ کے لئے حدیث دوسرا عظیم سرمایہ ہے ۔ مولانا المحترم نے تفسیری خدمت کے بعد حدیث کی اہم ترین کتاب "مسلم" کی عظیم الشان شرح لکھی، جس کے متعلق بعض آراء سامنے آ چکی ہیں ۔ انہوں خود شیخ الہند جیسے اُستاذ کامل سے حدیث پڑھی اور امتیازی طور پر امتحان میں کامیابی حاصل کی ...... علامہ کوثری کی رائے کا ایک جملہ مزید ضرور پڑھیں ۔ انہوں نے اسی کتاب کی تقریظ کے ساتھ لکھا کہ :

"مولانا حق یہ ہے کہ آپ اس دور میں "فخر حنفیہ" ہیں"۔

اور مولانا عبد الماجد دریابادی نے لکھا ہے :

"احناف پر مسلم کے سلسلہ میں قرض تھا مولانا نے مبسوط اور مستند شرح لکھ کر اس فرض کفایہ کو ادا کیا"۔ (صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا نے اس حدیثی شرح کے مقدمہ میں علم حدیث کے تعارف پر جو مبسوط

جہادِ کشمیر کے سلسلہ میں جس طرح ادھورے حوالے اور نا تمام ابحاث کے ذریعے اضطراب پیدا کیا، اس کا مؤثر دفاع مولانا جیسا حکیم فقیہ اور مبصر ونقاد ہی کر سکتا تھا۔ ساتھ ہی اُس دور کے نہایت ہی نازک مسائل مثلاً مسئلۂ قومیت وغیرہ پر بھی نہایت عالمانہ اور فقیہانہ انداز میں مولانا نے گفتگو کی۔

حضرت مولانا عثمانی کی فقہی بصیرت کا شاہکار ان کی وہ تقریریں ہیں جو انہوں نے سعودی حکومت کے قیام کے بعد مؤتمر مکہ میں سلطان ابن سعود کی موجودگی میں ارشاد فرمائیں۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ سعودی خاندان، شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے تعاون اور ان کی فکر کی بنیاد پر برسرِ اقتدار آیا تھا۔ شیخ نجدی حنبلی فقہ کے علمبردار اور امام اہلِ سنت حضرت احمد بن حنبل کے مقلد تھے۔ مخلص انسان تھے لیکن طبیعت میں جذباتیت تھی۔ اسی کے پیشِ نظر حرمین شریفین میں ماثر قدیمہ کو گرا دیا گیا ...... اور قبور پر قبے وغیرہ منہدم کر دیئے گئے۔ شیخ کے پیروکار اتنے متشدد تھے کہ الاماں، جذبہ بظاہر ان کا اچھا تھا، لیکن حکمت و بصیرت کی بڑی کمی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ وہ درود شریف میں لفظ "سیدنا" کے حق میں نہ تھے کہ ان کے بقول یہ لفظ احادیث سے ثابت نہیں لیکن دیوبندی علمی تحریک کے ایک عظیم اسکالر الشیخ خلیل احمد سہارنپوری نے وہ حدیث پیش کی جس میں رحمتِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے متعلق فرمایا:

کہ میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار (سیّد) ہوں گا لیکن اس پر مجھے فخر نہیں (کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے)

بہر طور سلطان ابن سعود نے مولانا کی بات کا وزن محسوس کیا اور نجدی علماء نے بھی اس کے بعد ضد نہ کی ...... بہرحال قبوں کے انہدام پر خوب ہنگامہ ہوا۔ یہاں

تحریر لکھی، وہ حقیقت میں بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہے۔ باقی ایک ایک حدیث پر نہایت معتدل کلام اور جامع بحث انہی کا حصہ ہے ...... مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ان کی حدیثی خدمت پر ۲۷ اشعار پر مشتمل عربی قصیدہ لکھا۔ پہلے شعر کا ترجمہ ہے:

"اے نجمِ ہدایت! آپ کو ہر مسلمان مبارکباد دیتا ہے اس چیز پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح مسلم کی توفیق بخشی"۔

حدیث کے بعد علم فقہ مسلم دنیا کا عظیم سرمایہ ہے، جس نے پوری مسلم تاریخ میں قدم قدم پر انسانیت کی راہنمائی کی۔ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان میں ان صحابہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی، جنہیں تفقہ میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے ...... اور قرآن وسنت کے احکامی حصہ کی گہرائیوں کو تفقہ کے بغیر پہچاننا مشکل ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی صدی کے عظیم المرتبت تابعی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام مسلّم وثابت ہے۔

گو کہ حضرت مولانا کی اس فن میں کوئی باقاعدہ تالیف نہیں لیکن تفسیری حواشی، شرحِ احادیث اور اپنے بعض مقالات ومکتوبات میں اس حوالہ سے ان کی عظمت کا جگہ جگہ ثبوت سامنے آتا ہے۔ اکابر دیوبند میں اور جدید دنیا کے اہلِ علم میں آلہ مکبّر الصوت کے سلسلہ میں رہنمائی کا فرض موصوف نے انجام دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم مغفور کے نام ان کا ایک نہایت وقیع خط موجود ہے، جو "تجلیاتِ عثمانی" کے فاضل مؤلف نے من وعن نقل کیا۔ اس مکتوبِ گرامی میں مرحوم کے فقہی استنباطات اور اجتہادی شان نمایاں ہے اور بہت ہی قابلِ قدر بحث نظر آتی ہے۔ کفار کے ساتھ موالات اور جہادِ کشمیر کے حوالے سے ان کی مکاتیب، خطوط اور تحریرات ان کی بصیرانہ اور فقیہانہ شان کے غماز ہیں۔ اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے

اپنا عمامہ اُن کے سر پر رکھ دیا۔ مولانا عثمانی کی کتاب ''الروح القرآن'' پر مولانا سندھی کی رائے گزر چکی ہے ...... علامہ سیّد سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں :

''مولانا عثمانی کو مولانا نانوتوی کے علوم و معارف پر احتوا ہے، وہ مولانا کے علوم و معارف اس طرح اپنی زبان سے بیان کرتے کہ وہ دل نشین ہو جاتے''۔

(معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

بقول مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد قاسم اپنے مرشد و مربی حضرت حاجی امداد اللہ کی زبان تھے ...... تو مولانا عثمانی مولانا محمد قاسم کی، حتیٰ کہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے انہیں اپنے دور کے متکلم اعظم امام ابوالحسن اشعری کی زبان قرار دیا۔

مولانا عثمانی نے دورِ حاضر کے دانشوروں کی علمی بے بضاعتی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا :

''کوئی صاحب چند جرمنی اور فرانسیسی مصنفین کے اقوال یاد کر لینے سے اپنے آپ کو ماہر علوم جدیدہ تصور کرتے ہوں، تو بحمد اللہ ہم بھی اس سے عاجز نہیں''۔

اور اس کا واقعی اندازہ ان کے تفسیری حواشی، حدیثی نوٹس اور دوسرے مقالات سے ہوتا ہے، جہاں انہوں نے دنیائے جدید کے لچر، بے ہودہ اور محض پوست ہی پوست افکار کو جابجا نقل کر کے ان پر نہایت عالمانہ تنقید کی اور ان کی غلطیاں اُلم نشرح کر کے واضح کیا کہ ملائے مکتبی کا علم و دانش دانشورانِ فرنگ سے زیادہ گہرائی و گیرائی رکھتا ہے اور الحاد زدہ دانشور ملا کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ موقع و فرصت ہوتی تو ہم اس کے حوالے ضرور دیتے۔ اس سلسلے میں وجود باری تعالیٰ مسئلہ نبوت، معراج جسمانی، وزن اعمال، تقدیر، نزول مسیح جیسے مسائل پر مولانا کے نوٹس ضرور دیکھ لئے جائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے دعویٰ کی تائید ہو جائے گی۔

منطق (لاجک) اور فلسفہ معقولات کی دو نہایت اہم شاخیں ہیں۔ ان کا زیادہ تر

تعلق چونکہ عقل سے ہے، اس لئے وحی الٰہی کی سرپرستی و تائید کے بغیر بالعموم لوگ یہاں بہک جاتے ہیں۔ مناطقہ اور فلاسفہ کی تاریخ اس لحاظ سے بڑی المناک ہے۔ ان حضرات نے جس طرح ٹھوکریں کھائیں اور اپنے ساتھ کئی دوسروں کو بھی لے ڈوبے وہ کوئی ڈھکی چھپی داستان نہیں، لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ حسنِ توفیق سے نوازے وہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل سے کام لے کر ٹھوس اور مثبت خدمت سرانجام دے سکتا ہے۔ مسلم تاریخ میں رازی، غزالی، ابن رُشد جیسے حضرات نے بہت ہی وقیع خدمات سرانجام دیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بلاشبہ اس حوالہ سے بڑی عظمت کے حامل تھے۔ مولانا کے بعض دوستوں نے زمانہ طالبعلمی میں ہی ان فنون سے مولانا کی دلچسپی کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ مولانا کے استاذ گرامی مولانا محمود حسنؒ کے قائم کردہ ادارہ ''جمعیۃ الانصار'' کے سٹیج پر مولانا نے جو علمی مقالات پڑھے اور تقریریں کیں، انکی علمی دنیا میں دھوم مچ گئی۔ جمعیۃ الانصار کے نائب ناظم مولانا سراج احمد نے اجلاس میرٹھ (۱۹۱۲ء) میں مولانا کی تقریر کے فلسفیانہ رنگ لیکن عام فہم زبان کا بڑے مزے سے ذکر کیا ہے۔ اجلاس مراد آباد میں ''وجودِ باری تعالیٰ'' اور ''خلق افعال'' جیسے نازک اور پیچیدہ اور مشکل سوالات پر مولانا کی تقاریر کا اعتراف مولانا کے ہم عصر اور نہایت عبقری عالم مولانا عبیداللہ سندھی نے اس طرح کیا :

''بعد از عصر مولانا شبیر احمد عثمانی کا وعظ ہوا، جو ''وجود واجب الوجود'' اور ''خلق افعال'' وغیرہ کی ابحاث پر خالص فلسفیانہ رنگ میں ہوا۔ چونکہ اس اجلاس کو خاص اہلِ علم کے لئے مخصوص کیا گیا تھا، اس لئے انہوں نے بڑی توجہ اور انہماک سے سنا''۔

(روئیداد مؤتمر ص ۱۳۲)

''الروح القرآن'' ''معجزاتِ نبویؐ'' اور ایسے ہی مسائل پر مولانا کے قرآن عزیز میں طویل اور مفصل نوٹس اور دوسرے مقامات پر ان کی نگارشات نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ منقولات کی طرح معقولات میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ''وجود الشمس'' ایک بہت ہی

پیچیدہ مسئلہ ہے، جسے ہمارے مناطقہ اور فلسفہ نے اور بھی گھمبیر بنا دیا ہے، لیکن مولانا کے باغ و بہار قلم نے اس گتھی کو جیسے سلجھایا اس کے لئے مولانا کی علمی سوانح ''تجلیات عثمانی'' کے متعلقہ حصص کا مطالعہ بڑا مفید ہوگا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی چٹائیوں پر بیٹھنے والے اور پورا تعلیمی مرحلہ وہاں پورا کرنے والے شخص کی جدید ماہرین کی تعلیمات، مصنفات اور نگارشات پر کتنی گہری نظر ہے۔ اور ایک مولانا عثمانی پر ہی بس نہیں کم از کم دیوبند کی علمی تحریک کے ان گنت افراد ایسے گنوائے جاسکتے ہیں، جنہوں نے ان علوم کے ماہرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ بالخصوص مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا عبدالسمیع رامپوری، مولانا رسول خان ہزاروی جیسے حضرات تو فی الواقع ائمہ عصر حاضر تھے۔ اسی کے ساتھ ایک اور شعبہ مناظراتی ادب کا ہے جس میں سچ یہ ہے نقل سے زیادہ عقل کا کاروبار چلتا ہے۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ برعظیم پاک و ہند میں اس فن کے امام حضرت سراج الہند، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تھے۔ ان کے بعد اس فن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان اکبرآبادی، مولانا رسول خان چڑیا کوٹی کو بھی بڑا امتیازی مقام حاصل ہے۔ مولانا عثمانی نے اس فن میں اپنے اسلاف کی یادیں تازہ کردیں۔ آریہ سماج ہوں یا قادیانی، جدید شبہات کے مارے ہوئے نوجوان ہوں یا اہل بدع وھوا، مولانا نے قرآن حکیم کے بلیغانہ اصول اور مناظراتی زبان میں زبان وقلم سے بڑی وقیع خدمت سرانجام دی۔ مولانا کے مقالات اعجاز القرآن، صدائے ایمان اور الشہاب اس رنگ کے امتیازی مقالات ہیں۔

تصنیفی، تالیفی اور ترجمہ وتشریح کی عظیم الشان خدمات کے علاوہ ایک بہت ہی اہم خدمت ''تبلیغ اسلام'' ہے۔ جس کا تعلق زبان سے ہے، اللہ تعالیٰ کے جملہ نبی اسی موثر ترین ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو خالق کائنات کا پیغام پہنچاتے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس خدمت کو اُمت کے سپرد کردیا کہ آپ

آخری نبی تھے۔ تبلیغ اسلام قرآن کے حوالے سے ایسے ہی فرض ہے جیسے نماز روزہ، قرآن کریم نے تبلیغ کے حوالہ سے ''حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال احسن'' کی تلقین کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنے کی تلقین کی۔ ایک کامیاب مبلغ وہی ہوتا ہے جو ہر سطح کے عوام کو متاثر کر سکے اور انہیں پیغام حق پہنچا سکے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کو قدرت نے یہ ملکہ خوب عطا فرمایا تھا۔ فلاسفہ، متکلمین، علماء، اہل سیاست اور عوام سبھی تک آپ پہنچے اور اس فرض کی ادائیگی کا حق ادا کیا۔

۱۹۳۸ء کی بمبئی مسلم لیگ کے اجلاس میں ارباب لیگ کے پاس جو وفد احقاق حق کی غرض سے گیا۔ اس کے امیر حضرت مولانا ہی تھے۔ جس نے جدت کے مارے ہوؤں کو راہ راست کی تبلیغ کی۔ مولانا مرحوم جس پایہ کے مبلغ، مقرر اور خطیب تھے، اس کا اندازہ بعض آراء سے ہوسکتا ہے۔ ملک نصر اللہ خان عزیز جیسے سکّہ بند جماعت اسلامی کے صحافی نے ۱۹۲۰ء کی جمعیۃ علماء ہند کانفرنس لاہور میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے عبقری اور جینیئس کی صدارت میں مولانا کی معرکۃ الآراء تقریر کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا''۔

(تسنیم ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا ظفر علی خان مرحوم جیسے زبان وقلم کے دھنی نے مولانا کی واعظانہ، مقررانہ اور خطیبانہ جادوگری کا دل کھول کر اعتراف کیا (زمیندار ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۸ء) جبکہ امروز لاہور (۱۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء) قندیل لاہور (۲۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء) روزنامہ آزاد لاہور (مجلس احرا سلام کا اخبار، ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء) سبھی نے مولانا کی اس خوبی کا اعتراف کیا۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ہندوستان میں خطابت کے ''ائمہ اربعہ'' کے نام سے یاد کیا لیکن آپ حیران ہوں گے کہ سید سلیمان ندوی جیسے حضرات مولانا کی اس معاملے میں مسلمہ مہارت کے دل وجان سے معترف تھے۔ (معارف اعظم گڑھ اپریل ۱۹۵۰ء)

مولانا کی خطیبانہ عظمت کے جوہر اُس وقت کھلے جب وہ پاکستان پارلیمنٹ کے ممبر کے طور پر سامنے آئے۔ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ میں بڑے گھاگ قسم کے لوگ تھے،لیکن مولانا کی خطیبانہ عظمت کو بہت سوں نے دل وجان سے تسلیم کیا اور خاص طور پر لیاقت علی خان مرحوم تو آپ کے بہت ہی قدر دان تھے۔قرار دادِ مقاصد جو مرحوم لیاقت علی خان نے پیش کی ،اس کی تائید میں مولانا کی تقریر جسے بجا طور پر ''روشنی کا مینار'' کہا جاسکتا ہے، خطابت کی دنیا میں ایک شاہکار ہے۔معلوم ہوتا ہے کا خطیب اعظم ''سحبان'' یا یورپ کا ''چرچل''،علم وثقافت کے موتی لٹارہا ہے۔

مولانا المرحوم جیسا کہ بار بار سامنے آیا محض ملائے مکتبی تھے۔دیو بند کی چٹائیوں کے علاوہ کہیں انہوں نے ایک لفظ نہیں پڑھا،لیکن آپ کے لئے بات وجہ حیرت ہوگی کہ وہ جہاں عربی فارسی کے مسلّمہ ادیب اور فنکار تھے، وہاں اردو ادب میں بھی ان کا مقام نمایاں تھا۔اس سلسلہ میں مولانا محمد علی جوہر اور سید سلیمان ندوی جیسے حضرات نے ان کی عظمت کا لوہا مانا،جبکہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے،عبد الماجد دریا بادی جیسے حضرات تو آپ کو اپنا استاذ ماننے پر مجبور ہیں۔الغرض مولانا کو جس پہلو سے دیکھیں وہ عبقری اور جینیس نظر آتے ہیں،کوئی علم ہو اور کوئی فن،اس میں وہ امامت وقیادت کے درجے پر فائز ہیں۔

محمد اکبر شاہ بخاری

شیخ الاسلامؒ کے اوصاف وکمالات

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ :

''شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ان کے علمی وتحقیقی کارنامے اور ان کی علمی جدوجہد پوری اُمتِ مسلمہ کے لئے بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کے لئے بالخصوص ہماری تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہے،اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی قدس سرہٗ کو بیک وقت وسیع وعمیق علم،شگفتہ اور سیال قلم،دلنشین خطابت اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل میں معتدل اور مدبرانہ فکر سے نوازا تھا اور ان کے یہ تمام ملکاتِ دین کی صحیح خدمت اور اُمتِ مسلمہ کی فلاح وبہبود کے لئے اس طرح استعمال ہوئے کہ آج ہم سب کی گردنیں ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہیں۔حضرت علامہ عثمانیؒ اپنے اوصاف وکمالات میں سلفِ صالحین کا نمونہ تھے،اتباعِ سنت کا پیکر اور مجسمۂ اخلاق تھے''۔(حیاتِ عثمانی)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :

''شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے،غیر معمولی ذہانت وذکاوت کے حامل تھے۔علم مختصر تھا اور بڑا منقح علم تھا،علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا،منطق وفلسفہ اور علم الکلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔حکمت قاسمیہ کے بہترین شارح تھے دار العلوم کے اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا،جامعہ

اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ التفسیر بھی رہے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم کی حیثیت سے عظیم الشان خدمات بھی انجام دیں۔ دارالعلوم کے ۱۸ سالہ قیام میں ہزاروں طلباء نے آپ سے درس حدیث لیا جن میں علم وعمل کے آفتاب وماہتاب بھی شامل ہیں"۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مولانا سید محبوب رضوی "تاریخ دیوبند" میں لکھتے ہیں کہ :

"علم وفضل، فہم وفراست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانی" شمار ہندو پاک کے چند مخصوص اکابر علماء میں ہوتا تھا، وہ زبان وقلم دونوں کے یکساں شہسوار تھے اردو عربی کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل، پر اثر تشبیہات وانداز بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر و تقریر دونوں منفرد تھیں۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے، اس لئے ان کی تحریر وتقریر عوام وخواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسوں میں ان کی فصیح وبلیغ عالمانہ تقریروں کی یاد آج بھی اہل ذوق کے دلوں میں موجود ہے۔ آپ قاسمی علوم کے امین اور ترجمان تھے۔ تحریر وتقریر میں لاثانی تھے، بڑے ذہین وذکی، مدبر ومبصر، مفسر ومحدث، مفکر ومحقق اور دیدہ ور عالم تھے۔ بہت بڑے خطیب وادیب تھے۔ متحدہ ہندوستان کے تمام علماء آپ کی علمیت کا لوہا مانتے تھے۔ تحریک خلافت جمعیت علماء، موتمر الانصار، ہندو مسلم اتحاد کے پلیٹ فارموں اور عام مواعظ کے جلسوں میں آپ کی جادو بیاں دھواں دھار فصیح وبلیغ اور موثر تقریروں نے تہلکہ مچایا ہوا تھا۔ موتمر مکہ میں جمعیت العلماء کی طرف سے نمائندہ بن کر تشریف لے گئے اور عربی زبان میں زبردست تقریریں کیں اور شاہ سعود اور دوسرے علماء ممالک سے علمی وفقہی مکالمے اور مباحثے کئے۔ علمی وتبلیغی جلسوں اور مجلسوں میں اسلام کی حقانیت کو واضح کیا اور لاکھوں انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان اور مسلمان بنایا، تحریری میدان میں شرح مسلم، شرح بخاری، تفسیر عثمانی

اور اعجاز القرآن زندہ جاوید کارنامے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے"۔

(تاریخ دیوبند نمبر ۲۰۷)

تقویٰ وطہارت :

شیخ الاسلام ان جلیل القدر علماء وفضلاء میں سے ایک تھے، جو کبھی آسمان علم وفضل پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکتے اور اپنی شعاعوں ضیاء پاشیوں سے اذہان کی ایک دنیا کو روشن ومنور کر کے رکھ دیتے ہیں، جن کے بحر علم سے بے شمار تشنگان علم کو اپنی پیاس بجھانے اور ٹھنڈک وسکون حاصل کرنے کا موقع ملتا اور جن کے گوہر ہائے علم سے انسانیت کے علمی خزانوں میں گرانقدر اضافہ ہوتا ہے، جن کی عظیم الشان علمی خدمات وعظمت کے ایسے نقوش اور نشان قائم ہو جاتے ہیں جو کبھی مٹائے مٹ نہیں سکتے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی" کی شخصیت اپنے ظاہری وباطنی اوصاف وکمالات اور اپنے معنوی وصوری محاسن وفضائل کے لحاظ سے واقعی اور صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی، جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم اور خال خال ہی ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کے تحت علامہ کی ذات گرامی کے اندر بہت سے وہ فضائل ومحاسن یکجا فرما دیئے تھے، جو شاذ ونادر کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں، علامہ عثمانی" اپنے حسن وجمال، خشیت وعبدیت، اطاعت ومحبت، تقویٰ وطہارت، خلوص وللہیت، اخلاق وعادات، عبادات وسیاسیات، شرافت ومتانت، ذہانت وفراست، حق وصداقت اور انداز خطابت میں اپنی نظیر آپ تھے۔

علامہ عثمانی" اپنے علم وفضل میں اتنا اونچا مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ فنائیت اور خوف الٰہی اور تقویٰ وطہارت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ ایک مفسر قرآن تھے، ایک بہترین محقق وفقیہ تھے اور ایک مفسر وفقیہ کے لئے کسی آیت کی تفسیر کرنے یا فتویٰ کے صادر کرنے سے پہلے محتاط قدم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ احتیاط تقویٰ کے بغیر ناممکن ہے،

علامہ عثمانیؒ اس قسم کے تقویٰ سے یقیناً متصف ہیں۔ وہ آیاتِ رحمت پر اُمید سے پُر اور آیاتِ عذاب پر خوف سے لبریز معلوم ہوتے ہیں، جن سے علامہ کے ذاتی اور قلبی کیریکٹر کا پتہ چلتا ہے، وہ نماز بھی بڑے خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے۔ بہت زیادہ رقیق القلب اور نرم دل تھے، اللہ کی عظمت اور پیغمبر ﷺ کی محبت حد سے زیادہ دل میں جاں گزیں تھی۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی فرماتے ہیں کہ :

''علامہ عثمانیؒ اپنے مشاغل اور مصروفیات کے باوجود عبادتِ الٰہی میں بھی بڑے ذوق وشوق سے مشغول رہتے تھے۔ نماز انتہائی خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے، چہرے پر خوفِ الٰہی طاری رہتا اور قلب نہایت نازک اور رقیق القلب پایا تھا، نماز باجماعت کا انتہائی التزام تھا، رمضان المبارک میں تو سراپا عبادت بن جاتے تھے۔ خشیۃ اللہ وشرم وحیاء کا پیکر تھے نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے''۔ (برہان جنوری ۱۹۵۰ء)

طلب عفو واستغفار :

سورۂ مزمل میں و استغفر الله إن الله غفور الرحيم کی تفسیر کرتے ہوئے چونکہ استغفار کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے استغفار کی طرف بے ساختہ اپنی کوتاہیوں کی معافی کی طرف جھک پڑے ہیں، جو ایمان وتقویٰ کی نشانی ہے، علامہ مرحوم لکھتے ہیں کہ :

''تمام احکام بجالا کر پھر اللہ سے معافی مانگو کیونکہ کتنا ہی محتاط شخص ہو اس سے بھی کچھ نہ کچھ تقصیر ہو جاتی ہے، کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا کر دیا بلکہ جتنا بڑا بندہ ہو اسی قدر اپنے کو تقصیر وار سمجھنا چاہئے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنی چاہئے۔ اے غفور ورحیم تو اپنے فضل سے میری خطاؤں اور کوتاہیوں کو بھی معاف فرما''۔ (تفسیر عثمانی نمبر ۷۴۶)

غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے مقامات غضب الٰہی، طلب رحمت، نجات

عذاب کے مواقع پر علامہ عثمانیؒ کے قلبی تقویٰ کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے، جس کے بعد پورا اطمینان ہونا ہے کہ ایک مفسر کے اندر جو شان تقویٰ ہونی چاہئے، جس سے وہ غلط تفسیر یا ہوائے قلبی کی طرف مائل نہ ہو جائے، علامہ عثمانیؒ کے اندر ایسا تقویٰ موجود ہے جس کے باعث ہمیں ان کی ذات سے عقیدت اور ان پر اعتماد ہو جاتا ہے۔ علامہ جب تفسیر لکھنے میں مصروف تھے تو روزانہ لکھتے لکھتے جب اس دن کا کام ختم فرماتے تھے تو یہ التزام تھا کہ تفسیر کے ہر دن کے حصہ کو کسی آیت رحمت اور فضل وکرم پر ختم فرماتے تھے۔ ایک روز جبکہ سورۂ یٰسین کی تفسیر میں مصروف تھے تو بھولے سے اختتام کسی غیر آیتِ رحمت پر ہوا، اتفاقاً اس روز دوپہر کے وقت علامہ کو بخار آ گیا جس نے شدت اختیار کر لی، اچانک جب یاد آیا تو اسی حالت میں اُٹھ بیٹھے اور بالآخر کسی آیت رحمت پر مقدار تحریر کو ختم کر کے چھوڑا۔ مذکورہ مضمون کی روشنی میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ علامہ مفسر اپنے اندر ایک ایسا خشیہ اور خوف خدا رکھتے ہیں جو ان کو تفسیر قرآن میں کسی منزل پر حق کی راہ سے نہیں ہٹا سکتا اور ان کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ وہ نفس امارہ کے تابع ہو کر کسی آیت کی ایسی تفسیر کریں جو علماءِ حق کے شایانِ شان نہ ہو، لہٰذا سب سے پہلی خصوصیت ان کی تفسیر کی یہ ہے کہ وہ خشیہ الٰہی اور نورِ تقویٰ کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ علامہ عثمانیؒ نے خدا کے خوف کے پیدا ہونے کی حقیقت کا پتہ اعدلو هو أقرب للتقوى ان الله خبير بما تعملون کی تفسیر میں خود بتایا ہے۔ (تجلیات عثمانی نمبر ۱۰۸)

حق گوئی و بیباکی :

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ علماءِ حق کی فہرست میں ایک بلند مقام پر فائز تھے، آپ کی حق گو زبان شاہِ حجاز ابن سعود اور نظام دکن جیسے مقتدر اور جلیل المرتبت سلاطین کے درباروں میں حق گوئی سے باز نہ رہ سکی، وہ سیاستدان، لیڈروں، علماءِ کرام، وزراء اور امراء،

کی مجالس میں کبھی بھی حق کہنے سے خاموش نہیں رہے، جہاں علماء کی مصلحتیں بعض اُمور میں سہل انگاری اور ظاہری دور اندیشی پر مائل ہو جاتی تھیں، وہاں بھی علامہ عثمانیؒ حق فرمانے سے نہ رُکتے تھے اور نہ جھکتے تھے۔ علامہ عثمانیؒ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے تو اس زمانہ میں دیوبند کے اسٹیشن سے دارالعلوم تک باہر باہر سڑک کی تجویز زیر غور تھی اور اس سلسلہ میں کوشش جاری تھیں چنانچہ حافظ محمد ابراہیم صاحب نگینوی وزیر اوصاف و انہار و رسل و رسائل حکومت متحدہ آگرہ ۳۱ رمئی ۱۹۳۸ء کو ۸ بجے صبح دیوبند تشریف لائے، دارالعلوم کی طرف سے شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ مجلس شوریٰ کے معزز اراکین بھی اس موقع پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ مجلس شوریٰ کے رکن تھے، ان کی زیر صدارت دارالعلوم کے وسیع ہال میں جلسہ ہوا۔ جس میں حافظ صاحب کی شان میں تقاریر کے علاوہ مدحیہ قصیدے بھی پڑھے گئے، غالباً کسی طالب علم نے اپنے قصیدے میں وزیر صاحب کو ابراہیم ثانی تک کہہ دیا گو صدر مہتمم کی حیثیت سے علامہ عثمانی کی ذمہ داریاں یقیناً اہم تھیں، لیکن جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو ابراہیم ثانی کے لفظ پر علامہ کے جذبۂ ایمانی و حق گوئی میں ہیجان پیدا ہو گیا اور قصیدہ گو کو مخاطب کر کے فرمایا :

" مولوی صاحب ایک حافظ ابراہیم نہیں ان جیسے ہزاروں ابراہیم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاک پا کے برابر نہیں ہو سکتے، تجدید ایمان کرنا چاہئے اور توبہ کرنی چاہئے"۔

علامہ عثمانیؒ کی تقریر کے بعد وزیر موصوف نے جو ایک دانشمند اور فہمیدہ انسان ہیں اپنی تقریر میں علامہ کی تائید فرمائی اور قصیدہ گو کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی۔

اس واقعہ سے علامہ کی حق گوئی پر اہل بصیرت کے لئے کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ واضح ہے کہ علامہ عثمانیؒ علماءِ حق کی جماعت میں بہت بلند مقام رکھتے تھے اور نہ صرف حق

گوئی کی بناء پر بلکہ ان کے اسلامی افکار و نظریات پر بھی کبھی باطل کا رنگ نہیں آنے پایا جو علماءِ حق کا طرۂ امتیاز ہے، وہ ہر تحریک میں شریعت کے احکام کو اپنا بنیادی اُصول بنا کر آگے قدم رکھتے تھے اور اس کے حق و باطل ہونے کو ہر حیثیت سے پرکھتے تھے۔ ترکِ موالات، تحریکِ خلافت و کانگریس، ہندو مسلم اتحاد غرضیکہ ہر شعبہ سیاست میں ان کا ایک خاص مسلک اور امتیازی رنگ تھا جس میں وہ اسلامی امتیازات کو کبھی پست اور مغلوب ہوتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ فرماتے ہیں کہ :

" شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر تھے اور ہر معاملہ میں اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے، علامہ کی ایک مخصوص عادت اور ایک الگ روش تھی، وہ کسی حق بات کو کہنے میں جھجک محسوس نہیں فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کراچی میں علامہ عثمانیؒ کے قیام کے لئے ایک بنگلہ کا الاٹمنٹ ہوا، اس لئے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ الگ اپنے مکان میں رہیں۔ ایک مکان الاٹ ہو گیا، اتفاق سے اس مکان کے الاٹمنٹ میں کوئی قانونی دشواری تھی، اس لئے وہ الاٹمنٹ کینسل ہو گیا۔ مولانا عثمانیؒ کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ کے بنگلہ کا الاٹمنٹ منسوخ ہو گیا۔ جہاں یہ نیو ٹاؤن کی مسجد بنی ہوئی ہے، یہ میدان تھا، وہاں ایک جلسہ ہوا اور مولانا عثمانیؒ ماشاء اللہ جب بولنے پر آتے تھے تو خوب بولتے تھے۔ مولانا نے فرمایا جب بنگلوں کا الاٹمنٹ کینسل ہو سکتا ہے تو وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں، اگلے روز اخبارات میں پہلے صفحہ پر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ یہ بات شائع ہوئی کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے کہ وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں، صبح کو میں کسی کام سے لیاقت علی خان کے پاس گیا، اخبارات سامنے میز پر پڑے تھے کہنے لگے آپ نے یہ خبر دیکھی ہوگی، میں نے کہا دیکھی کیا میں تو خود جلسے میں

موجود تھا، اس پر لیاقت علی خان کہنے لگے کہ اگر مولانا ہمیں اس سے بھی سخت باتیں کہیں تو ہم برا ماننے والے نہیں، اس کی وجہ بھی انہوں نے بتائی کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے کہ کہیں کل کو پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو پھر بچانے والے بھی مولانا ہی ہوں گے۔ آپ نے کیا سمجھا؟ پھر انہوں نے کہا مولانا اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین [illegible] ہوجائے، مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا چاہتے، مولانا اُصول چاہتے ہیں۔" آپ کو علامہ عثمانی" کا یہ تاریخی جملہ بھی یاد ہوگا کہ مولوی حاکم بننا نہیں چاہتے بلکہ حاکموں کو تھوڑا سا مولوی بنانا چاہتے ہیں"۔

"شہید ملت لیاقت علی خان وزیراعظم مرحوم سے قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے سے پہلے بعض ذیلی کمیٹیوں میں جب دستور اسلامی کے سلسلہ میں لیت و لعل اور ہیر پھیر سے کام لیا جارہا تھا تو اس وقت آپ ہی کی حق گو زبان نے صاف الفاظ میں یہ کہا تھا کہ اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس پشت ڈالا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور۔ نہ صرف یہ بلکہ میں قوم بتادوں گا کہ اہل اقتدار دستور اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتے۔ اس حق گوئی اور صاف بیانی ہی کا آخر نتیجہ تھا کہ بارہ مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد پاس ہوئی جس کی تیاری کیلئے شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء نے دن رات ایک کردیئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قراردادِ مقاصد کی مخالفت صرف اقلیتی فرقوں اور سوشلسٹوں نے کی تھی"۔ (الحق نمبر ۲۰۶)

صبر استقلال :

شیخ الاسلام علامہ عثمانی حق و صداقت اور صبر و استقلال کا پیکر تھے تحریک پاکستان کے سلسلے میں علامہ نے جفاکشی، محنت، ہمت، جرات صبر و تحمل اور استقلال کا جو مظاہرہ کیا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے اس عمل میں خلوص کا بے پناہ جذبہ کار فرما تھا حالانکہ آپ

کو غائبانہ خطوط میں قتل کی دھمکی بھی دی گئی مگر پاکستان کی حمایت میں انہوں نے جو کام کیا وہ ان کے صبر و تحمل و استقلال کا ایک ناقابل انکار کارنامہ ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی" فرماتے ہیں کہ :

"شیخ الاسلام علامہ عثمانی" کا حوصلہ وسعت، بلندی اور صبر و استقلال مثالی تھا۔ ان کی زبان سے کبھی مخالف سے مخالف شخص کے بارے میں بھی کوئی نازیبا کلمات نہیں سنے گئے اور ان کی تحریر و تقریر حتی کہ نجی مجالس میں بھی کوئی اختلافی چیز نہیں سنی گئی، ان کی کتابوں میں کسی بھی طرح کوئی ایسا مواد نہیں ملتا تھا کہ جس سے کسی کو باہمی منافرت اختلاف کی کوئی بو بھی آسکتی ہو یہ ان کے وسعتِ حوصلہ کی ایک بات تھی جو میں نے سالہا سال ان کے پاس رہ کر دیکھی اور محسوس کی، حضرت علامہ عثمانی" کے حوصلوں اور وسعت و بلندی کی وجہ سے سید پیر جماعت علی شاہ حضرت شیخ الاسلام کے جلوس میں شرکت کرنے لگے اور مولانا ابوالحسنات قادری" بھی آنے لگے، مولانا داود غزنوی" اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی حضرات اہل حدیث بھی اور علمائے بریلی بھی سب کے سب حضرت شیخ الاسلام کی مجلس میں تشریف لائے اور جلسہ وجلوس میں شرکت فرماتے اور جمعیت العلماء اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریک پاکستان کی گاڑی کو منزل کی طرف سب دوش بدوش ہوکر لے جانے میں کامیاب ہوئے"۔ (روزنامہ نوائے وقت اشاعتِ خاص شیخ الاسلام)

مولانا پروفیسر انوار الحق شیرکوٹی مصنف" حیاتِ عثمانی، تجلیاتِ عثمانی، خطباتِ عثمانی اور مکتوباتِ عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ :

"استاذ محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب" کا بیان تحقیقی طور پر علامہ عثمانی" کے ابتدائی ایام سے وابستہ ہے جو ۱۳۳۳ھ اور ۱۳۳۹ھ کے درمیان گزر رہے ہیں۔ راقم الحروف (انوارالحسن) کو جناب مولانا قاری محمد طیب" کے بیان سے علامہ کے مختلف قسم کے اُمور زندگی کا سراغ مل گیا جو حسب ذیل ہیں :

☆ اوّل تو یہ کہ وہ ظاہر و باطن کے یکساں تھے، ان کی زندگی میں منافقت نہ تھی، صاف ستھری شخصیت کے مالک تھے، وہ سیاست غیر فاضلہ سے کوسوں دور رہتے تھے کہ سیاسی آنکھ مچولی بھی ہوتی رہے اور دوستانہ انداز میں ملتے بھی رہیں۔

☆ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ اپنی شخصیت کو مقام خودی میں رکھتے ہوئے اپنے آپ کو کسی مقام پر گرانے کیلئے قطعاً تیار نہ تھے۔

☆ تیسری بات یہ واضح ہوئی کہ وہ مدرسہ کے معاملات میں منتظمین مدرسہ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ جو ان کے بڑے بھائی تھے، اختلاف کر بیٹھتے تھے، ان کو ان کے روٹھ کر بیٹھ جانے پر مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے منوانے جاتا تھا۔ یہ منوانا بتاتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ کے اختلاف رائے میں قوت ہوتی تھی۔

☆ چوتھی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ان کا معاملہ ان کی ذاتی قابلیت اور شخصی علم وفضل کے باعث نازک سا تھا جب تک کسی طرف سے پوری خواہش اور طلب نہ ہوتی اپنے آپ کو ارزاں نہ بناتے اور اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ بہر حال علامہ عثمانی مرحوم ایک عظیم الشان مفسر تھے اور ایک مفسر کو تفسیر میں قدم رکھنے اور قرآن کریم جو سراپا اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اس کی اخلاقی قدروں کے جاننے کے لئے علم الاخلاق پر عبور کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ دیگر علوم تفسیر کی، علامہ جب اخلاق کا درس دینے والی آیات کی تفسیر پر قلم اٹھاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر اخلاقیات، اخلاقیات کی تہوں کو کھول کر حقیقت سے روشناس کرا رہا ہے، چنانچہ علامہ نے آیت (ان اللّٰہ یامرکم بالعدل والاحسان) کی تفسیر میں اخلاقیات پر جو مفسرانہ شان سے تفصیلی بحث فرمائی ہے وہ علامہ عثمانیؒ کے علم الاخلاق کی بصیرت پر روشن دلیل ہے''۔ (ماخوذ حیات عثمانی، تجلیات عثمانی)

علامہ عثمانیؒ کا سراپا:

مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی مرحوم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا سراپا

بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''مطبخ قاسمی میں جب میں شروع شروع میں ٹھہرا تو میرے جانے کے پہلے ہی روز شام غالباً ۶ رشوال ۱۳۳۹ھ کو میں نے پہلی مرتبہ علامہ عثمانی کو دیکھا۔ وجیہہ گندم گوں، چہرہ، خط بھرا ہوا، سیاہ متشرع ریش مبارک، دوہرا جسم بھرا ہوا، نہ زیادہ موٹا اور نہ پتلا، متوسط قد، رفتار دلبرانہ مگر عالمانہ، ہاتھ میں چھڑی، سر پر مخمویہ مڑی ہوئی ٹوپی، سر کے بال کترے ہوئے اور کبھی سر منڈا ہوا، سلائی وار ڈوریے کا نیچا کرتہ، مغلی پاجامہ، پاؤں میں کلکتہ کا سیاہ سلیپر اور سفر میں بعض اوقات دہلی کا بنا ہوا ایک پھول کا جوتا، کبھی اچکن یا شیروانی پہنے نہیں دیکھا۔ غذا مختصر مگر لطیف، چائے کے شوقین، وسیع القلب، طلبہ کے ہمدرد، نازک مزاج اور نازک طبع، عبادت میں خشوع وخضوع، وقار میں میانہ روی، نگاہیں نیچی کر کے چلتے، دوستوں اور احباب کے ساتھ تواضع، مہمان نواز، علماء کے قدر دان، شرم وحیا کا مجسمہ، اخلاص وللّٰہیت کی تصویر اور حق گو و بیباک عالم دین تھے، روزانہ شام کو سیر کا معمول تھا، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے اور دوپہر کو مطبخ میں ہی مولانا عماد الدین انصاری کے ہوادار کمرے میں سوتے تھے۔ علامہ کے احباب میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، مولانا عبدالسمیع صاحبؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا عماد الدین انصاریؒ شامل ہیں''۔ (تجلیات عثمانی نمبر ۱۹۵)

ترجمانِ قاسمیؒ:

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے جو نسبت ہے، وہ حلقۂ دیو بند میں شہرت اور تواتر کے درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ اس نسبت کی وضاحت اور تفصیل علامہ کے علم الکلام کے عنوان میں آپ پڑھ چکے ہیں، جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح مولانا محمد قاسم صاحبؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زبان تھے، اسی

طرح علامہ عثمانیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی زبان تھے، لسانِ قاسمی علامہ عثمانیؒ نے اپنے معرکۃ الآراء مقالہ "العقل والنقل" میں اس امر کا بصمیم قلب اقرار کیا ہے کہ میرے لئے اس سے زیادہ اور کوئی امر قابلِ فخر نہیں ہو سکتا کہ میں حضرت قاسم العلوم و خیر اللہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے دقیق اور مشکل مضامین کو نہایت سلیس اردو اور نہایت واضح عبارت میں اس طرح پیش کر دوں کہ حجۃ الاسلام کا جمال جہاں آراء اہل علم کے سامنے بے نقاب ہو جائے اس عبارت سے واضح ہے کہ علامہ عثمانیؒ کو معانی قاسمی کی تشریح سے کس درجہ شغف اور عشق تھا، اسی شغف کے باعث وہ لسانِ قاسمی کے نام کے مستحق ٹھہرے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ عثمانیؒ کو اسی نیابتِ قاسمی کے باعث ان کے تمام مضامین اور تصانیف کی شرح کرنے اور تفصیل کے ساتھ مستقل تصانیف کی صورت میں فلسفہ اسلام قاسمی کو لکھنے کی فرمائش کیا کرتے تھے اور اگر ان تشریحات کو یکجا جمع کیا جائے تو جو معانی قاسمی کی علامہ عثمانیؒ نے جابجا فتح الملہم، تفسیر عثمانی، العقل والنقل، اعجاز القرآن، اسلام اور دیگر تصانیف میں کی ہیں تو ایک بڑے درجے تک وہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے ہیں۔ زبانِ قاسمی ہونے کے سلسلہ میں علامہ عثمانیؒ کی ذکاوت و فراست علمی کا بھی نہایت عمدگی کے ساتھ اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم اس قدر غامض و دقیق ہوتے تھے کہ ہر شخص کی وہاں تک رسائی ہونا مشکل ہوتی تھی۔ یہ علامہ عثمانیؒ ہی کا کام تھا اور اس سلسلہ افہام و تفہیم کے لئے جو شستہ شگفتہ فصیح و بلیغ اور رسا زبان و دل اور دماغ و قلم وہ لے کر آئے تھے، اس خصوصی صفت کے باعث دار العلوم دیوبند میں مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی جانشین ہستی علامہ عثمانیؒ اور صرف علامہ عثمانی تھے۔

جانشینِ شیخ الہندؒ :

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دار العلوم دیوبند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کے صحیح جانشین اور ان کی زندگی کے لائحہ عمل اور اسرار و رموز کے نہ صرف جاننے والے تھے بلکہ اس راہ پر چل کر صحیح نائب قاسمی ہونے کا ثبوت دینے والے باہمت مجاہد تھے، اس مقدس اور مقتدر شخصیت کو دار العلوم دیوبند کے تلمذ ہونے کا اولین فخر حاصل ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دار العلوم دیوبند خدائے قدوس کی مشیت کا ایک غیبی شاہکار ہے، اگر اپنے دین کا محافظ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے ذریعہ اس مرکز علم کی شمع روشن نہ کرتا تو آج دنیائے اسلام میں جو اجالا اس سے ہوا اس کی بجائے گھٹاٹوپ تاریکیاں چھائی ہوئی نظر آتیں۔ پھر جب مشیت ایزدی کے غیبی اشارے کو دینِ اسلام کے چمکانے کا ارادہ ہوا تو اس نے آفتاب قاسمی کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب عثمانی دیوبندیؒ کو دار العلوم دیوبند کے مرکز سے پیدا کیا جس کا اُجالا عرب و عجم میں پھیل گیا اور بقول حکیم الامت حضرت تھانویؒ، لوگ مولانا محمود حسن صاحبؒ کو شیخ الہند کہتے ہیں، مگر میں تو ان کو شیخ العالم کہتا ہوں"۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس مجاہدانہ اور عالمانہ امانت کو جو ان کے استاذ گرامی نے ان کے سپرد کی تھی پورے طور پر ادا کیا، غرضیکہ یہ روشنی ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع نہ ہوئی بلکہ ابھی آفتاب محمودی غروب بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے رشد و ہدایت کے مینار اپنے غروب ہونے سے پہلے پہلے روشن کر دیئے کہ جن کی جہاں تاب کرنوں نے تمام دنیائے اسلام کو جگمگا کر رکھ دیا، میری مراد ان سے حسب ذیل حضرات ہیں :

(۱) یگانۂ روزگار امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری محدث اعظم دار العلوم دیوبند۔
(۲) شیخ الاسلام قاسم ثانی علامہ شبیر احمد عثمانی مفسر اعظم دار العلوم دیوبند۔
(۳) مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔
(۴) فقیہ ملت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ۔
(۵) مفکر ملت مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔

(۲) مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ وغیرہ۔

یہ ہیں وہ مقدس نفوس جن سے فضائے اسلام کا ذرہ ذرہ چمک اُٹھا، یہ سب کے سب حضرت شیخ الہندؒ کے مایہ ناز تلامیذ ہیں، جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرے گا۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی حضرت شیخ الہندؒ کے علوم و معارف اور سیاسی و علمی اُمور کے جانشین اور ترجمان تھے، وہ اپنی تحریر و تقریر سے اپنے استاذ کی جانشینی کا حق ادا کرتے رہے ہیں۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں مالٹا سے واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی کمزوری اور بیماری کے باعث جس شخص کو اپنی نمائندگی کا سب سے زیادہ شرف بخشا ہے اور جو اندرونِ ملک ان کے سفیر تھے وہ علامہ عثمانیؒ ہی تھے، ان کی ترجمانی کا انتخاب بظاہر وہاں سے نظر آتا ہے جہاں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے سوانح قاسمی کی جلد ثانی کے حاشیہ میں وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں کہ :

''حضرت شیخ الہندؒ چونکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور آپ کے جذبات کا گہرا رنگ لئے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضرت والا کے اس جذبہ فطرت کے بھی مظہر اتم تھے، مالٹا سے واپسی پر جب ترک موالات کا استفتاء حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اپنے تین شاگردوں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو جمع کر کے فرمایا کہ مجھ میں انگریزوں سے نفرت کا جذبہ بشدت لئے ہوئے ہے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہو سکے گی اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل سے ہٹا نہ دے۔ (سوانح قاسمی جلد۲)

اسی طرح سے علامہ عثمانیؒ کا یہ ترک موالات پر اُٹھائیس صفحہ کا یہ مفصل فتویٰ جو انہوں نے جمعیت العلماء ہند دہلی کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۷، ۸، ۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بصدارت حضرت شیخ الہندؒ پڑھا تھا، بے حد پسند کیا

گیا اور حاضرینِ جلسہ نے نہایت شوق و رغبت سے سنا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ اور تقریر جو علامہ عثمانیؒ نے جلسہ سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ سے منظوری کے بعد پڑھی تھی حضرات شیخ الہندؒ نے بے حد پسند کیا تھا، یہ فتویٰ اپنے مذہبی معلومات طرز استدلال، شگفتگی عبارت، وضاحت زبان اور سیاست کے اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کی نگاہ میں بے حد پسند ہوا، یہی وہ جانشینی تھی، جس نے ان خدمات کے لئے حضرت شیخ کے دل میں جگہ لی اور پھر انہوں نے اپنا ترجمان بنالیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ :

یاد آتا ہے کہ شیخ الہندؒ موصوف اسی سال کے آخر یا ۱۹۲۱ء کے شروع میں مالٹا سے چھوٹ کر مع خدام کے جن میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی تھے، واپس آئے مگر شاید چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہے اور وفات پائی۔ اس درمیان میں عقیدت مندوں نے ہر سمت سے ان کو بلایا، مگر خود تشریف نہ لے جاسکے۔ اپنے قائم مقام یا ترجمان کی حیثیت سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہی کو بھیجا، ان مقامات میں سے خاص طور سے دہلی کے جلسہ میں ان کی نیابت نہایت یادگار اور مشہور ہے، گائے کی قربانی ترک کرنے کے مسئلہ میں بھی جس کو حکیم اجمل خان مرحوم نے اُٹھایا تھا حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے نہایت واشگاف تقریر فرمائی تھی، یہ ترجمانی اور نیابت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کے لئے نہ صرف فخر و شرف کا باعث بلکہ ان کی سعادت اور ارجمندی کی بڑی دلیل ہے۔

(معارف اپریل ۱۹۵۰ء)

سید صاحبؒ کی یہ تحریر علامہ عثمانیؒ کے لئے شیخ الہندؒ کی جانشینی اور زبان و ترجمان بننے پر ایک دلیل ہے، یہ حقائق تو اپنی جگہ ہیں لیکن ایک بہت بڑی غیر فانی جانشینی جو قدرت نے صرف علامہ عثمانیؒ کے لئے لکھی تھی وہ ہے شیخ الہندؒ کے مالٹا کے کارنامے یعنی ترجمہ قرآن کریم پر علامہ عثمانیؒ کی تفسیر یہ رفاقت قیامت تک کے لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ ہی کے حصہ میں آئی اور شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ استاد شاگرد کا نام قیامت تک ساتھ

ساتھ چلا جائے گا، اس تحریر کے اثناء میں یعنی جو قرآن کریم کے ٹائٹل پر استاد شاگرد کا نام ساتھ ساتھ چلے گا، اس امر کا کشف ہوا کہ شیخ الہندؒ کے فوائد خود ان کے ہاتھوں کیوں نہ پورے ہوئے یا ادھورے رہ گئے تھے تو کسی اور سے ان کی تکمیل کیوں نہ کرائی گئی، بات تو یہی تھی کہ یہ جانشینی گل وبلبل کی طرح حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ ہی کے حصہ میں لکھی تھی اور بقول حسرت موہانی ....

نگاہ یار جسے چاہے سرفراز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

اور بقول مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی ....

گل و بلبل کی طرح ہے مجھے نسبت تجھ سے
لوگ لیتے ہیں مرا نام ترے نام کے ساتھ

حاجی وجیہہ الدین صاحب مقیم کراچی نے اس ترجمہ اور تفسیر کو شائع کرایا تو اس کے ٹائٹل پر یہ عبارت لکھوائی ہے۔

(ترجمہ) از حجۃ الاسلام شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہٗ۔

(مع فوائد) رأس المفسرین شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ۔

اس ترجمہ اور تفسیر کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے اور کروڑوں مسلمانانِ ہند و پاک کے مطالعہ میں یہ ترجمہ و تفسیر آ چکے ہیں اور روزانہ آتے ہیں۔ الغرض علامہ عثمانی کو اپنے استاد کی جانشینی کا یہ سرٹیفیکیٹ قدرت کا عطیہ ہے۔ (تجلیاتِ عثمانی)

نسبت حکیم الامتؒ :

مجدد اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مجدد اور مصلح تھے۔ ان کا روحانی اور علمی مقام آج کی دنیا میں آفتاب نصف

النہار کی طرح روشن ہے۔ ایسی صاحب عظمت ہستیاں اگر دوسرے اہل علم کی قابلیت کا اعتراف کریں تو یہ ان کے لئے باعثِ سعادت ہے، یوں تو دنیا میں اب مدح سرائی کا بازار گرم ہے، لیکن حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زندگی کسی کے بے حقیقت تعریف یا مبالغہ آرائی سے قطعاً بے نیاز تھی، ان کی زبان مبارک سے کسی کی تعریف اپنی کتاد میں حقیقت کی ایک بڑی دنیا رکھتی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے علم وفضل کے بارے میں انہوں نے بعض مجالس تقریر اور علمی صحبتوں میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، وہ علامہ موصوف کے لئے مایہ صد افتخار ہے۔ ۱۱، ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم دیوبند کے اصلاحِ نصاب کی مجلس دارالعلوم میں منعقد ہوئی۔ اس میں جہاں اور حضرات کمیٹی میں شامل تھے ان میں علامہ عثمانیؒ بھی تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ مدرسہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس تھے، اس مجلس میں حکیم الامت تھانویؒ بھی تشریف فرما تھے، جو مجلس کے سرپرست تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ ناظم جمعیت الانصار روئیدادِ اجلاس مؤتمر الانصار میں لکھتے ہیں :

"حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب سے فرمایا کہ مولانا شبیر احمد صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ ان کو دوں، آپ اس امر کا اعلان فرمادیں، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا تھانویؒ کی اس قدر افزائی کا اعلان فرمایا، اس کے بعد حضرت سلطان العلماء شیخ الہند مدظلہم سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم نے اپنا عمامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے سر پر رکھا"۔

(روئیداد مؤتمر الانصار ص ۵۹، ۶۰)

حکیم الامت تھانویؒ کا علامہ عثمانیؒ کے سر پر عمامہ رکھنا ان کے لئے ایک خاص سعادت مندی اور خوش نصیبی کا موجب ہے، جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ ان کے لئے

یہ ایک خاص شفقت یقیناً علامہ عثمانیؒ کے لئے سرمایۂ حیات ہے اور میرا مدعا اسی واقعہ سے نسبت حکیم الامت کے عنوان کیلئے پورا ہو جاتا ہے چونکہ اس مجلس میں حضرت شیخ الہندؒ بھی تشریف فرما تھے۔ اس لئے حضرت تھانویؒ نے ان سے اجازت لے کر علامہ کے سر پر عمامہ باندھا بہر حال علامہ کے لئے ان دونوں بزرگوں کا اعزاز انتہا درجہ کی خوش قسمتی ہے۔ اس کے علاوہ مؤتمر الانصار کے اجلاس اوّل بمقام مراد آباد علامہ نے جو اپنا مقالہ "الاسلام" پڑھ کر سنایا تھا اس پر بھی اپنی تقریر کے آغاز میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ان کی بہت سے حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں :

"جو دلائل عقلیہ وجود صانع، حقیقی اور ضرورت نبوت و رسالت پر مولوی شبیر احمد صاحبؒ نے بیان فرمائی ہیں، اب ان سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں"۔ (روئیداد مؤتمر ص ۱۰۱)

علاوہ ازیں جمعیت الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۸؍ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۷؍ اپریل ۱۹۱۲ء بمقام میرٹھ علامہ عثمانیؒ نے جو عالمانہ تقریر فرمائی، وہ بھی ایک تاریخی تقریر تھی، جس نے بڑے بڑے علماء کو محو حیرت بنا دیا تھا اس تقریر کی کیفیت کا پورا نقشہ مولانا سراج احمد صاحب مدیر القاسم نے الفاظ میں کھینچا ہے۔

"علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر سے مؤتمر الانصار اور دار العلوم دیوبند کی ایک خاص شان ہویدا تھی اور سامعین محو حیرت تھے۔ علامہ عثمانیؒ کے بعد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وعظ شروع ہوا حضرت مولانا کا وعظ جس رنگ میں ہوتا ہے اس کو سب جانتے ہیں۔ آپ نے وعظ شروع کرنے سے قبل مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ میں اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا سمجھتا ہوں، اگر میرا کوئی معتقد نہ مانے تو وہ جانے میں تو یہی خیال کرتا ہوں یہ مولوی شبیر احمد صاحبؒ جن کی تقریر آپ نے سنی ہے میرے چھوٹے ہیں مگر میں ان کو بڑا سمجھتا ہوں۔ ان کی ذات سے ہمیں اُمید ہے کہ یہ سب

کچھ کر لیں گے، اب ہم کو موت کا ڈر نہیں رہا ہے کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی پیدا ہوتے جا رہے ہیں، بعدہٗ مولانا تھانویؒ نے دعا کے بعد خطبہ ماثورہ پڑھ کر وعظ شروع کیا"۔ (القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مذکورہ الفاظ سے علامہ عثمانی کی علمی قدروں کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے، حکیم الامت کا یہ فرمانا کہ "ان کی ذات سے ہمیں اُمید ہے کہ وہ سب کچھ کر لیں گے" "اب ہمیں مرنے کی فکر نہیں"۔ مولانا عثمانیؒ کی ذات کو چار چاند لگاتا ہے۔ (ماخوذ تجلیات عثمانی)

شیخ الاسلام اور ہم عصر علماء :

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کو غائبانہ یا حاضرانہ جن علماء و مشائخ سے ان کے علمی افکار کی ترجمانی یا شاگردی و عقیدت مندی کے سلسلہ میں خصوصی نسبتیں حاصل تھیں، ان کا اجمالی تذکرہ کیا جا چکا ہے، جن سے علامہ کا مقام علم و فضل واضح طور پر متعین ہو جاتا ہے، لیکن جن معاصرین نے علامہ کی علمیت پر ان کی زندگی یا وفات کے بعد خراج تحسین پیش کیا ہے، اب مختصراً ان کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہے۔

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ :

آپ دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے اور آپ کی ہستی علماء میں مسلم تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ میں سے تھے، خود علامہ عثمانی فتح الملہم میں حضرت امام العصر علامہ کشمیریؒ کے متعلق معراج النبی علیہ السلام کے ماتحت لکھتے ہیں کہ :

"شیخ علامہ تقی النقی کہ ان جیسی ہستی آنکھوں نے نہیں دیکھی اور نہ خود انہوں نے اپنا جیسی کوئی شخصیت دیکھی اور اگر آپ پہلے زمانہ میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں آپ کی بڑی شان ہوتی اور وہ ہمارے سردار مولانا انور شاہ کشمیری ثم دیوبندی ہیں۔ میں نے ان

سے سورۂ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے متعلق درخواست کی‘‘۔(فتح الملہم جلد۱)

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد اور پھر اسارت مالٹا کے زمانہ سے ان کے درس بخاری و ترمذی پر تقریباً نو دس سال تک مسند نشین رہے ہیں اور حضرت علامہ عثمانیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے دوسرے قائم مقام تھے، جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی میں اور بعد ازاں مسلم شریف جیسی جلیل القدر کتاب کا جس کو بخاری کے بعد حدیث کی سب سے بڑی اور صحیح کتاب تسلیم کیا گیا ہے۔ درس دیتے رہے ہیں۔ بہر حال علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ کے دل میں علامہ عثمانی کی جو علمی قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود علامہ کشمیریؒ کے تفسیر اور حدیث کے کتنے ایک مشکل اور دقیق مسائل کو ان سے ان کی لیاقت علمی و وضاحت تحریر و تقریر اور ملکہ افہام و تفہیم کے باعث لکھوانے کی فرمائش کرتے رہے ہیں اور یہ فرمائش حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی بھی علامہ عثمانیؒ سے رہی ہے کہ وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے مضامین کی سلیس اور عام فہم انداز میں ترجمانی کریں اور نہ صرف یہ حضرات بلکہ دارالعلوم پر جب کبھی کسی معاند اور معترض کے حملے ہوئے ہیں تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند علامہ عثمانیؒ ہی کو جواب لکھنے اور دارالعلوم کی ترجمانی کے لئے فرمایا کرتے تھے اور مولانا عثمانیؒ اپنی خداداد قابلیت کے باعث ان امور سے بخوبی عہدہ برآ ہوتے تھے۔

چنانچہ جاننے والوں کو یاد ہوگا کہ دارالعلوم میں مسٹر جیمس مسٹن گورنر یوپی کی آمد پر جب مولانا ابوالکلام آزادؒ کا معترضانہ مضمون زمیندار میں شائع ہوا تو ’’تشریح واقعہ دیوبند‘‘ کے نام سے علامہ عثمانیؒ نے ہی ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا اور خلافت کی تحریک کے مدوجزر کے بعد جب سر محمد شفیع دارالعلوم آئے اور انہوں نے تحریک میں دارالعلوم کے علماء کی شرکت پر ایک گونہ اظہار خیال کیا تو نودرہ کے جلسہ میں جو سر شفیع

کے لئے منعقد کیا گیا تھا، علامہ عثمانی ہی کو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے جوابی تقریر کے لئے فرمایا تھا اور پھر جو جواب آپ نے دیا، اس میں نہایت منصفانہ اور مدبرانہ انداز میں دارالعلوم کی وکالت کی گئی تھی اور بتایا تھا کہ علماءِ دیوبند کی شرکت کن مذہبی اور سیاسی فرائض کے ماتحت اعتدال پسندی کے ساتھ رہی ہے۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی اور دیگر مقتدر شخصیات جب دارالعلوم میں آیا کرتی تھیں، علامہ عثمانی ہی حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے ترجمانی کرنے کیلئے متعین تھے گویا وہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور اپنی مادر علمی دارالعلوم کی بھی مستحق اور بجا طور پر ترجمان تھے۔ ہاں تو عرض یہ ہے کہ علامہ عثمانی سب ہی اکابر کے محب و محبوب تھے اور علامہ انور شاہ صاحبؒ کے دل میں علامہ عثمانیؒ کی جو قدر تھی اس کا اندازہ شاہ صاحب کی بعض تحریروں سے بھی بخوبی ہو جاتا ہے، علامہ عثمانی کی فتح الملہم شرح مسلم پر ایک طویل تقریظ میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :

’’علامۂ عصر خود مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی محدث و مفسر و متکلم ایک عصر اند‘‘۔(ٹائٹل فتح الملہم ص:۲)

اسی طرح سے حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ عثمانیؒ کے مایہ ناز متکلمانہ اور فلسفیانہ مقالے ’’خوارق عادات‘‘ کی تقریظ میں علامہ کے مقالہ کی جس طرز میں داد دی ہے وہ علامہ کے علم و فضل پر مہر تصدیق ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ :

مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ذات ستودہ صفات سے کون ہے جو واقف نہیں۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جان نثاروں، پرداتوں اور ممتاز شاگردوں میں سے ہیں جن کے متعلق ایک صحبت میں علامہ عثمانیؒ نے فرمایا تھا کہ ’’مولانا حسین احمد صاحب ہماری جماعت میں ایک مجاہد شخصیت ہے‘‘۔ ستائیس اٹھائیس سال سے دارالعلوم دیوبند

میں حضرت شیخ الہندؒ کی مسندِ درس پر علامہ انور شاہ صاحبؒ کے بعد متمکن ہیں۔ حضرت علامہ عثمانیؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ دونوں ایک مادرِ علمی، ایک ہی شیخ کے روحانی فرزند ہیں دونوں پر دلالت مطابقی کی نسبت صادق آتی ہے یعنی شبیر اور حسین' احمد اور احمد۔ اب آپ ہی بتایئے کہ ایک شبیر احمد اور دوسرے حسین احمد ہوتے ہوئے ان میں کوئی فرق معلوم ہوتا ہے جس ہستی کا نام حسین تھا اسی کا بھی نام شبیر تھا بہر حال علامہ عثمانی کی وفات پر دارالعلوم دیو بند کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا: ''حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی شخصیت بے مثال تھی، علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے، مولانا کے علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، علمی طور پر ان کی شخصیت مسلمہ کل تھی۔ تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ مولانا کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے''۔ (الجمعیۃ دہلی ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

اسی طرح تفسیر عثمانیؒ پر مولانا مدنیؒ کے تأثرات گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں جس سے مولانا مدنیؒ کی نگاہ میں علامہ عثمانیؒ کا علمی مقام اظہر من الشمس ہے۔ دونوں حضرات حضرت شیخ الہندؒ کی آنکھ کے تارے اور دارالعلوم دیو بند کے مایہ ناز فرزند ہیں جن پر اس مادرِ علمی کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتے تھے اور ایک دوسرے کے علم و فضل کے قائل تھے۔ وہ نفوس سعادت سے بہت دور ہیں جو ان میں باہمی آویزش کے نذر کرنے اور افتراق کی خلیج کو وسیع کرنے میں کوشاں رہے، رہا سیاسی نظریات اور افکار کا اختلاف یہ علم و فضل اور دانش و عقل کے خلاف نہیں۔ اختلاف نظر و فکر سے انسانی فطرت کو رونق نصیب ہوتی ہے یہ کس دانا نے بتایا ہے کہ ایک گلشن علم کے دو خوبصورت پھولوں کو گلے کا ہار بنانے کی بجائے ان کی پتیوں کو افتراق کی باد خزاں میں اڑا دیا جائے۔ ان دونوں مایہ ناز شخصیتوں کو قریب سے دیکھئے اور قریب لانے کی کوشش کیجئے اور علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ اور خطبۂ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کی وہ

عبارت پڑھیئے جس میں علامہ عثمانی نے مسلم لیگ کے حامیوں کو مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ابوالکلام آزاد جیسی جلیل القدر شخصیتوں کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کی پرزور مذمت کی ہے اور اسی طرح قائداعظم کو کافر کہنے والے کانگریسیوں کی بھی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی، علامہ نے لیگ اور کانگریس کے معتقدین اور سیاستدانوں کو حد اعتدال اور دائرۂ تہذیب میں رہ کر کام کرنے کی طرف پورے خلوص اور حسن نیت سے توجہ دلائی ہے۔ خطبۂ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں علامہ عثمانیؒ نے مولانا مدنیؒ کے متعلق تحریر فرمایا:

''بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ کیا گیا ہے میں اس پر اظہار بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا، مولانا کی سیاسی رائے خواہ کیسی ہی ہو ان کا علم و فضل بہر حال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لئے ان کی عزیمت و ہمت اور انتھک جدو جہد ہم جیسے کاہلوں کے لئے قابل عبرت ہے، اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں''۔ یہ عبارت علامہ کی بلند کرداری اور اعلیٰ انسانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے''۔ (تجلیات عثمانی)

جناب مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب اشرفی فرماتے ہیں کہ:

''شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی راہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے مختلف تھی، لیکن آپ علامہ عثمانی کی علمی بصیرت کے پورے شرح صدر سے قائل تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامہ زماں محقق دوراں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی زید مجدہم کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا ہے، مولانا نے فرمایا موصوف کی بے مثل ذکاوت بے مثل تقریر بے مثل تحریر، عجیب و غریب تبحر وغیرہ کے کمالات علمیہ سے ایسے نہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج انہیں شامل کر سکے، جن حضرات کو

مولانا سے کبھی بھی کسی قسم کے استفادہ کی نوبت آئی ہے، وہ اس سے بخوبی واقف ہیں"۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ایک دفعہ بتلایا کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کا مجھے خط ملا ہے کہ برصغیر کی تقسیم سے ہمارا نصف صدی کا سیاسی رشتہ اب ٹوٹ چکا ہے، یہاں کے حالات اور تقاضے اور ہیں اور آپ کے ہاں کے اور۔ اب آپ جمعیت علماء ہند کی بجائے وہاں کے مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی خدمت کیلئے جو راہ سوچیں اس پر عمل فرمائیں۔ مولانا مدنیؒ کی سیاسی دیانت لائق تحسین ہے کہ آپ نے علماءِ پاکستان کو جمعیت علماءِ ہند کی سیاست سے بالکل علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا اور دعا گو ہے کہ جو ملک اسلام کے نام پر بنا ہے، اس میں واقعی مسلمانوں کا فائدہ ہو اور اسلام کی خدمت ہو، پھر آپ جب تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے، جمعیت علماءِ ہند نے پاکستان کے کسی سیاسی معاملہ میں کبھی کوئی دخل نہیں دیا۔ مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت مدنیؒ کے اس خط کے بعد یہاں کے علماءِ حق کی سیاسی جماعت جمعیت علماءِ اسلام میں باضابطہ شرکت کر لی اور پھر ایک وقت آیا کہ آپ کل جمعیت علماءِ اسلام پاکستان کے امیر منتخب ہوئے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ (ماہنامہ الحسن لاہور)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ :

مولانا سندھی مرحوم شیخ الہند کے قلمرو میں سے ہیں اور حضرت شیخ کے ساتھ مدتوں جلاوطن رہے، آپ بھی علامہ کے معاصرین میں سے ہیں اور دونوں ایک ہی استاذ کے شاگرد ہیں، انہوں نے علامہ عثمانیؒ کے مقالہ "الروح فی القرآن" کے بارے میں مکہ معظمہ کے قیام کے دوران بذریعہ ڈاک اپنے ریمارکس لکھ کر بھیجے جو درج ذیل ہیں لکھتے ہیں :

"اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لئے نہایت بصیرت افروز ثابت ہوا اور اس

مشکل مسئلہ کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے اس برعظیم میں انہیں ایسے بہت کم ملیں گے۔ میں حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کی قوت بیانیہ کا مثیل جانتا ہوں"۔

(صدائے ایمان مطبوعہ مجلس علمی ۱۳۵۴ھ)

مولانا سندھیؒ نے علامہ عثمانیؒ کے رسالہ پر ان کے انتہائے کمال کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ :

آپ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں سے تھے اور علامہ عثمانی کے ہم عصر علماء میں بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے زمانہ کے زبردست فقیہ، فرشتہ سیرت اور مرنجان مرنج بزرگ تھے۔ علامہ عثمانیؒ کی رحلت پر مدرسہ امینیہ کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات حسرت آیات ایک سانحہ عظمیٰ اور داہیہ کبریٰ ہے، مولانا مرحوم وقت کے بڑے عالم، باکمال محدث مفسر، خوش بیان مقرر تھے"۔

(اخبار الجمعیۃ دہلی ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ :

آپ حکیم الامت تھانویؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور ایک بڑے عالم و محقق اور مؤرخ تھے، علامہ عثمانیؒ کے ہمعصر اور احباب میں سے تھے۔ آپ نے علامہ عثمانیؒ کی وفات پر ایک مفصل مضمون اپنے رسالہ معارف میں شائع کرایا جس میں علامہ عثمانی کی خدمات اور شخصیت پر مولانا ندویؒ نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "شیخ الاسلام علامہ عثمانی ایسے نادر روزگار صاحب کمال صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کے

علمی کارنامے دنیا میں ان شاء اللہ حیاتِ جاوداں پائیں گے۔ زبانِ خلق نے ان کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا جو اسلامی سلطنت میں قاضی القضاۃ کا لقب رہا ہے۔ ان کے علمی کمال کا نمونہ تفسیر عثمانی اور فتح الملہم شرح مسلم ہیں"۔ تفصیلات آپ کی تالیف "یادِ رفتگاں" میں دیکھئے یہ کتاب مکتبہ اشرف کراچی سے جنوری ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ :

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اپنے دور کے عظیم مداح، مفسر، فقیہ اور صادق کامل تھے، تحریک پاکستان کے نامور مجاہد تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہم عصر اور قریبی ساتھیوں میں تھے۔ تحریکِ پاکستان کے معرکوں میں علامہ عثمانیؒ کے ہر محاذ پر برابر شریک رہے اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی رحلت کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ہی شیخ الاسلام منتخب کئے گئے۔ آپ کا علمی و روحانی مقام بہت بلند ہے، مگر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے علم و کمال کے معترف رہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا تفصیلی تذکرہ "تذکرۃ الظفر" اور سیرت میں ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی رحلت پر آپ نے اپنے تعزیتی تاثرات میں فرمایا کہ :

"موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا ہے جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے، قوم ایک باعمل اور مذہبی پیشوا سے محروم ہو گئی ہے۔ آپ ہماری جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے صدر تھے۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ہم نے کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ علیل تھے، مگر ایک اپنا پیام مولانا ظہور احمد دیوبند کے ہاتھ اجلاس میں پڑھنے کیلئے بھجوایا، میں نے دیوبند جا کر آپ کو جمعیت کی صدارت کے لئے عرض کیا، آپ نے صدارت قبول فرما کر جمعیت کی بنیاد مضبوط کر دی اور صحت یاب ہونے پر انہوں نے دیوبند

میرٹھ دہلی وغیرہ میں پاکستان حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کو جوشیلے انداز میں تیار کیا پھر صوبائی الیکشن میں آپ نے بمبئی، لاہور اور پشاور تک متعدد جلسوں میں شرکت فرمائی اور مسلمانوں کو پاکستان کیلئے ووٹ دینے پر آمادہ کیا پھر سرحد و سلہٹ ریفرنڈم کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور میں نے قائد اعظم کی درخواست پر دن رات کام کیا اور الحمدللہ کامیابی حاصل کی"۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر قائد اعظم کو مبارکباد دی تو انہوں نے جواب میں فرمایا :

"مولانا اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی ہے"۔

قائد اعظم نے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو افتتاحِ پاکستان کے موقع پر نئی مملکتِ اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لئے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور اس احقر کو منتخب کیا۔ مولانا نے کراچی میں اور میں نے ڈھاکہ میں بسم اللہ کر کے پرچم پاکستان لہرایا، پھر قرارداد مقاصد کو منظور کرانے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سعی بلیغ کو بہت بڑا دخل ہے۔

شیخ الاسلام اور نامور تلامذہ :

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آسمانِ شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے اور وہ اپنے دور کے مفسر اعظم، محدث پاکباز، فقیہ بے بدل، متکلم بے نظیر اور خطیب بے مثل تھے۔ تحریر و تقریر کے میدان کے شہسوار اور علوم معقول و منقول کے جامع اور شریعت و سیادت دونوں کے مرد میدان تھے، ان کی ذات گرامی علم و عمل کا سرچشمہ تھی، ان کی زبان و قلم نے اللہ کے دین کی بے لوث قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اپنے فیضِ علمی سے ہزاروں طالبانِ علم کو فیضیاب فرمایا ہے، یہاں ہم چند نامور اور مشاہیر تلامذہ کے مشاہدات و

تأثرات نقل کرتے ہیں جو خود بھی دنیائے اسلام میں علمی حیثیت سے مسلّم تسلیم کئے گئے ہیں لیجئے مفتی اعظم کے تاثرات پیش ہیں۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ:

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء دیوبند میں سے تھے اور دارالعلوم کے صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے اور آخر دم تک پاکستان کے مفتی اعظم رہے۔ آپ حضرت شیخ الاسلام کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں اور آپ نے ہدایہ اور صحیح مسلم حضرت علامہ عثمانیؒ ہی سے پڑھی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانیؒ کے علمی جانشین اور تحریک پاکستان کی پوری جدوجہد میں شیخ الاسلام کے دست و بازو رہے اور صوبہ سرحد اور ملک کے طول و عرض میں شیخ الاسلام کے ہمراہ دورے کرتے رہے، غرضیکہ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس سے لے کر شیخ الاسلام کی رحلت تک ہر معاملہ میں ان کے شریک کار رہے اور شیخ الاسلامؒ کی نماز جنازہ بھی حضرت مفتی اعظمؒ نے ہی پڑھائی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ علم و فضل کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کے ترجمان کی حیثیت سے انہیں شہرت عامہ عطا فرمائی تھی۔ آپ ایک عظیم الشان مفسر و محدث، محقق و متکلم اور خطیب تھے، متعدد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں اردو تصانیف میں تفسیر عثمانی، الاسلام، العقل والنقل اور اعجاز القرآن اور عربی میں فتح الملہم شرح مسلم آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو خطابت کا غیر معمولی کمال عطا فرمایا تھا، لیکن ساتھ ہی طبیعت میں نزاکت و نفاست بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت میں ادنیٰ تکدر رہتا تو وعظ و تقریر پر

آمادگی ختم ہو جاتی تھی۔ فیروز پور میں جب قادیانیوں کے ساتھ ہمارا مناظرہ ہوا تو اہل شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسۂ عام کا اہتمام کیا، خیال تھا کہ اس وقت فیروز پور میں اکابر علماء دیوبند جمع ہیں، جن میں حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ وغیرہ جیسے آفتاب و ماہتاب شامل تھے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اہل شہر کو ان سے مستفید کیا جائے یوں تو یہ تمام ہی حضرات علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے، لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے سب کی نظریں علامہ عثمانیؒ پر لگی ہوئی تھیں کیونکہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔ چنانچہ جلسے کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا گیا لیکن جب جلسے کا وقت آیا تو حضرت علامہ عثمانیؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی، تقریر کے لئے انشراح باقی نہ رہا اور علامہ نے تقریر سے عذر کر دیا، جتنے علماء اس وقت موجود تھے ان سب نے علامہ کو آمادہ کرنا چاہا مگر علامہ عثمانیؒ آمادہ نہ ہوئے بلکہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ تو علامہ پر ناراض بھی ہوئے لیکن میں جانتا تھا کہ حضرت علامہ اس معاملے میں معذور ہیں اور جب تک از خود آمادگی پیدا نہ ہو، وہ تقریر نہیں فرما سکتے۔ اس لئے میں خاموش رہا یہاں تک کہ جب تمام جلسے میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں میں بعد میں آؤں گا۔ اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا، حضرت آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے، یہاں قیام پر تنہا رہنے سے یہ انقباض اور بڑھے گا اگر آپ جلسے میں صرف تشریف لے جائیں اور بیان نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بہل جائے۔ فرمانے لگے کہ "لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے"۔ میں نے عرض کیا کہ "اس کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ آپ کی مرضی اور رضامندی اور خوش دلی کے خلاف کوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا، حضرت علامہ اس بات پر راضی ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ

پہنچ گئے۔ وہاں پر دوسرے علماءِ کرام تقریر کرتے رہے، یہاں تک کہ مجمع کا ذوق وشوق دیکھ کر حضرت علامہ عثمانیؒ کے دل میں خود بخود آمادگی پیدا ہوگئی اور پھر خود ہی سٹیج سیکرٹری سے کہا کہ "میں بھی کچھ کہوں گا" اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ حضرت علامہ کی تقریر ہوئی جس نے حاضرین کو سیراب کر دیا"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تحریر کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور جب حضرت شیخ الہندؒ نے آزادیٔ ہند کی جدوجہد کے لئے جمعیت العلماء ہند قائم فرمائی اور اس غرض کے لئے دہلی میں عظیم الشان اجلاس طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت حضرت شیخ الہندؒ کو دینا تھا، حضرتؒ کو خود لکھنے کا موقع نہ تھا اس لئے اپنے تلامذہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔ آپ کے متعدد تلامذہ نے اپنے اپنے انداز میں یہ خطبہ لکھا لیکن حضرتؒ نے جس خطبے کو پسند اور منظور فرمایا وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ تھا، چنانچہ حضرتؒ نے وہی خطبہ پڑھا اور وہی شائع بھی ہوا۔ عرصہ دراز تک دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ نے درسِ حدیث دیا اور آخر میں دارالعلوم کے صدر مہتمم کی حیثیت سے کام کیا، پھر دارالعلوم سے مستعفی ہوکر تحریک پاکستان کے سلسلے میں مؤثر اور مفید خدمات انجام دیں، جس کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان وجود میں آئی، پھر بقیہ عمر اسی مملکت میں اسلامی دستور ونظام لانے کی مساعی میں پوری کر دی اور قراردادِ مقاصد جیسا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ۔

بدر العلماء مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ :

آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ فراغتِ تعلیم کے بعد دارالعلوم کے مدرس رہے، فنِ حدیث میں خاص مہارت تھی۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ اور

حضرت علامہ عثمانیؒ کے علوم کے خاص ترجمان تھے۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری، ترجمان السنۃ اور جواہر الحکم علمی شاہکار ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے حکم پر سالہا سال جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درسِ حدیث دیا پھر تقسیم ملک کے بعد اپنے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے قائم کردہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں حضرت علامہؒ کی خواہش کے مطابق درسِ حدیث میں مشغول رہے، پھر پاکستان سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی اور آپ کا سلسلۂ بیعت وارشاد سعودی عرب اور خصوصیت سے افریقہ میں بہت پھیلا تھا، قیامِ پاکستان کے بعد دستور اسلامی کی ترتیب وتدوین کا جو اہم کام حضرت شیخ الاسلامؒ نے شروع فرمایا تھا، اس میں سب سے اہم کردار جن ممتاز علمائے کرام نے ادا کیا ان میں نائب شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے اسماءِ گرامی سرفہرست ہیں۔ آپ حضرت علامہ عثمانیؒ کے بااعتماد اور قابلِ فخر تلامذہ سے تھے اس لئے حضرت علامہ کے اہم دینی وعلمی کاموں میں آپ ان کے دست راست رہے اور ان کی سرپرستی میں اہم دینی خدمات انجام دیں۔ یہ سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی رحلت جب بہاولپور میں وزیرِ تعلیم کی کوٹھی پر ہوئی تو مولانا بدر عالم صاحبؒ بھی اس وقت بہاولپور میں مقیم تھے، آپ نے ہی اپنے استاذِ مکرم کو غسل دیا اور آخری وقت میں حضرت علامہؒ کے قریب رہے۔ (تاریخ دیوبند وتجلیاتِ عثمانی)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب :

آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور ممتاز فضلاء میں سے تھے، حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے نامور اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے اور علامہ عثمانیؒ سے قریبی تعلقات

تھے، اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے اکابر اور خصوصاً علامہ عثمانیؒ کا نمونہ تھے۔ (حکیم الاسلام کا تفصیلی تذکرہ راقم کی کتاب ''ذکر طیب'' میں ملاحظہ فرمایئے) اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

''شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے، غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے، علم مستحضر تھا اور بڑا متبحر علم تھا، علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا، منطق و فلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حکمتِ قاسمیہ کے بہترین شارح تھے۔ دار العلوم کے اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی آپ ایک عرصہ تک شیخ التفسیر رہے اور علمی خدمات انجام دیتے رہے، اپنے آخری دور میں دار العلوم دیوبند کی صدر مہتمم بھی رہے اور دار العلوم کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ صحیح مسلم کی بہترین شرح متکلمانہ انداز میں لکھی اور حکمتِ قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے تفسیری فوائد جو حضرتؒ نے ترجمہ کے ساتھ شروع فرمائے تھے، آپ نے پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آپ بے مثال خطیب تھے اور خطبات میں قاسمی علوم بکثرت بیان کرتے تھے اور تحریر و تقریر میں ان ہی علوم کا غلبہ تھا۔ سیاسی شعور اونچے درجہ کا تھا، ملکی معاملات کے اتار چڑھاؤ کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے میں جچی تلی رائے قائم کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال کی تحریک میں شریک رہے، جمعیت علماءِ ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا آخر مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہو گئے اور جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جہد و جہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قرار دادِ مقاصد پاس کرائی، وہاں کی قوم نے آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیا، اور پاکستان کے معماروں میں آپ کا شمار ہوا۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند)

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ :

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ علامہ عثمانیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور جمعیت علماءِ ہند دہلی کے ناظم اعلیٰ اور دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ اعلیٰ ذہن علمی استعداد کے مالک، غایت درجہ کے ذکی اور طباع فضلاء میں سے تھے۔ دار العلوم دیوبند سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس رہے، متعدد اعلیٰ ترین کتابوں کے مصنف تھے اور ہندوستان کے بلند پایہ مقرر اور خطیب تھے، بہترین سیاستدان تھے، ہندوستانی پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے اور ۱۹۴۷ء کے انقلابی ہنگاموں میں اپنی جان پر کھیل کر ہزاروں کی جانیں بچائیں، کسی غرض سے یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو دیوبند آئے اور اپنی نیک نیتی اور خلوصِ دل سے اپنے استادِ گرامی علامہ عثمانیؒ کی عیادت کو آئے جوان دنوں علیل تھے۔ دورانِ گفتگو اس امر کے خواہاں ہوئے کہ تبادلہ خیالات کے ذریعہ جماعت دیوبند کی سیاست میں ہم آہنگی اور موافقت پیدا کریں، چنانچہ مولانا سیوہارویؒ نے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ :

''ہمیں کچھ آپ سے حالاتِ حاضرہ پر نیاز مندانہ گذارشات کرنی ہیں، مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے یہ درجہ تو ہمارا نہیں البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جن کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شاید وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے کہ ان واقعات کو سن کر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے، اس میں تغیر ہو جائے''۔ (مکالمۃ الصدرین ص ۷۔۶)

چنانچہ علامہ عثمانیؒ کے دولت خانہ پر ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعہ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا احمد سعیدؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مفتی عتیق الرحمٰنؒ اور مولانا عبد الحلیم صدیقی تشریف لائے اور سیاسیات پر تبادلۂ خیال کیا، اس گفتگو کو مولانا ...

طاہر قاسمی نے مرتب کیا جس کا نام ''مکالمۃ الصدرین'' مشہور ہوا۔ تجلیاتِ عثمانی میں اس کی تفصیلات ہیں۔ بہرحال مولانا سیوہارویؒ نے اپنے استاذ مکرم علامہ عثمانیؒ کا بے حد احترام واکرام فرماتے تھے جو اس مذکورہ گفتگو سے ظاہر ہے۔

(ماخوذ تاریخ دارالعلوم دیوبند اور تجلیات عثمانی)

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ :

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء وعلماء میں بلند مقام پر فائز تھے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے، حدیث وتفسیر میں امتیازی مہارت حاصل تھی، قوتِ حافظہ بھی امتیازی تھی اور اونچے درجے کے اربابِ تدریس میں سے تھے۔ عرصہ دراز تک دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر رہے اور کتبِ تفسیر کے ساتھ دورہ کی کتب حدیث بالخصوص ابوداؤد شریف اکثر وبیشتر آپ ہی کے درس میں رہتی تھی۔ اتباعِ سنت اور عظمتِ سلف کا خاص شغف تھا، علوم شرعیہ اور ردِّ مذاہبِ باطلہ میں بہت سی کتب کے بہترین مصنف تھے۔ ''مشکوٰۃ المصابیح کی شرح التعلیق الصبیح'' ''سیرت المصطفیٰ'' ''تفسیر معارف القرآن'' آپ کے علمی شاہکار ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد آخر وقت تک جامع اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث والتفسیر رہے اور اللہ کے دین کی خدمت میں مصروف رہے''۔ (آپ کا تفصیلی تذکرہ ''تذکرہ ادریس'' مؤلفہ محمد میاں صدیقی میں ملاحظہ فرمائیے)

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ جب دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے تو ان دنوں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حیدرآباد دکن میں مقیم تھے۔ علامہ عثمانیؒ نے تحریک کی کہ دارالعلوم میں دورۂ حدیث کی طرز پر دورۂ تفسیر کا بھی اہتمام کیا جائے، چنانچہ اس تحریک پر مولانا کاندھلویؒ کو دارالعلوم کے لئے بطور شیخ التفسیر بلایا گیا، علامہ عثمانیؒ نے فرمایا کہ میری

نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ میں نے بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم مولانا ادریس کو شیخ التفسیر کے عہدہ پر دارالعلوم میں بلایا، مجھے یقین ہے میرے اس عمل پر اللہ تعالیٰ میری بخشش فرمادیں گے۔ علامہ عثمانیؒ اپنے اس قابلِ اعتماد شاگرد کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

''علماءِ اُمت میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا مقام بہت بلند ہے اور ان کا علم وفضل علماء میں مسلم ہے۔ اُمت کیلئے آپ نے علم کا بہت سا ورثہ چھوڑا ہے، خاص طور پر قرآن کریم کی تفسیر اور مسلم کی شرح فتح الملہم اُمت مسلمہ کے لئے بہت بڑی میراث ہے، جو چھوڑ گئے۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ اور علم الکلام میں ان کا مقام بہت بلند ہے اور اس لحاظ سے اپنے زمانہ کے رازیؒ وغزالیؒ تھے''۔ (ماخوذ تجلیاتِ عثمانی ص:۱۳)

مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :

''ایک دفعہ میں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر تھا، اثنائے گفتگو میں میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ! مجھے آپ سے اس لئے محبت اور عقیدت ہے کہ آپ نے اسلام کو سمجھا ہے اور دوسروں کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں''۔

یہ جملہ علامہ عثمانیؒ کی علمی تحقیقات پر گہری بصیرت کا غماز ہے، اسلام کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کا اہل وہی ہوسکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کا محقق ہو، بہرحال علامہ کے محقق اسلام ہونے پر مولانا کاندھلویؒ کا یہ جملہ پوری ترجمانی کرتا ہے۔ (تجلیاتِ عثمانی ص:۳۰)

ایک اور جگہ مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ :

''علامہ عثمانیؒ تحقیق وتدقیق اور حسبِ بیان میں امام ابوالحسن شعری کی زبان اور ترجمان تھے اور مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند کے علم ومعارف کے شارح اور ایک عظیم محدث ومفسر ومتکلم تھے''۔ (بحوالہ حیاتِ عثمانی مؤلفہ انوار الحسن شیرکوٹی)

محققِ اسلام مولانا مناظر احسن گیلانیؒ :

آپ مشاہیر فضلاء دیو بند میں سے تھے، صاحب طرز مصنف، نیز ذہن وذکاوت طباعی میں منفرد تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دار العلوم کے آرگن رسالہ "القاسم" کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کئے گئے اور عرصہ دراز تک قلمی خدمات سے ہندوستان کے علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے، پھر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے، اس دوران میں بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے علم سے نکلیں۔ "کائنات روحانی"، سوانح ابوذر غفاریؓ، مسلمانوں کا نظامِ تربیت اور سوانح قاسمی" آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ تقریر وخطابت نہایت عالمانہ وادیبانہ اور پرجوش ہوتی تھی اور آپ کا شمار ہندو پاک کے مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت علامہ سے بڑی گہری عقیدت ومحبت تھی۔ (مولانا گیلانی کے تفصیلی حالات راقم کی کتاب "اکابر علماء دیو بند میں دیکھئے) اپنے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے میں اپنی تالیف "سوانح قاسمی" میں فرماتے ہیں کہ :

"مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کی براہِ راست اولاد میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے اپنے وقت میں علم دین کے اُفق پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے"۔

دوسری جگہ مولانا گیلانی فرماتے ہیں کہ :

"ایک صدی سے دار العلوم دیو بند سے عالم دین بن بن کر نکل رہے ہیں اور ملک کے طول وعرض میں پھیل رہے ہیں اور خود ہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے بھی ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے، ان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن

دیو بندیؒ، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقۂ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں"۔

(سوانح قاسمی جلد ق ص ۱۱۳۲)

شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانیؒ :

شمس العلماء حضرت علامہ الشمس الحق افغانیؒ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور دار العلوم دیو بند کے ممتاز فاضل وعالم تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی زیر سرپرستی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور پھر حضرت علامہ عثمانیؒ نے ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا آپ کو صدر مدرس مقرر فرمایا اور قیامِ پاکستان تک علمی وتدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے درس میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کی محدثانہ اور متکلمانہ شان پائی جاتی تھی، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ بہت سی علمی تصانیف بھی تالیف فرمائیں، جن میں "علوم القرآن" سوشلزم اور اسلام، معین القضاۃ والمفتین، اسلام دینِ فطرت، اسلام عالمگیر مذہب، شرح ضابطہ دیوانی اردو، سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام، مدارس کا معاشرہ پر اثر، مفردات القرآن اور حقیقت زمان ومکان" وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

آپ اپنے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے سیاسی نظریات کے مطابق دو قومی نظریہ کی تائید وحمایت کرتے رہے اور تحریک پاکستان میں اپنے استاذ گرامی علامہ عثمانیؒ کے موقف کی مکمل حمایت کی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

"میرے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بے شمار کارنامے ہیں، ان

محقق اسلام مولانا مناظر احسن گیلانیؒ :

آپ مشاہیر فضلاء دیوبند میں سے تھے، صاحبِ طرز مصنف، تیز ذہن و ذکا اور طباعی میں منفرد تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے آرگن رسالہ ''القاسم'' کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کئے گئے اور عرصہ دراز تک قلمی خدمات سے ہندوستان کے علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے، پھر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے، اس دوران میں بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں۔ ''کائناتِ روحانی''، سوانح ابوذر غفاریؓ، مسلمانوں کا نظامِ تربیت اور سوانح قاسمی'' آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ تقریر و خطابت نہایت عالمانہ و ادیبانہ اور پرجوش ہوتی تھی اور آپ کا شمار ہند و پاک کے مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت علامہ سے بڑی گہری عقیدت و محبت تھی۔ (مولانا گیلانی کے تفصیلی حالات راقم کی کتاب ''اکابر علماءِ دیوبند میں دیکھئے) اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بارے میں اپنی تالیف ''سوانح قاسمی'' میں فرماتے ہیں کہ :

''مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کی براہِ راست اولاد میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اپنے اپنے وقت میں علم دین کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے''۔

دوسری جگہ مولانا گیلانی فرماتے ہیں کہ :

''ایک صدی سے دارالعلوم دیوبند سے عالم دین بن بن کر نکل رہے ہیں اور ملک کے طول و عرض میں پھیل رہے ہیں اور خود ہی نہیں بلکہ کون نہیں جانتا کہ ان میں ایسے کتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور ان سے اثر پذیر ہونے والے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے، ان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن

دیوبندیؒ، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہم جیسے حضرات ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے وقت اور حلقۂ اثر میں مستقل امام اور پیشوا مانے جاتے ہیں''۔

(سوانح قاسمی جلد ق ص ۱۱۳۳)

شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانیؒ :

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل و عالم تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی زیرِ سرپرستی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور پھر حضرت علامہ عثمانیؒ نے ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا آپ کو صدر مدرس مقرر فرمایا اور قیامِ پاکستان تک علمی و تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے درس میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کی محدثانہ اور متکلمانہ شان پائی جاتی تھی، درس و تدریس کے ساتھ ساتھ بہت سی علمی تصانیف بھی تالیف فرمائیں، جن میں ''علوم القرآن'' سوشلزم اور اسلام، معین القضاۃ والمفتین، اسلام دینِ فطرت، اسلام عالمگیر مذہب، شرح ضابطہ دیوانی اردو، سرمایہ دارانہ اشتراکی نظام، مدارس کا معاشرہ پر اثر، مفردات القرآن اور حقیقت زمان و مکان'' وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔

آپ اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے سیاسی نظریات کے مطابق دو قومی نظریہ کی تائید و حمایت کرتے رہے اور تحریک پاکستان میں اپنے استاذِ گرامی علامہ عثمانیؒ کے موقف کی مکمل حمایت کی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

''میرے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے بے شمار کارنامے ہیں، ان

کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ کشمیر کی جنگ کو جہاد قرار دینا ہے، حضرت علامہ عثمانیؒ ایک عظیم محدث اور محقق تھے، حدیث کے حافظ اور شارح تھے، وہ قرآن پاک کے مفسر تھے، انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر لکھ کر پوری دنیائے علم پر احسان فرمایا اور علم فقہ وکلام میں بھی ایک بلند مقام پایا اور تشکیل پاکستان کے سلسلہ میں ان کی عظیم خدمات ناقابل فراموش ہیں"۔ (بروایت مولانا محمد علی اصغر صاحب)

(علامہ افغانیؒ کے تفصیلی حالات احقر کی کتاب "تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند" میں ملاحظہ فرمایئے)

محدث العصر محمد یوسف بنوریؒ :

حضرت مولانا بنوریؒ کو شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور ہمیشہ ان کا نام نامی بڑے احترام وعقیدت سے لیتے تھے۔ "معارف السنن" اور دیگر تصنیفات میں حضرت علامہ عثمانیؒ کو "ہمارے شیخ محقق العصر" کے الفاظ سے یاد فرماتے ہیں۔ مصر تشریف لے گئے تو وہاں شیخ محمد زاہد الکوثریؒ کی خدمت میں حضرت علامہ عثمانیؒ کی طرف سے "فتح الملہم" کی دو جلدیں ہدیہ کیں اور حضرت عثمانیؒ کا تفصیلی تذکرہ ان سے کیا۔ شیخ کوثریؒ نے اس پر بڑی پُر مغز تقریظ لکھ کر دی اور حضرت عثمانیؒ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک خط بھی لکھا جو "انوار عثمانی" (ص ۸۱ تا ۸۳) میں طبع ہو چکا ہے۔ مولانا بنوریؒ نے چونکہ مدت تک حضرت علامہ عثمانیؒ کی معیت میں کام کیا اس لئے دونوں کے درمیان بڑا گہرا تعلق رہا اور حضرت علامہ عثمانیؒ آپ سے ایسا معاملہ فرماتے تھے جو ایک مخلص رفیق اور ہم عصر دوست سے کیا جاتا ہے۔ حضرت علامہ عثمانیؒ مدت تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے لیکن آخر میں مصروفیات وعوارض کی بناء پر ڈابھیل کے بجائے

مستقل طور پر دیوبند میں قیام رہا اور تقسیم کے بعد پاکستان میں تشریف لے آئے، آپ کے بعد ڈابھیل میں آپ کے جانشین بھی مولانا بنوریؒ تھے، چنانچہ حضرت بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ کہ مجھے اپنے دونوں مشائخ وحضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کی جانشینی کی سعادت نصیب ہوئی"۔ حضرت بنوریؒ کو پاکستان بلوانے کے محرک بھی حضرت علامہ عثمانیؒ ہوئے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں بطور استاد حدیث کام کرنے کا حکم فرمایا۔ بہرحال حضرت بنوریؒ کو اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام عثمانیؒ سے گہری عقیدت و محبت تھی۔ اس لئے شیخ الاسلام کی رحلت پر ایک طویل عربی مرثیہ بھی تحریر فرمایا جو علامہ سے گہرے تعلق وعشق کا اظہار ہے، یہ مرثیہ "انوار عثمانی" کے صفحہ ۲۷۹ تا ۲۸۱ پر درج ہے۔

(ماخوذ ماہنامہ بینات کراچی، محدث لاہور نمبر)

خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ :

مولانا تھانویؒ بھی حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے مخصوص تلامذۃ میں سے ہیں اور سالہا سال تک مولانا کو حضرت شیخ الاسلام کی معیت ورفاقت کا شرف حاصل رہا۔ علامہ عثمانیؒ کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کے جلسوں میں بھی مولانا شریک ہوتے رہے اور قیام پاکستان سے آٹھ روز پہلے آپ حضرت علامہ عثمانیؒ کی معیت میں کراچی وارد ہوئے۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام اس کے دستور کی ترتیب و تشکیل کا مسئلہ تھا اس کے لئے حضرت شیخ علامہ عثمانیؒ نے جس مہم کا آغاز فرمایا تھا اس میں سب سے اہم کردار مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے حصہ میں آیا، چنانچہ اس مقصد کیلئے مولانا تھانویؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے حکم پر ہندوستان کا سفر کیا اور منتخب علماء اور مفکرین میں سے علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور ڈاکٹر

حمید اللہؒ وغیرہ کو پاکستان لائے اور ان حضرات نے اسلامی دستور کے اُصول پر مشتمل ایک دستوری خاکہ تیار کیا تھا، پھر قرارداد مقاصد کی تیاری و منظوری میں بھی مولانا تھانویؒ حضرت شیخ الاسلامؒ کے دست و بازو بنے رہے، اس کے علاوہ پاکستان میں علوم دینیہ کی ایک مرکزی درسگاہ "دارالعلوم ٹنڈو الہ یار" کے قیام کی ذمہ داری اور جمعیت علماء اسلام کی نگرانی وغیرہ اہم خدمات بھی حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے مولانا تھانویؒ کے سپرد فرما دی تھیں، جنہیں مولانا نے اپنی اعلیٰ قابلیت و صلاحیت کے ساتھ باحسن وجوہ انجام دیا۔ مولانا تھانویؒ کے تفصیلی حالات راقم کی کتاب "تذکرہ خطیب الامتؒ" میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "بڑی قربانیوں اور بڑی محنت اور کوششوں کے بعد ہم نے یہ اسلامی ملک حاصل کیا ہے گو ہم اس کی خدمت کے قابل نہیں ہیں لیکن جو کچھ دین کی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے وہ ہم کر رہے ہیں یہاں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے وہ جملے مجھے آج بھی یاد ہیں جو نئی دہلی میں تقسیم سے چند مہینے پہلے دورانِ گفتگو میں ارشاد فرمائے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ پاکستان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا ٹھیک ہے خدا کرے پاکستان بن جائے لیکن یاد رکھئے آپ ایسی جگہ اور ایسی بنجر زمین میں پاکستان بنا رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں نے وہاں محنت نہ کی تو بڑا اندیشہ اور بڑا خطرہ ہے۔ میں نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا کہ دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے، پھر ملکی انقلاب آتا ہے۔ آپ لوگوں نے یہ کیا کہ پہلے ملکی انقلاب لے آئے، ذہنی انقلاب اب آپ کو پیدا کرنا ہوگا اس لئے بڑی سے بڑی نعمت بھی اگر کسی ایسے آدمی کے پاس یا کسی قوم یا گروہ کے ہاتھ میں آجائے جو اس کی صحیح قدر و قیمت کو نہ سمجھتا ہو تو یاد رکھئے کہ وہ نعمت کبھی اس کے پاس باقی رہنے والی نہیں۔ ذہن بھی اس کے

مطابق بنایئے، فرمانے لگے کہ جو کام پہلے کرنے کا تھا وہ آپ کو بعد میں کرنا پڑے گا بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور یہاں آکر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ایک شاگرد اور ان کے خادم کی حیثیت سے کاموں میں لگے رہے اور حضرت شیخ الاسلامؒ سے سیکھا کہ یہاں پر دین کا کام کس طریقہ پر کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی ایک مخصوص عادت اور ایک الگ روش تھی، میں اس کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مرتبہ کراچی شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے قیام کیلئے ایک بنگلہ کا الاٹمنٹ ہوا اس لئے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کی یہ خواہش کہ مولانا عثمانیؒ کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ الگ اپنے مکان میں رہیں، ایک مکان الاٹ ہو گیا، اتفاق سے یہ مکان کچھ قانونی دشواریوں کی بناء پر کینسل ہو گیا، کسی نے حضرت مولانا عثمانیؒ کو اطلاع دی کہ بنگلہ کا الاٹمنٹ منسوخ ہو گیا چنانچہ اسی دوران ایک جلسہ ہوا، شیخ الاسلام چونکہ بڑے خطیب تھے جب بولنے پر آتے تھے تو ماشاء اللہ خوب بولتے تھے۔ مولانا عثمانیؒ نے فرمایا کہ جب بنگلوں کا الاٹمنٹ کینسل ہو سکتا ہے تو وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں اس پر لیاقت علی خان نے مجھ سے کہا کہ مولانا عثمانیؒ ہمیں اس سے بھی سخت باتیں کہیں تو ہم برا ماننے والے نہیں۔ کل کو اگر پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو بچانے والے بھی مولانا ہی ہوں گے۔ حضرت شیخ الاسلام کا یہ جملہ تاریخی ہے کہ "مولوی حاکم بننا نہیں چاہتے بلکہ حاکموں کو تھوڑا سا مولوی بنانا چاہتے ہیں"۔ شیخ الاسلام جب بیمار ہوئے تو لیاقت علی خان نے مجھ سے فرمایا کہ میری یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مولانا عثمانیؒ کی زندگی میں دستور بن جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا خیرخواہ عالم پاکستان کو پھر شاید نہ ملے۔

ہمارے اکابر نے پاکستان کے قیام کیلئے اس وجہ سے جدوجہد کی کہ یہاں اللہ کا دین غالب ہو اور اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے نام حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ملتا ہے پھر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور پیر صاحب مانکی شریف وغیرہ حضرات پاکستان کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کا مقصد صرف دینِ اسلام کا نفاذ تھا اور اسی لئے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے قراردادِ مقاصد کے نام سے مرکزی اسمبلی میں ایک قرارداد منظور کرائی جس کی تیاری کے لئے شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء نے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام کی یہ دوسری بڑی کامیابی تھی پھر تیسری بڑی کامیابی ہوئی کہ بورڈ آف تعلیماتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا اس کی تشکیل اور ارکان کا انتخاب قطعی طور پر شیخ الاسلام کی مرضی سے ہوا اور بورڈ کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا"۔ (کلمۃ الحق ص ۳۰-۳۱ انگریز کی نامسلمانی ص ۴۲)



باب : ۴

تفسیر عثمانی، عظمت وافادیت

مولانا ابو محمد ایاز ملکانوی مدظلہ
جامعہ سراج العلوم عیدگاہ لودھراں

فوائد عثمانی' جدید تعلیم اور عصری تقاضے

قرآنِ کریم حضرت حق تعالیٰ جل شانہ کی بھیجی ہوئی کتابوں میں سے آخری کتاب ہدایت ہے، جس میں پورے عالم انسانیت کی فلاح و بہبود، کامرانی و کامیابی اور راہبری و راہنمائی کا کامل و مکمل اور وافر ترین دستور اور ضابطۂ حیات موجود ہے۔

نزولِ قرآن کے کچھ عرصہ بعد سے تا زمانہ حال مکان و زمان کی قید سے آزاد و بے نیاز اہلِ علم نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن مجید کے مفہوم و مطالب کی مختصر و مفصل تشریحات کرنے پر سعی و کاوش صرف کرتے آئے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت کرتے رہیں گے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری مالا "فوائد عثمانی" کے نام سے موسوم ہے جو دریا بکوزہ کی نپی تلی حقیقت ہے۔ ذوقِ سلیم اور عین انصاف کے مطابق فوائد عثمانی کا دیگر کتبِ تفسیر میں وہی مقام و مرتبہ ہے جو انگوٹھی میں نگینہ کا ہوتا ہے، جس میں نہ تو طویل تر دور از کار منطقی و فلسفی مباحث کی بھرمار ہے اور نہ اس قدر اختصار و گنجلک جو نا قابلِ فہم اور لائق بیان ہو اور ایسے ہی نہ تو زاہد خشک کا نہ سمجھ میں آنیوالا تصوف ہے اور نہ ہی آزاد خیال حضرات کی من چاہی بے راہ روی بلکہ افراط و تفریط سے یکسر پاک ہر طبقۂ خیال کے ضمیر کو جھنجھوڑنے والے فوائد و فرائد ہیں جس میں علمِ فقہ، تصوف و اخلاق، علم الحقائق والاسرار، علم لغت صرف و نحو غرض کہ کتاب اللہ میں مذکور جن علوم و معارف کا کسی عنوان و

حوالہ سے بھی قرآن مجید میں بیان تھا علامہ عثمانی نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے تئیں جی بھر کر ستھرے تلے الفاظ میں ایسی من موہنی تعبیرات بیان کی جس کی مثال لانے سے عقل قاصر اور فہم درماندہ وحیران ہے۔ دورِ حاضر کے عقل کل مدعیانِ فہم وفراست جدید تعلیم یافتہ حضرات سے دین کی بات کہنا مشکل اور سمجھانا مشکل تر بات ہے، جبکہ منوانا تو جوئے شیر لانے سے ہرگز کم نہیں۔ خدا بھلا کرے علامہ عثمانیؒ کا جہاں انہوں نے دیگر فرق ہائے زمانہ کے عقائد ونظریات کا بغیر نام لئے مناسب ردوتعاقب کیا ہے، وہاں آں موصوف نے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی طبع آزاد کا خیال کرتے ہوئے خاطر خواہ اطمینان بخش اور ٹھوس مواد پیش کیا، جس سے مجال انکار کی تمام تر راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں۔ اس حکیمانہ انداز اور طرز بیان کے پیش کرنے سے دیگر تفاسیر وحواشی کا دامن عام طور پر خالی ہے۔ چند ایک مثالیں بطور ضیافت طبع کے حاضر خدمت ہیں۔

(الف) شہابِ ثاقب آسمان سے ٹوٹنے والا ستارہ جو شیطان کے پیچھے آتا ہے، کی حکمت کو تمثیلات کا رنگ دے کر ایسا قریب الفہم کر دیا ہے کہ جدید خیالات کی موشگافیوں کا کلی طور پر مداوا ہو گیا۔ درج ذیل آیت کے تفسیری فوائد میں یوں رقمطراز ہیں :

ولقد جعلنا فی السماء بروجًا و زینٰھا للنّٰظرین ○ و حفظنٰھا من کل شیطٰن رجیم ○ الا من استرق السمع فاتبعہٗ شھاب مبین ○ (ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کیلئے ہم نے اس کو زینت بخشی ہے اور ہر مردود شیطان سے اس کی حفاظت کی مگر چوری سے سن کر بھاگا تو اس کے پیچھے انگارہ چمکتا ہوا پڑتا ہے)

(فوائد عثمانی) نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی (دنیاوی) اُمور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کو وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے، آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق (عنان) (بادل) میں فرشتے

اس کا مذاکرہ کرتے ہیں، شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس، ٹیلی فون جارہا ہو، اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہابِ ثاقب) چھٹتا ہے اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوادوش اور ہنگامہ دار وگیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے بیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شہابِ ثاقب کی کامل ومکمل تمثیل جس سے سلیم الفطرت جدید تعلیم یافتہ گروہ کے اطمینان قلب کا وافر مواد پیش کیا گیا، بالکل اسی طرح کی ایک اور تمثیل جو جدید طبقہ کے اطمینان کا کلی سامان ہوسکتی ہے، سیدنا سلیمان علیہ السلام اور پرندوں کی بولیوں کے سمجھنے کے بارے میں ہے جو بقول پروفیسر انوارالحسن شیرکوٹیؒ مولانا عثمانیؒ کی قوتِ بیانیہ، قوت فہمائش، جدت، ادائے شکوہ، ادب تسلسل عبارت اور صفائی ذہن کی آئینہ داری کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو :

وورث سلیمٰن داوٗد و قال یا ایھا الناس علمنا منطق الطیر واوتینا من کل شئی ان ھٰذا لھو الفضل المبین○ (سلیمان علیہ السلام داؤد کے وارث ہوئے اور کہا اے، لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہم کو ہر چیز دی گئی بے شک یہی صاف بزرگی ہے)

اس آیت کے ذیل میں علامہ عثمانیؒ رقمطراز ہیں :

"اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں اس میں ایک خاص حد تک افہام وتفہیم کی شان پائی جاتی ہے۔ ایک پرندہ جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کیلئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا

ہے، ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسی سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال اور ضروریات کے وقت بھی ان کے چہچہوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ اور متقارب معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا، جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ، اور تار کی متشابہ کھٹکھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی، لیکن ٹیلی گراف ماسٹر فوراً بتا دیگا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچر کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں سنائی دے رہی ہے کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علی ھذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی (اللہ) نے نغماتِ طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کیلئے وضع کیا ہو اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے۔ طیور کے لیے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنی بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرماوے۔ حیوانات کیلئے جزوی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے، لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں، حتی کہ حیوانات کی بولیوں کا ابجد تیار کی جارہی ہے۔

علامہ عثمانیؒ کی مذکورہ بالا تفسیر پر پروفیسر جناب انوار الحسن شیرکوٹیؒ یوں رقمطراز ہیں:

پرندوں کی بولیوں کو تلغراف کی متشابہ کھٹکھٹاہٹ فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ موجودہ یورپ کا پرندوں کی ابجد کی ترتیب حیوانات کی جزئی ادراکات سے ان کی بامعنی گفتگو پر استدلال ایک سے ایک ہی پرندوں کی مختلف اوقات میں مختلف آوازیں مثلاً مرغی جب بچوں کو کھلانے کی طرف بلاتی ہے تو کٹ کٹ کرتی ہے اور جب چیل کا خطرہ ہو تو لمبی

آواز کھینچتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

علامہ مفسرؒ کی تحقیقات جدید تعلیم یافتہ کیلئے افہام وتفہیم کے نرالے انداز ہیں۔

(تجلیاتِ عثمانیؒ ص ۱۷۷)

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی:

سلسلۂ حیوانیات پر پرندوں کے بعد چیونٹیوں کے بارے میں جو کچھ علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا ہے، وہ قدیم وجدید ہر دو طبقہ کیلئے قابل مطالعہ ہے۔

حتی اذا اتوا علی واد النمل قالت نملة یاایها النمل ادخلوا مسٰکنکم لایحطمنکم سلیمن وجنوده وهم لایشعرون۔ (یہاں تک جب (سلیمان مع لشکر) چیونٹیوں کے میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ مبادا سلیمان اور اس کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل ڈالے)

یعنی سلیمان علیہ السلام کا اپنے لاؤ ولشکر کے ساتھ ایسے میدان کی طرف گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔

(تنبیہ) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقے سے اپنا گھر بناتی ہیں، اسے زبانِ عرب میں قریۃ النمل کہتے ہیں (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں کئی ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے، جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں، ان میں کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گذر ہوا۔ علماءِ حیوانات نے سالہا سال سے جو تجربے کئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیواۃ اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شئون بشریہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاون باہمی کا جذبہ تقسیم عمل کا اُصول اور نظامِ حکومت کے امارات نوعِ انسانی کے مشابہ پائے جاتے ہیں۔

محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں بکثرت تھیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

علامہ عثمانیؒ نے حقیر ترین مخلوق چیونٹی کی نفسیات اور اس کے نظام حیات کے بارے میں اپنے فوائد میں جو تحقیقات قلم بند کی ہیں، وہ ان موصوف کی بصیرتِ قرآنی اور جلالتِ علمی و تحقیقی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سلسلۂ حیوانیات میں جس قدر تحریر فرمایا، اس سے آیت کے مفہوم و مطالب ایسے نکھر کر بے غبار ہو گئے کہ مزید کی نہ ضرورت اور نہ ہی گنجائش۔ نگارشاتِ عثمانیؒ کو بار بار ملاحظہ فرمایئے جو حُسنِ ادا اور اعجازِ بلاغت کا اچھوتا اور نادر نمونہ ہے۔ آیتِ ذیل کا ترجمہ و تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

فاوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتاً و من الشجر و مما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللاً یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذالک لآیة لقوم یتفکرون ○

(اور (اے انسان) تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں، پھر ہر طرح کے میوے کھا، پھر اپنے رب کے راستوں میں جو صاف پڑے ہیں چل پھر ان (مکھیوں) کے پیٹ سے پینے کی چیز مختلف رنگوں کی نکلتی ہے (یعنی شہد) اس میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔ یقیناً اس میں غور کرنیوالوں کیلئے نشانی ہے)

شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی ہے جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں، ان کے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے، جس کے ساتھ

مکھیوں کا جلوس چلتا ہے، جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے مسدس متساوی الاضلاع کی شکل پر ہوتے ہیں، بدون مسطر اور پرکار کے اس قدر صحت اور انضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں کو رکھنا آدمی کو حیرت زدہ بنا دیتا ہے۔

حکماءؒ کہتے ہیں کہ مسدس (چھ ضلعوں والی شکل) کے علاوہ کوئی دوسری شکل اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف راہنمائی کی جس میں ذرا فرجہ (کشادگی) بھی بیکار نہ رہے۔ کلی اور فاسلکی سب امرِ تکوینیہ ہیں، یعنی فطرتاً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد و مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ مکھیاں اپنے چھتے سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں، جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غذا حاصل کرنے اور کھاپی کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے راستے صاف کھلے پڑے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں، پھر بے تکلف اپنے چھتہ میں واپس آ جاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے "فاسلکی سبلی ربک ذللا" سے یہ مطلب لیا ہے کہ قدرت نے بڑے عمل وتصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیئے ہیں، ان پر مطیع و منقاد بن کر چلتی رہ۔ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری قویٰ وتصرفات سے شہد تیار کر، پھر شہد مختلف رنگ کا نکلتا ہے، سفید، سرخ، زرد، کہتے ہیں کہ رنگوں کا اختلاف موسم کی غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔

علامہ عثمانیؒ کے انہی فوائد کے ذیل میں فاضل شیر کوٹیؒ یوں رقمطراز ہیں، چھتے کی مسدس متساوی الاضلاع ساخت کی حکمت چھتوں اور پہاڑوں میں مسکن رائی اور رعایا کا رابطہ زندگی غذاؤں اور اس کے پھولوں کا چوسنا مکھیوں کیلئے راہوں کا کشادہ کر دیا جانا کہ "رس چوس کر اپنے ذخیرہ میں جمع کرنے کیلئے بے تحاشہ دوڑتی ہوئی آتی ہیں۔ شہد کا

اقتضائے عمر طبع کے لحاظ سے مختلف النوع ہونا غرضیکہ آیت کے مناسب کوئی بات چھوڑی نہیں گئی۔ بالخصوص ایک کیڑے کے نظامِ عسلی اور شہد کے کارخانہ کے منیجر کی نفسیات کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے ....

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

(تجلیاتِ عثمانیؒ ص:۱۷۹)

حرفِ آخر:

القاسم کے قارئین باتمکین کی خدمت میں "مشت نمونہ از خروارے" کے مناسب عنوان دو چار مثالیں نقل کر دی ہیں، جس سے باآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ حواشی باوجود مختصر ہونے کے از اول تا آخر عقل و نقل، روایت و درایت، حقائق و معارف کی سنہری زنجیر اور حسن و خوبی کی ایک ایسی مالا ہے جو فرائد ہی فرائد سے مزین و زیبا، اسم بامسمّٰی فوائد ہی فوائد ہیں جو دُرِّ عدن سے کہیں زیادہ قیمتی و گرانمایہ!

پس زمانۂ دراز اِن جیسی مثال لانے سے عاجز رہے گا۔ یہ بات محض ایک عقیدتمندانہ خوش فہمی کا اِدعا ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے، ہر طبقۂ خیال کے منصف مزاج کو اس کی تائید سے چارۂ کار نہیں۔ مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید والا معاملہ ہے۔ البتہ اگر وہی تعصب و عناد اس حقیقتِ واقعی کے تسلیم کرنے میں رُکاوٹ ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سلیم بہادر ملکانوی لودھراں
فاضل جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

حضرت علامہ عثمانیؒ
اور
اُن کے علمی جواہر پارے

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تاریخ دار العلوم دیوبند کی ایک ایسی تابناک شخصیت ہیں، جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے اور کیوں نہ ہو! کہ نسبی حوالے سے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کے بھائی، حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ (یکے از رفقائے بانیؒ دار العلوم دیوبند) کے فرزندِ ارجمند اور خلیفۂ راشد سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہونے کے حوالے سے عثمانی نسبت رکھتے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ہمعصر اور رفیق سفرِ علم، جامع المعقول والمنقول مولانا غلام رسول سرحدیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہما جیسے اساطینِ علم کے تلمیذِ خاص وفیض یافتہ اور یہ اور ان کے علاوہ دیگر آسمانِ علم و رشد و ہدایت کے منظورِ نظر اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے خاص تربیت یافتہ اور خلیفۂ اجل ہیں اور اپنے ہاتھ میں آیۃ من آیت اللہ حجۃ الاسلام حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا جو ہر ریز قلم رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی عقل وفکر رسا کے مالک تھے کہ جس سے بجز عطر بیز گوہر ریزی کے اور کچھ صادر نہیں ہوتا تھا اور ہاں چونکہ علم کی وافر دولت سے بھی مالا مال تھا اور ان کی صحت ومجالست علم کی قدر افزائی اور تعلق مع اللہ کا سبب تھی۔ غرض ان کی ذات مجموعہ محاسن تھی۔ بقول حضرت اقبالؒ ....

تیری متاعِ حیات علم و ہنر کا سرور
میری متاعِ حیات ایک دلِ ناصبور

بلاشبہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر ''ماہر، محقق، مدقق، مفسر، متکلم اور علامہ'' جیسے الفاظ اگر اپنی حیثیت نہیں کھو چکے تو یہ القابات اپنی پوری جامعیت کے ساتھ صادق آتے ہیں اور کیا کہوں! حضرت اقبال مرحوم سے سُن لیتے ہیں ....

سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

معتبر اور دیدہ ور عالمِ دین حضرت مولانا منظور نعمانیؒ حضرت عثمانیؒ کے سانحہ ارتحال پر اپنے معروف مجلہ ''الفرقان'' میں لکھتے ہیں :

''استاذِ جلیل حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہندوستان اور پاکستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی جن چند ہستیوں کے علمی رسوخ اور دینی بصیرت پر اس دور میں اعتماد کیا جا سکتا تھا، بلاشبہ حضرت مولاناؒ ان میں سے ایک تھے۔ نظر ومطالعہ کی وسعت، فکر کی دقت وسلاست اور زبان وبیان کی فصاحت و بلاغت وحلاوت کی صفات اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان میں جمع کردی تھیں، کم از کم اس عاجز نے تو ابھی تک ان میں ان کا ثانی نہیں دیکھا۔ بارہا اپنے پر یہ گزرا کہ کسی علمی اشکال کو لے کر حضرت ممدوح کی خدمت میں حاضری ہوئی

اور اس وقت برجستہ جو کچھ فرمادیا، وہی اس اشکال کا آخری اور شافی جواب تھا کبھی کسی مسئلے کی سند کی تلاش وجستجو میں رجوع کیا گیا تو فوراً جواب ملا کہ فلاں فلاں کتاب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ جن حضرات کو حضرت موصوف سے علمی استفادے کا موقع ہوا ہوگا، انہیں اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ ذہانت وذکاوت، فکر کی دقت ومتانت اور دماغ کے سلجھاؤ میں وہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔ اس طرح اپنے مدعا کو بہترین اسلوب اور نہایت دلنشین انداز میں بیان کرنے اور دقیق سے دقیق علمی حقیقتوں کو آسان کرکے سمجھا دینے کا جو خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو عطا فرمایا تھا، وہ اُن کیلئے ان کے ربّ کا خاص عطیہ تھا۔ ایک مبصر ناقد نے مولانا کی بعض تقریریں سن کر ایک زمانہ میں کہا تھا اور بالکل صحیح کہا تھا کہ جب مولانا غیبی حقیقتوں کو دلیلوں اور مثالوں سے سمجھانے اور منوانے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیب اب غیب نہیں رہیگا، بلکہ مشہود بن کر سامنے آجائے گا''۔

(الفرقان صفر ۱۳۶۹ھ بحوالہ دارالعلوم دیوبند نمبر)

لاہور میں غالباً انجمن حمایت اسلام کے زیر اہتمام سیرت کا جلسہ تھا۔ سر محمد شفیع مرحوم ''جن کا پنجاب بالخصوص لاہور میں طوطی بولتا تھا'' کی صدارت تھی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ نے سیرت جیسے اہم اور نازک موضوع پر عوام الناس کے علاوہ اہل علم اور اعاظم رجال کے بھرپور اجتماع اور قدیم وجدید طرزِ فکر کے خوبصورت اور حسین امتزاج میں کئی گھنٹے تقریر کی۔ اس کے بعد صدارتی خطبہ دینے کیلئے سر محمد شفیع مرحوم تشریف لائے۔ موصوف نے حضرت عثمانی رحمہ اللہ کے طویل خطاب کے بعد کیا صدارتی خطبہ دینا تھا۔ حضرت اقبال نے کہا اور خوب کہا ....

پروانے کی منزل سے بہت دور ہے جگنو
کیوں آتش بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

ہاں ایک حسرت کا اظہار ضرور کیا اور ایک کسک جو خطاب کے سننے سے پی... چلی تھی، اسے ان الفاظ کا جامہ پہنایا، فرماتے ہیں: "کاش کہ میری ماں بھی تعلیم کے لئے مجھے اسی مدرسے میں داخل کراتی، جس مدرسہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی ماں نے مولانا کو داخل کرایا"۔

یہ "اُس" مکتبِ فکر کے کسی معمولی آدمی کی بات نہیں بلکہ یہ اس کی بات ہے کہ جس کا اپنے "حلقۂ یاراں" میں اس دور میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس "حسرت کے اظہار" سے جہاں مرحوم کا سیرت اور علم سیرت سے گہری عقیدت کا پتہ لگتا ہے، وہاں اس سے کہیں حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے ملکۂ تقریر، رسوخ فی العلم اور سیرت طیبہ پر عمیق اور گہری نظر کا حسین اعتراف بھی ہے، پھر اقبال یاد آ گئے ....

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک
تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مؤمن، جہاں خس و خاشاک

حضرت عثمانیؒ جہاں تقریر کے بادشاہ تھے اور جوہرِ خطابت سے آراستہ و پیراستہ تھے، وہاں تحریر کیلئے حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قلم بھی اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے اہل علم وفضل نے حضرت عثمانیؒ کو حضرت نانوتویؒ کا جانشین گردانا، کسی نے قاسم ثانی کہا، اور کسی نے یہاں تک لکھ دیا کہ اگر مولانائے رومؒ شمس تبریزؒ کی اور مولانا محمد قاسمؒ، حاجی امداد اللہؒ کی زبان فیض ترجمان تھے تو مولانا شبیر

احمد عثمانیؒ حضرت نانوتویؒ کی لسان تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ علم کلام کے امام اور مجتہد تھے اور آپ نے علم کلام کو ایک نیا رنگ دیا، اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو صاف دکھائی دیگا کہ حضرت نانوتویؒ بانی جدید علم کلام ہیں۔ آپ کی تصانیف تقریر دلپذیر، آبِ حیات، تصفیۃ العقائد، حجۃ الاسلام اور ہدایۃ الشیعہ اس پر شاہد عدل ہیں۔ حضرت عثمانیؒ کے متعلق مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ لکھتے ہیں:

"لیکن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا قاسمی علوم پر اتنا عبور تھا کہ پانی کی طرح ان کے مضامین درس وتقریروں میں بہاتے تھے"۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۵۲۹)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے رسالہ "اعجاز القرآن" میں بعنوانِ "خدائی کلام سے خدائی شان ٹپکتی ہے" کے تحت لکھتے ہیں:

"پھر دیکھو اوّل سے آخر تک تمام مضامین نہایت شوکت اور کبریائی و عظمت بھرے الفاظ اور زوردار لہجہ میں ادا کیے گئے۔ اگر یہ کلام اس بشر کا ہوتا، جس کی زبان سے ہم تک پہنچا تو اس کی مظلومیت اور دشمنوں کی اس پر مختلف چڑھائیاں تو سب کو معلوم ہیں، ناممکن تھا کہ اس کلام کے اندر کہیں نہ کہیں ظالموں کے سامنے تملق، خوشامد، مداہنت، بیچارگی اور مرعوب ہونے کے آثار موجود نہ ہوتے، جن کا نام ونشان بھی قرآن میں اوّل سے آخر تک موجود نہیں، بلکہ جس زور وشور اور خدائی شوکت سے اسی تزک واحتشام اور زور کے ساتھ ختم ہوا"۔ (ص ۶۷)

ذرائع علم میں مضبوط اور قوی ترین ہونے کے ساتھ محفوظ ترین ذریعہ علم وحی الٰہی ہے۔ حضرت عثمانیؒ اس ذریعہ علم کی ضرورت اور اس کے طبعی ضرورت ہونے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"انسان کو بھوک لگتی ہے، غذا کی خواہش میں مضطرب اور بیتاب ہو کر انتڑیاں سکڑنے لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، زبان سوکھ جاتی ہے، جس طرح حق تعالیٰ نے فطری طور پر بندہ کو بھوک پیاس لگائی، اسی طرح ایک اور بھوک اور پیاس روحانی بھی لگا دی ہے جو وصول الی اللہ اور معرفت کی ہے اور یہ بھوک اور پیاس بھی فطری ہے۔ مذاہب اور امکنہ اور ازمنہ کا اختلاف اس فطرۃ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا۔ مسلمان آریہ، ہندو، عیسائی، یہود، مجوس ایک چیز میں ہیں، البتہ بعضوں کا راستہ غلط ہے، مگر مقصد ایک ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کی خواہش، سچائی کی تلاش، وصول الی اللہ، معرفتِ ربانی اور اللہ کے نزدیک ہونے کی تمنا ایک چیز ہے جو کہ انسان کے لئے فطری اور طبعی اُمور میں سے ہے۔ ہاں جب کبھی جیسا کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے، تو بھوک پیاس جیسے فطری اور طبعی اُمور بھی اس سے کنارہ کر لیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح وہ ملاحدہ جو کہ دنیا کی زندگی اور لذات میں محو ہو چکے ہیں۔ شاید ان کو معرفتِ الٰہی کی بھوک اور روحانی پیاس نہیں رہتی ہے اور اسی لئے ایسے روحانی بیماروں کا وجود کسی خاص زمانہ یا مکان میں ایسی وبا کی کثرت ہماری فطرت ہونے کے دعویٰ کو مخدوش نہیں کر سکتی"۔ (ایضاً ص:۳۴)

جمعہ وعیدین کا خطبہ کس زبان میں ہو! صرف عربی یا ہر اُس زبان میں ہو جو سامعین کی ہے۔ بعض دانشوران اور مفکرین ملت (بزعم خویش) کا یہ دعویٰ رہا ہے (شاید اب بھی ہو) کہ خطبۂ جمعہ وعیدین سے مقصود چونکہ صرف اور صرف وعظ وتذکیر ہے، تو خطبہ جب تک سامعین کی لغت اور زبان میں نہ ہوگا، تب تک مقصود حاصل نہ ہوگا۔ حضرت علامہ عثمانی" کتب لغت وفقہ سے خطبہ کی حقیقت ذکر کرنے کے بعد ایک شبہ اور اس کا جواب تحریر

فرماتے ہیں:

"اور گر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ خطبہ سے اصل مقصود وعظ وتذکیر ہے تو جب کہ قرآن شریف جو کہ اُمیین اور" آخرین منهم لما یلحقوا بهم" کیلئے اُتارا گیا ہے اور جس کی اُتارنے والے نے اس کے حق میں صاف کہہ دیا "لیکون للعالمین نذیرا" اور جس سے مقصود سوائے تبلیغ عالم اور احکام عامہ سنانے اور کچھ نہیں ہے، وہ اس لئے عربی میں اترا کہ "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه" اور تمام عجمیوں کے ذمہ یہ فرض ہوا کہ وہ جس طرح ممکن ہو، اُس کو پڑھیں اور سیکھیں، تو اگر فقہاءِ کرام خطبہ کی نسبت بھی رسول اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بلکہ تمام سلف وخلف کے عمر بھر کے تعامل کو دیکھ کر یہ حکم لگا دیں کہ وہ مسلمانوں کی سرکاری ہی زبان میں ہونا چاہئے تو کیا بعید ہے، مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہوگا کہ اگر وہ اس وعظ و پند سے متمتع ہونا چاہتے ہیں، تو اس سرکاری زبان (عربی) کو سیکھیں یا جاننے والوں سے دریافت کر لیں تاکہ کم از کم خطبہ کا ترجمہ ہی یاد رکھیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فارس میں تشریف لا کر خطبہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے"۔ (تحقیق الخطبہ ص ۲۷)

قاسمی علوم وفکر کے امین شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے قید افرنگ (مالٹا) میں ترجمۃ القرآن الکریم کے ساتھ ساتھ سورۃ نساء تک تفسیری فوائد بھی تحریر فرمائے تھے کہ زندگی نے وفا نہ کی، راہیِ ملک بقا ہو گئے اور یہ عظیم کام ادھورا رہ گیا۔ اس کی تکمیل وتتمیم کے لئے سوائے حضرت علامہ عثمانیؒ کے اور کس میں ہمت تھی۔

عربی میں مفسر امام جلال الدین المحلیؒ کے ناتمام تفسیری کام کی تکمیل قدرت نے

نوجوان مفسر امام جلال الدین سیوطیؒ کے مقدر میں رکھی تھی۔ بعد ازاں جس کا نام جلالین رکھا گیا، جو درسِ نظامی میں معتبر ترین تفسیر ہے۔ اردو میں محمود الدنیا والآخرۃ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے مختصر، جامع ترین اور بمصداق دریا بکوزہ تفسیری فوائد کو قاسم ثانی، خانوادہ عثمانی کے چشم و چراغ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ جیسے تفسیر جلالین کے دونوں حصوں میں (علی اختلاف المفسر) کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، یکساں طرز کے معلوم ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح اس مختصر اور جامع ترین تفسیر مسمّٰی بتفسیر عثمانیؒ میں بھی مکمل یک رنگی دکھائی دیتی ہے۔ علوم و معارف کا بیش بہا خزینہ ہے۔ تفاسیر کا مغز اور نچوڑ ہے اور حضرت مفسر علام کے علمی کمالات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حضرت عثمانیؒ سورۃ روم کی آیت ''فانک لا تسمع الموتی'' کے تحت تحریر کرتے ہیں :

''مفسرین نے اس موقع پر سماعِ موتٰی (مردوں کے سننے کی) بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے عہد سے اختلاف چلا آرہا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہوسکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیار خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہوجائے اسے براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں، مثلاً کسی نے کسی کو گولی مار کر ہلاک کردیا، یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہوگیا، اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کردیا، حالانکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اس کی قدرت کا

کام ہے، ورنہ اس کی مشیت کے بدون گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کرسکتا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا : فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال:۱۷) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے ''قتل و رمی'' کی نفی کرکے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کردی گئی' ٹھیک اسی طرح انک لاتسمع الموتٰی کا مطلب سمجھو یعنی تم یہ نہیں کرسکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنادو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے تو اس کا انکار کوئی مومن نہیں کرسکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہوجائے گا، اس حد تک ہم کو سماعِ موتٰی کا قائل ہونا چاہیے۔ محض قیاس کرکے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لاسکتے۔ بہرحال آیت میں الاسماع (سنانے) کی نفی سے مطلقاً سماع (سننے) کی نفی نہیں ہوتی۔ (واللہ اعلم)

سورۂ نحل کی ایک آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو :

''والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون'' (اور گھوڑے پیدا کئے اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کیلئے پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے)

یعنی سواری کرتے ہو اور (سوار ہوکر ایک طرح کی) عزت و شان ظاہر ہوتی ہے (تنبیہ) عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑے کی کچھ

حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں "گدھا نہیں حمار ہوتا ہے"۔

سورۃ نجم کی آیت ما ضلَّ صاحبکم و ما غوىٰ۔ (بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا) کے تحت تفسیر میں لکھتے ہیں :

انبیاء علیہم السلام آسمانِ نبوت کے ستارے ہیں، جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے، ایسے تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتابِ محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے، جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔

اب آخر میں حضرتؒ کی ایک نادر تحریر سے اُم المدارس از ہر ہند دار العلوم دیوبند سے متعلق ایک اہم اقتباس جو فصاحت اور اردو ادب کی جان اور انشاء پردازی کا اچھوتا نمونہ ہے، زیبِ قرطاس ہے اور اسی پر اس مضمون کا اختتام ہوتا ہے۔

میرے نزدیک آپ کو تاریخ کے سارے دفتر کو اُلٹ پلٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیوبند میں آ جاؤ اور قاسمی رشیدی (بلکہ ولی اللّٰہی) دار العلوم کو دیکھ لو، وہ خود فنِ حدیث و فقہ کی ایک مجسم تاریخ ہے کیونکہ اسی نے آج اس کساد بازاری کے زمانہ میں اس متاعِ گرانمایہ کو رواج دیا، جس کو مسلمان اپنی

بدقسمتی سے کھو بیٹھے تھے۔ یہاں پہنچ کر تم دیکھو گے کہ حدیث کی تعلیم کس طرح ہوا کرتی ہے اور کس طرح ہونی چاہئے اور کس طرح آج بھی اعناقِ مطایا کو قطع کر کے طالبینِ حدیث کے جوق در جوق مختلف اقطار و اکناف سے چلے آ رہے ہیں اور کس طرح امام بخاریؒ کے ہم وطن آج دیوبند کے دار العلوم سے ان کے قدیم ترکہ کو بخارا پہنچانے میں سرگرم ہیں اور کس طرح اس نہر کے چند قطرے مدینہ طیبہ پہنچ کر اپنے اصلی سرچشمہ سے جا ملے ہیں۔

مشتاقانِ حدیث اور عاشقانِ رسولِ کریم ﷺ کے اس ہجوم کو دیکھ کر منتظمین دار العلوم بھی تنگ مکانی سے گھبرا اُٹھے اور تقریباً چھ سال ہوئے کہ انہوں نے تاسیسِ دار الحدیث کے متعلق آواز بلند کی۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ نے اس کو سنا اور ایسے قبولِ عام کے ساتھ سنا کہ جس کی نظیر کم از کم میری نگاہ سے تاریخ میں نہیں گذری۔ میں نے کسی دار الحدیث بلکہ کسی درسگاہ کی نسبت نہیں پڑھا کہ اس میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور مشائخ عظام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہزاروں آدمیوں نے چندے بھیجے ہوں اور ایسے مبشرات بیان کیے ہوں، جو دار الحدیث دار العلوم دیوبند کی نسبت بیان کی گئیں، زیادہ تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن میں اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو دار الحدیث عہدِ ماضی میں بنائے گئے، ان کے بانی سلاطین، فرمانروا تھے اور اس کے محرک و سائل عموماً فقراء اور متوسط الحال لوگوں کی ایک جماعت ہے"۔ (یادگار تحریریں جلد دوم ص ۳۹۰)

حرفِ آخر :

حضرت علامہ عثمانیؒ لاتعداد خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ قدرت نے ان میں بہت سے

کمالات ودیعت فرمائے تھے۔ ملک وملت کیلئے دلیل راہِ حق تھے اور مردِ حق آگاہ تھے۔ ترویج واشاعتِ دین اور غلبۂ حق کیلئے حضرت رحمہ اللہ کی مساعی نمایاں اور قابلِ قدر ہیں اور بقول مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم :

"حضرت حکیم الامتؒ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی لیکن افسوس ہے کہ آج یہ بڑی نعمت بھی پاکستان وہندوستان سے اُٹھ گئی"۔

نواب آف بہاولپور کی دعوت پر جامعہ عباسیہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کیلئے بہاولپور تشریف لائے کہ وقت موعود آن پہنچا اور یہیں ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ....

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
میری بجلی میرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے

مولانا حکیم انیس احمد صدیقی صاحب

ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی

اجمالی تعارف وخصوصیات

حضرت علامہ عثمانیؒ علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور علمِ کلام میں یگانۂ روزگار شخصیت کی حیثیت کے مالک تھے۔ حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں مسلم شریف کا درس دیتے تھے، فتح الملہم شرح مسلم کی تالیف کا عظیم کارنامہ اہلِ علم کے سامنے ہے، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مرحوم نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت عثمانیؒ کو لکھا ہے کہ میں علم وفضل میں آپ کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں ہوں اور شیخ الحدیث کے عہدہ کے لئے آپ سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ (انوارِ عثمانی) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور فوائد لکھنے شروع کیے، ابھی سورۂ نساء تک فوائد لکھے تھے کہ حضرتؒ کا ۱۳۳۹ھ میں وصال ہوگیا، ترجمہ کرنے میں حضرتؒ نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کو اصل قرار دیا اور ایک صدی کی مدت میں اُردو زبان میں جو غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہوگئیں تھیں، ان کی روشنی میں شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی زبان میں جدت پیدا کردی اور اصل ترجمہ حضرت شاہ صاحب کا برقرار رکھا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے قرآن کریم کا ترجمہ کرنے سے قبل ایک مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ حضرت اس مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ کئی احباب اور معززین نے قرآن شریف کا سلیس ترجمہ کرنے کی فرمائش کی، لیکن میں نے اپنی بے بضاعتی کے علاوہ یہ عرض کیا کہ مقدمین اکابر کے فارسی اُردو تراجم موجود ہیں اور علمائے متدینین زمانۂ حال کے تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سلمہٗ اور مولانا اشرف علی تھانوی سلمہٗ کے ترجموں کو احقر نے تفصیل سے دیکھا ہے، جو آزاد پسند مترجمین کے تراجم کی غلطیوں سے پاک وصاف ہیں اور عمدہ ترجمے ہیں، پھر اب کسی جدید ترجمہ کی کیا ضرورت ہے۔ بجز اس کے کہ مترجمین کی فہرست میں ایک نام کا اضافہ ہو، احباب نے پھر بھی اصرار جاری رکھا، مجبور ہو کر میں نے عرض کیا کہ میں تراجم قدیمہ اور جدیدہ کو غور سے دیکھتا ہوں، اس کے بعد اگر کوئی نفع سمجھ میں آیا تو اس کے بعد آپ حضرات کے فرمانے کی تعمیل کروں گا ورنہ معذور ہوں، اس کے بعد میں نے حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبدالقادر قدس اللہ اسرارہم کو غور سے دیکھا تو یہ امر بے تامل معلوم ہو گیا کہ اگر یہ مقدسین اکابر قرآن شریف کی اس ضروری خدمت کو انجام نہ دیتے تو اس شدید ضرورت کے وقت ترجمہ کرنا بہت دشوار ہو جاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو انعامات شمار کئے ہیں ان میں ترجمہ فتح الرحمٰن کو بھی شمار کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ بامحاورہ ترجمہ کے بانی اور امام ہیں، اور اس کے بعد جس نے ترجمہ کیا ہے، وہ بامحاورہ ہی ترجمہ کیا ہے، چونکہ بامحاورہ ترجمہ سے قرآن شریف کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور یہی ترجموں کا مقصد اصلی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا کمال یہ ہے

کہ محاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم وترتیب کلمات قرآنی اور معانی لغویہ کو اس حد تک نباہا ہے کہ ہم جیسے لوگوں سے نہیں ہوسکتا۔ ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور اس اغراض واشارات کو جو ان کے سیدھے سادھے مختصر الفاظ میں ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسے لوگوں کے لئے فخر کی بات ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدینؒ کا کمال یہ ہے کہ تحت لفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، ان ترجموں کی بے بہا خوبیوں کے باوجود ہمارا جدید ترجمہ کرنا لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کے مترادف ہے۔

اس لئے کہ نہ ہمارے ترجمہ میں کوئی خوبی اور منفعت زائد ہے، جس کی وجہ سے جدید ترجمہ کی حاجت ہو یا سابقہ ترجموں میں کوئی نقص یا خلل ہو جس کا تدارک کیا جائے، حاشا وکلا یہ تراجم ان مقدسین نے ایسے کیے ہیں کہ ان جیسا یا ان سے بہتر ترجمہ کرنا تو ممکن نہیں ہے بلکہ ان کا پوری طرح سمجھ لینا ہی ہمارے لیے باعث افتخار ہے۔

اس چھان بین میں ایک بات دل میں بیٹھ گئی کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا افضل و مقبول اور مفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہو جائے یہ کس قدر ناقدر دانی ہے اور بدقسمتی بلکہ کفران نعمت ہوگا جس میں قصور بھی ترجمہ کا نہیں ہوگا بلکہ لوگوں کی طلب کا قصور ہوگا۔

اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی خدمت اس طرح کی جائے کہ جو الفاظ اور محاورے متروک ہو گئے ہیں، ان کو تبدیل کر دیا جائے اور بعض مواقع میں ترجمہ کے مختصر الفاظ جو اصل ترجمہ کی خوبی ہے لیکن ابنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت، اب یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ جس کی وجہ سے ایسے مفید اور قابل قدر ترجمہ

کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے ایسی جگہ کوئی مختصر لفظ زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے، پھر انشاء اللہ شاہ صاحبؒ کا یہ صدقہ فاضلہ جاری رہے گا اور اس طرح سے احقر عاجز نے بنام خدا دوشالہ میں تکمیل سے رفو کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ۱۹۳۶ء میں یہ ترجمہ ہوا۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

یادگار شہ عبد القادرؒ — ترجمہ موضح قرآن مجید
واہ کہ آن معدن صد خوبی را — کرد ترمیم اقل العبید
بے شش و پنج بگفتہ محمود — سال او فرقان حمید

آخر میں فرماتے ہیں: ”ہماری غرض صرف یہ ہے کہ یہ عمدہ اور مفید ترجمہ جو اہل علم اور عوام دونوں کو مفید ہے، ایک تھوڑے سے بہانے سے نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے اور ہم اس کے فیض سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس لئے ہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں ترمیم و اضافہ کیا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ کے اصل ترجمہ کی خوبیوں پر بھی آپ نے کافی روشنی ڈالی ہے۔

سورۂ نساء کے بعد جو فوائد ہیں وہ حضرت علامہ عثمانیؒ کے تحریر کردہ ہیں۔ حضرت نے سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کے فوائد میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرنا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ یہ حضرت شیخؒ کے تحریر فرمودہ ہیں اور ان میں کچھ ترمیم و اضافہ میں سوء ادبی کا احتمال ہے۔ حضرت مولانا عثمانیؒ نے اپنے فوائد میں محققانہ انداز میں مطالب کلام اللہ کی تشریح فرمائی ہے، لطائف و معارف کا ایک سمندر ان فوائد میں جمع کر دیا ہے، بہت سے اشکالات جو زائغین اور ملحدین نے پھیلا رکھے تھے، ان کو حل کرنے کے لئے بڑے بڑے دفاتر بھی کفایت نہ کرتے، وہ حضرت نے ان فوائد میں جمع فرما دیئے ہیں۔

خاص طور سے فرقہ مرزائیہ اور ملحدین کے ابہام کا قلع قمع فرما دیا ہے جو کہ اس زمانہ کی بہت بڑی ضرورت تھی، وہ حضرتؒ کے ان فوائد سے پوری ہو گئی ہے، حضرت کے فوائد میں آپ کا مخصوص رنگ محققانہ، مفسرانہ اور مجددانہ پوری طرح موجود ہے، آپ نے روح المعانی، تفسیر ابن کثیر وغیرہما تفاسیر کو پیش نظر رکھا ہے، ان مختصر فوائد کو کئی بڑی بڑی تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے، جس کا صحیح اندازہ اس کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

یہ ترجمہ اور فوائد ہند و پاک میں بار بار چھپ چکے ہیں، تاج کمپنی نے بھی شائع کیا ہے، کراچی کی انجمن اشاعت قرآن نے نہایت عمدہ کاغذ پر ہانگ کانگ سے چھپوا کر کئی ہزار نسخے مفت تقسیم کیے ہیں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

یہ ترجمہ اور فوائد فارسی زبان میں منتقل کر کے حکومت افغانستان نے نہایت اہتمام سے ۱۳۲۳ھ میں طبع کر کے شائع کیا۔

حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ نے عام مسلمانوں میں قرآن حکیم کے درس کا سلسلہ شروع فرمایا اور اپنے تلامذہ کو حکم دیا کہ وہ اس سلسلہ کو پھیلائیں۔

حضرت نے جو سلسلۂ درس جاری فرمایا تھا، اس میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد شفیع مفتی صاحبؒ وغیرہ آپ کے درس میں شریک ہوتے، لیکن آپ کا وصال ہو جانے سے یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، بہر صورت ملک کے گوشہ گوشہ میں جو درسِ قرآن جاری ہوا اس کے محرک حضرتؒ تھے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ایک تصنیف اعجاز القرآن بھی ہے۔

جناب عرفان اکبر راولپنڈی

تفسیرِ عثمانی ایک عہد آفریں تفسیر

جناب عرفان اکبر نوجوان اہلِ قلم، صاحبِ ذوق ومطالعہ اور علم وعمل کے بندے متوالے ہیں۔ جوانی میں اللہ نے انہیں مطالعہ وتحقیق اور مطالعہ تفسیر کا شوق وافر عطا فرمایا ہے۔ پیشِ نظر مفصل مقالہ ان ہی کے تحقیقی رشحاتِ قلم کا ثمرہ ہے، اربابِ فضل وکمال یقیناً اس کی قدر کریں گے ....(ادارہ)

''آؤ اس منتدرِ عام کی کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے کہ آیا وہ خدا کا کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جب تم اس کی تفتیش کرو گے تو تم کو اس کتاب میں تہذیبِ اخلاق، طریقِ تمدن ومعاشرت، اُصولِ حکومت وسیاست، ترقی روحانیت، تحصیل معرفتِ ربانی، تزکیۂ نفوس، تنویرِ قلوب، غرض یہ کہ وصول الی اللہ اور تنظیم ورفاہیتِ خلائق کے وہ تمام قواعد وسامان موجود نظر آئیں گے جن سے کہ آفرینشِ عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب وتدوین کی ایک اُمّی قوم کے اُمّی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم وحکم کا تکفل کرنے کے ساتھ جن کے بغیر مخلوق اور خالق کا تعلق صحیح طور پر قائم نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے۔ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت وبلاغت جامع ومئوثر اور دلربا طرزِ بیان، دریا کا سا تموج اور روانی، سہلِ ممتنع سلاست، اسالیبِ کلام کا تفنن اور اس کی لذت وحلاوت اور شہنشاہانہ شان وشکوہ، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا ہے۔

جس وقت سے قرآن کے جمالِ جہاں آراء نے غیب کی نقاب اُلٹی اور آدم کی اولاد کو اپنے سے روشناس کیا اس کا برابر دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں اور جسطرح خدا کی زمین جیسی زمین اور خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی''۔

اللہ جل جلالہٗ کے اس بڑے معجزے ''قرآن مجید'' کا ایسا پُرزور، ایمان افروز تعارف کرانے والی ہستی کا نام ''شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ'' ہے'' آپ اپنے وقت کے محدث ومفسر ومتکلم فقیہہ، بارع، نقاد وغواص بحرِ علم اور اعلیٰ مدبر تھے۔''

(آج اس پُر مسرت موقع پر جب ماہنامہ القاسم کے خاص علامہ عثمانی نمبر میں مجھے تفسیر عثمانی کے تعارف کا ایک معمولی خدمت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ علم وتحقیق، جستجو ومطالعہ، کی رو سے یہ تحریر اک حقیری سی کاوش ہے مگر تمسک وتعلق، انتساب واتباع کے حوالہ سے میرے لئے یہ انتہائی خوش نصیبی کی بات ہے کہ مجھ بے عمل اور بے علم کو علامہ عثمانیؒ سے اک گونہ نسبت حاصل ہو رہی ہے جو کہ یقیناً میرے لئے انتہائی سعادت دینوی واخروی کا سرمایہ ہے)

علامہ عثمانیؒ نے اپنے علم وفضل، تحقیق وتدقیق، کے جن مظاہر سے دنیائے علم ومعرفت کو روشناس کروایا ہے اُن میں اُردو زبان میں قرآن پاک کی تفسیر سب سے اعلیٰ وارفع امتیازی شان لیئے ہوئے ہے جو کہ محترم مرحوم نے حضرت شیخ الہند شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمہ قرآن پر تحریر کی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم تفسیر عثمانی کی طرف بڑھیں یہ ضروری ہے کہ ہم شیخ الہند اور اُنکے ترجمۂ قرآن کے بارے میں کچھ جان لیں۔ کیونکہ ترجمۂ قرآن از شیخ الہندؒ اور تفسیر عثمانی کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، گویا گل وبلبل کا سا تعلق ہے۔

دورِ حاضر میں اقدار کے پیمانے بدل گئے ہیں، اخلاق وتقویٰ کی راہیں پُر پیچ اور کٹھن ہو چکی ہیں، تعصب اور بے اعتدالی عام روش ہے، محاسن وہنر سے نظر اندازی اور عیوب کی تاک اعلیٰ کمال تسلیم کر لیے گئے ہیں۔ اور کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ''معاصرت سب سے بڑا فتنہ ہے اہل علم کے لئے''۔ سو ایسے دور میں رواداری، دوسروں کے محاسن کو نہ صرف تسلیم کرنا بلکہ تعریف وتحسین کرنا اک افسانہ ہے اسی افسانوی دور میں ابھی ماضی قریب ہی کی ایک حقیقت کو بھی ملاحظہ کرتے چلیے۔

کہ ''مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ اپنے استاد شیخ محمود الحسنؒ کی یاد یوں فرماتے ہیں ''موصوف بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص اُنس تھا۔ میرا چشم دید واقعہ بلکہ روزانہ کے واقعات ہیں کہ آپ جس چوکی پر حدیث کی کتاب رکھ کر پڑھاتے تھے۔ منطق اور فلسفہ کی کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے۔ یہ واقعہ میں اپنی ساری مدتِ تعلیم میں دیکھتا رہا۔'' (قرآنِ پاک کے اردو تراجم ص: ۴۲۲)

اور ''صاحبِ مقرر جناب جسٹس پیر کرم شاہؒ اپنی گفتگو سمیٹ رہے تھے انہوں نے کہا ''اچھا میں آپ کو قرآن فہمی کا ایک آسان نسخہ بتاتا ہوں'' میرے کان کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا '' آپ چالیس روز بلاناغہ قرآن حکیم کا مطالعہ شیخ الہند حضرت محمود الحسنؒ کے اردو ترجمہ کے ساتھ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کتاب آپ سے ہم کلام ہو جائے گی۔'' (دل میں اترتے حرف ص ۱۲ ناشر ۲۳۔سی ادب سرائے اسلام آباد

(ماہنامہ الشریعہ، اپریل ۲۰۰۴ء)

نہ مزا ہے دوستی میں نہ ہے لطف دشمنی میں
کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا

حضرت شیخ الہند کا ترجمہ قرآن میں انہماک اور ایک اہم انکشاف:

''حضرت شیخ الہندؒ کے لئے ترجمہ قرآن کرنا اس قدر اہمیت کا کام تھا کہ حضرتؒ کی جلاوطنی مالٹا کے دوران جب جہاز کو سمندری طوفان سے سابقہ پڑا تو حضرت نے اپنے رفقاء سفر کے سینوں کے ساتھ ترجمہ کیئے ہوئے چند پاروں کے اوراق بندھوا دیے تھے کہ کہیں کوئی صورت بچاؤ کی نکل آئے تو یہ اوراق بھی محفوظ رہیں۔

(بروایت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تفسیر عثمانی بجنور)

آخر آہستہ آہستہ اس کام میں مکمل انہماک اور شغف کے نتیجہ میں خود فرماتے تھے کہ ''جیل میں قید کی تنہائیوں میں، مَیں نے مسلمانوں کے زوال اور بدحالی پر غور کیا تو دو وجوہات میرے سامنے آئیں کہ آپس کا اختلاف وافتراق اور قرآن کریم سے دوری، یہ مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجوہ ہیں''۔ (بروایت مفتی اعظم محمد شفیع، وحدت امت)

اسی قرآن فہمی سے آپ نے مسلمانوں کو روشناس کروانے کے لئے خاندان ولی اللہ کی روایات عظیمہ کو مشعلِ راہ بنایا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی یہی تڑپ اور لگن، جہاں آپ کو خدمت قرآن (ترجمہ وتفسیر بزبان اردو) کے لیے ہمہ تن متوجہ کیے رہی، وہیں آپ کی دعوت وتربیت اپنے طلباء و معاصرین کے لیے اک مسلسل ترغیب وتحریص برائے خدمت قرآن اک عظیم مشن بن گئی، سو آپ عالی جناب کے ہی احباب وتلامذہ میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے ترجمہ وتحشیہ قرآن کی خدمت سرانجام دی، اور پھر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفصیلی تفسیر ''بیان القرآن'' منظر عام پر آئی اس شان سے کہ آج تک برصغیر کے مفسرین قرآن اسکے علوم و معارف، علمی نکات، سلوک وطریقت کے لطیف اشارات سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں کر پائے!

علامہ کے فوائد القرآن پر آراء جاننے سے پہلے اگر ہم مولانا کی ایک ممتاز ترین خوبی کا تذکرہ کر کے لیں تو آئندہ آنے والے محققین کی آراء جلیلہ کی روشنی میں ہمارا تعلق علامہ کی نگارشاتِ علمیہ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا!

شارحِ علومِ ولی اللّہی، ماہر و محققِ حکمتِ قاسمی

ترجمان محدث کشمیری

واقعہ یوں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں بے شمار انعامات وعلوم علامہ عثمانیؒ کو عطاء فرمائے وہیں ایک ایسی محققانہ طبیعت اور ماہرانہ صلاحیت سے بھی نوازا۔ جس کی بدولت آپ نے علوم ولی اللّہی کو مکمل طور پر ضبط کیا جو کہ "حضرت شاہ ولی اللہ (آپ بلاشبہ اپنے وقت کے امام العصر، اور مجدد العلوم شرعیہ تھے، آج خصوصاً قرآنی علوم سے استفادہ میں آسانی، اور تعلیم قرآن کی جتنی بھی صورتیں نظر آتی ہیں سب آپؒ ہی کی مساعی جمیلہ، مجاہدات علمیہ اور دعوتِ اعتصام قرآن وسنت کا نتیجہ ہیں، آپ نے فارسی میں ترجمۂ قرآن (فتح الرحمٰن معہ مختصر حاشیہ) تحریر فرما کر باقاعدہ عملی طور پر فہم قرآنی اور مطالب ربانی عام عوام تک پہچانے کی اجتہادی اور اصلاحی کاوش فرمائی ہے اُصول تفسیر میں آپ نے رسالہ فوز الکبیر تحریر فرما کر آیندہ آنے والے مفسرین کو سلیقۂ تفسیر عطاء فرمایا ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (شاہ ولی اللہؒ کے فرزندوں میں سب سے زیادہ علوم کی ترویج اور تبلیغ آپ ہی کے ذریعے ہوئی، آپ نے اپنے والد گرامی کے مشن کو بدستور جاری رکھا اور تحریک ترجمہ وتفسیرِ قرآن کو بڑی تندہی اور جانفشانی سے آگے بڑھایا، فارسی میں آپ نے مکمل تفسیر قرآن تحریر فرمائی جو کہ "تفسیر عزیزی" کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر علماء راسخین کا یہ قول ہے، قرآن کے قرض سے اُمتِ مسلمہ اس بے مثال اور بے نظیر تفسیر کی بدولت سبکدوش ہو جاتی، مگر شومئی قسمت یہ قرآنی علوم ومعرفت کا خزینہ ۱۸۵۷ء کے

فسادات میں استدادِ زمانہ کے باعث لُٹ گیا، اب بھی جو کچھ باقی ہے مطالبِ قرآن کے بیان میں ابھی تک کی تمام کاوشوں اور خدمتوں پر فائق ہے، حال ہی میں دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل مولانا سفیر احمد نے موجودہ تفسیرِ عزیزی کے ۳۰ واں پارہ کی تسہیل وتشریح کی ہے، جو کہ ادارہ اسلامیات لاہور نے شائع کی ہے)

حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ (شاہ رفیع الدینؒ بن شاہ ولی اللہ، بہت بڑے امام، عالم کبیر، علامہ دہر، محدث، متکلم، ماہر اصول، اپنے دور کی منفرد نادرۂ روزگار شخصیت تھے، آپ بھی اس خانوادہ کی تحریکِ تفہیم قرآن کا مضبوط ستون تھے، آپکے والد گرامی نے قرآن کو سمجھنے کے لیے فارسی ترجمہ کیا تھا اور شاہ رفیع الدین نے متن کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہوئے اردو میں اسکا عمدہ لفظی ترجمہ (تحت اللفظ) کیا جسکی وجہ سے لاکھوں کروڑوں مسلمان دین وایمان کی راہ پر گامزن ہوئے۔ ایک "تفسیر رفیعی" بھی آپ سے منسوب ہے، دیکھیے محاسن موضح القرآن)

اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ (حضرت شاہ عبدالقادرؒ بن شاہ ولی اللہؒ، عارف باللہ، مفسر ومحدث اور کامل شیخ ومُربی تھے۔ اپنے پیش رو بھائیوں کی طرح آپ نے اپنے والد صاحبؒ کی اس تحریک کو اولین مقصد بنا کر اہل ہند کے لیے مُنتہائے کمال تک پہنچایا، اور ترجمہ اور تفسیر قرآن سے روشناسی کا جو بیڑا عوام الناس کے لیے اُٹھایا تھا، اُسے بامِ عروج بخشا۔ "حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا بامحاورہ ترجمہ "موضح القرآن" علمی اور ادبی اور قبول عام کے لحاظ سے اردو ترجموں میں کیا درجہ رکھتا ہے؟ اسکے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اہل علم اور اربابِ طریقت دونوں اس ترجمہ کو "الہامی" ترجمہ قرار دیتے ہیں"۔

(محاسن موضح القرآن۔ ص ۷۰)

حضراتؒ کے انکشافات اور علمی مجاہدات سے مرکب ہیں"۔ مفسر قرآن علامہ

اخلاق حسین قاسمی فرماتے ہیں "علمائے دیو بند ولی اللّٰہی علوم کے صحیح وارث وامین ہیں ان حضرات نے ولی اللّٰہی علوم کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے/ اور ان حضرات کے درس و بیان سے جو خاص چیز ملتی تھی وہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اجتہادی علوم کی چاشنی"۔

(محاسن موضح القرآن ص ۳۵/۳۶)

پھر حکمت قاسمیہ پر مکمل عبور ومہارت رکھنے والے علمائے کرام بخوبی اس بات سے واقف ہیں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم عقلیہ اور طریق استنباط کس قدر عمیق اور اس کے منتہائے مقصود تک رسائی بحر علوم میں گہری غوطہ زنی کے بعد ہوتی ہے۔ چنانچہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں" (علامہ عثمانیؒ) آپ اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ قدس سرہ بانی دارالعلوم دیو بند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور درسوں میں آپ کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔

(اکابر علمائے دیو بند ص:۹۳)

اور حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہے" اس وقت تک سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی کسی تحریر یا کتاب کے پڑھنے کا موقع مجھے نہیں ملا تھا، حضرت مولانا عثمانی نے، جیسا کہ بعد کو پتا چلا اپنی خداداد، ذکاوت وذہانت کی مدد سے قاسمی نظریات ومعارف کو گویا دینی تفہیم کا ایک مستقل نظام ہی بنالیا تھا، حضرت نانوتوی کے خصوصی افکار کو عصری تعبیروں میں پیش کرنیکی غیر معمولی مہارت انکو حاصل تھی، جنکے متعلق مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ مولانا عثمانی سے پہلے میں نے کسی سے نہ سنی تھیں اور نہ کسی کتاب یا مضمون میں اسکا سراغ ملا تھا"۔ (دارالعلوم دیو بند میں بیتے ہوئے دن ص:۳۰،۱۷،۱۸)

اور مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ" حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم اور

نظریات، حضرت مجدد العصر شاہ ولی اللہؒ کے علوم اور کتابیں سمجھنے کی استعداد پیدا کرتے ہیں"۔ (مشاہیر کی محسن کتابیں، مرتبہ مولانا عمران ندویؒ)

اور تیسری نادر روزگار ہستی محدث الہند امام العلوم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ہے۔ (جن کے متعلق نائب شیخ الاسلام خلافت عثمانیہ (ترکی) علامہ زاہد الکوثریؒ مصری نے لکھا ہے کہ احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم اُمت میں نہیں گزرا۔ (بیس بڑے مسلمان)

جن کی ذات گرامی کے علوم ومعرفت سے نیازمندی کا نتیجہ تھا کہ علامہ عثمانیؒ نے اپنے فوائد میں جابجا حضرت کشمیریؒ کی تحقیقات کو مرجع، اوران کے علوم وفنون کو بنیادِ تحقیق بنا کر تشریحات وتوضیحاتِ آیات قرآنی کا زبردست علمی شاہکار تخلیق کیا ہے۔ آپ کی رفاقت ورہنمائی نے علامہ عثمانیؒ کو علوم ومعرفت وحدیث کا بحرِ بے کراں بنادیا تھا۔ مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ فرماتے ہیں۔" واضح ہو کہ حضرت شاہ صاحبؒ تفسیر کے بارے میں نہایت محتاط تھے اور کوئی بات بھی اکابر مفسرین یا جمہور سلف وخلف کی رائے کے خلاف پسند و اختیار نہیں فرماتے تھے آپ کی تالیف مشکلات القرآن وفوائد علامہ عثمانیؒ میں آپ کے افادات اس پر شاہد عدل ہیں"۔ (ملفوظات محدث کشمیری ص:۲۱۶)

آگے یہ واقعہ بھی آرہا ہے کہ اس تفسیر کی کٹھن راہ کو طے کرنے کے لیے علامہ عثمانیؒ نے کیسے حضرت کشمیریؒ سے استفادہ فرمایا ہے۔

خدمتِ قرآن کی یہ راہ جس قدر عہد وفا کی پاسداری کی متقاضی ہے جس طرح اعلیٰ وارفع ہے اُسی قدر کٹھن اور پُر مشقت بھی ہے اُسی طرح امتحان واحتساب علوم و معرفت بھی ہے۔ سو علامہ عثمانی کو اس راہِ عشق ووفا میں جو سرفرازی نصیب ہوئی اُس پُر عزم داستاں کا حال ملاحظہ فرمائیے" شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ بانی دارالعلوم اکوڑہ خٹک نے ارشاد فرمایا: "ایک روز دوران گفتگو میں نے دریافت کیا حضرت! آپ کی تصانیف

میں سب ایک سے ایک بڑھ کر ہیں "فتح الملہم شرح صحیح مسلم" جیسی علمی اور بلند پایہ کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ وتفسیر قرآن کی تکمیل "فوائد عثمانیہ" کے نام سے کی ہیں، ان میں زیادہ محنت، تعب اور مشکل اور دِقت کس تصنیف میں آپ کو پیش آئی۔" تو انہوں نے بڑی شفقت سے فرمایا تصنیف اور تالیف کے میدان میں خدا کا فضل شامل حال رہا جس موضوع پر لکھنا چاہا اللہ تعالی کی مدد نے یاوری کی، البتہ "حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے وفوائد کی تکمیل میں بڑے جزم واحتیاط اور سوچ وبچار سے کام لینا پڑا، اور یہ خدا کے فضل اور اس کے احسان سے پایۂ تکمیل کو پہنچا"۔

(علمی اور مطالعاتی زندگی ص:۳۹، مرتبہ مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ العالی)

اسی طرز کا ایک دوسرا واقعہ ہے جس سے کہ علامہ عثمانیؒ کی احتیاط اور تشریح آیات کے سلسلہ میں انتہائی محنت وکوشش کے اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب حیات انور اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں کہ :

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا :

"جب فوائد لکھتے لکھتے اِن آیات پر پہنچا جو حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں ہیں تو پندرہ دن ان آیات کے متعلق تحقیق وتفتیش میں سرگرداں وپریشان رہا۔ جہاں تک امکان تھا قدیم وجدید تفسیریں اور شروح حدیث کو چھان مارا لیکن کوئی بات ایسی قابل تسکین نہ ملی جس سے یہ خلش دور ہو۔ حضرت شاہؒ صاحب اِس وقت بیمار تھے بیماری کے خیال سے انکے پاس جانے سے ہچکچاتا تھا جب دیکھا کہ کوئی صورت تسلی واطمینان کی نہیں تو ناچار حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا :

"بے شک ان آیات میں اشکال ہے البتہ میری نظر سے ایک حدیث گذری

ہے جو مستدرک حاکم میں ہے۔ ضعف ہی کی حالت میں مستدرک اُٹھائی دو چار ورق پلٹ کر انگلی رکھ کر ایک حدیث بتلادی کہ اس حدیث میں اِن آیات کے متعلق حل نکل سکتا ہے"۔

(حیات انور ص ۳۹۴، ۳۵۰، بحوالہ رسالہ مولانا انور شاہ کشمیری کے علوم ومعارف، مولانا محمد اقبال قریشی)

سب سے پہلے علامہ عثمانیؒ کو جو تعلق حضرت کشمیریؒ سے تھا اُس کے سبب محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحسین اور تائید نذر قارئین کی جاتی ہے! پروفیسر انوار الحسن صاحبؒ اپنی کتاب "تجلیات عثمانی" میں رقمطراز ہیں "مولانا انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں کہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے تفسیر قرآن لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے"۔

(بحوالہ علمائے پاکستان کی تفسیری خدمات ص:۷۹)

۱۳۵۵ ہجری ۱۹۳۶ عیسوی میں یہ ترجمہ شیخ الہند معہ فوائد عثمانیہ کے ساتھ شائع ہوا تو تمام جید اہل قلم وفن نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے فوائد کی اصابت وافادیت کے بارے میں اپنی آراء جلیلہ پیش کیں۔ اور دیکھیے علامہ عثمانی اور انکے فوائد کے متعلق کیسی کیسی عظمتیں اور رفعتیں تسلیم کی ہیں۔ (پہلی بار حضرت شیخ الہند کا ترجمہ اور بعد میں علامہ عثمانی کے فوائد بھی پہلی بار مولانا مجید حسن مالک اخبار مدینہ بجنور (یو۔پی) نے طبع کروایا درج بالا آراء اُن کے نام اکابرین کے خطوط سے اخذ کی گئی ہیں جو اس تفسیر کے شروع میں شائع کیے گئے تھے۔ لہذا درمیان میں مولانا موصوف کی طرف بھی تکلم وخطاب ہے ہمیں مجبوراً ان فقرات کو فی الحال بوجہ اختصار حذف کرنا پڑا ہے جس سے ربط میں تھوڑی نامناسبت محسوس ہوگی)

علامہ کے دور کے تمام اہل علم وماہرین فن مولانا عثمانی کی اس تصنیف دلپذیر میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں "......فوائد تفسیریہ کے متعلق اس قدر عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ معارف قرآنیہ کو اردو زبان میں اس خوبی،

خوشنمائی، شگفتگی، متانت، سلاست، فصاحت، بلاغت کے ساتھ منصۂ شہود پر لانا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ہی کا حصہ تھا۔ مولانا موصوف کے قلم حقیقت رقم سے معارف وحکم قرآنیہ کا یہ بیش بہا ذخیرہ اہل ہند کے لئے مہیا فرمادیا۔ (''ص۔ج''تفسیر عثمانی طابع وناشر: مولانا محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ بجنور (یو۔پی، انڈیا) ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/ 1936)

مولانا حسین احمد مدنیؒ (جس ہستی کو دنیا شیخ العرب والعجم کے نام سے یاد کرتی ہے۔ خود آپ نے اپنے عہد میں باصرار دارالعلوم دیوبند میں ترجمہ وتفسیر قرآن کے درجہ کا آغاز کروایا جسکا اجراء مبارک مرشدِ کامل حضرت اشرف علی تھانویؒ نے حضرت مدنیؒ کی درخواست پر کیا تھا آپ کے ''درسِ سورۃ فاتحہ'' مولانا میاں صاحب نے ضبطِ تحریر فرما کر کے شائع کروائے ہیں) اپنے تاثرات یوں بیان فرماتے ہیں۔ ''ان ازمنہ اخیرہ میں حسب وعدہ ازلیہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون اور ثم ان علینا بیانه قدرت قدیمہ نے جس طرح امام الائمہ حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ العزیز کو بامحاورہ ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ فرما کر اصلاح عباد کے لئے عظیم الشان سامان ہدایت مہیا فرمادیا تھا۔ اس طرح اسکے بعد مولانا شبیر احمد صاحب موصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ازالۂ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لئے عدیم النظیر حجۃ بالغہ قایم کردی ہے۔ ان حواشی اور مہتم بالشان فوائد سے نہ صرف ترجمہ مذکورہ میں چار چاند لگ گئے ہیں بلکہ ان بے شمار شکوک وشبہات کا بھی قلع قمع ہوگیا ہے جو کہ کوتاہ فہموں کو اس کتاب اللہ اور دین حنیف کے متعلق پیش آتے رہے ہیں۔ یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندروں کو کوزہ میں بھر دیا ہے...... میں امید کرتا ہوں کہ شائقین علیم سادقہ جلد تر اس نسخہ عجیبہ سے استفادہ کر کے دل ودماغ کو منور فرمائیں گے۔

(''ص۔ج''تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/ 1936)

مولانا عبیداللہ سندھیؒ: (شیخ الہندؒ کے شغفِ قرآنی اور دعوتِ فہم قرآن کی تحریک کا پُرزور اثر جن ذہین، عالم وفاضل ہستیوں پر پڑا اُن میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا ایک نمایاں مقام ہے۔ آپ نے خدمتِ قرآن کے حوالہ سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپکا اپنا ایک مخصوص انداز تھا۔ فہمِ قرآن کو عام کرنے کیلئے آپ نے اپنی تمام عمر صرف فرما دی۔ ماہرینِ معارفِ قرآنیہ کی تحقیق کے مطابق کہیں کہیں آپ سے تسامح بھی ہوا ہے مگر علوم قرآن اور اسکے مطالب ومفاہیم کی اشاعت میں جو کردار موصوف کا ہے اُس سے کسی کو انکار نہیں) تفسیر عثمانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''میں نے ایسی تفسیر ابھی تک نہیں دیکھی۔ اس میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہ کی روح کارفرما ہے''۔

(اکابر علمائے دیوبند ص: ۹۶)

حضرت سندھیؒ خود بڑے نکتہ ور، نکتہ شناس تھے آپ عقلیات میں حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کی نگارشات پر فریفتہ تھے، کچھ عجب نہیں کہ آپ کی درج بالا رائے گرامی کی وجہ شاید یہی ہو، کہ حضرت علامہ عثمانیؒ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کے نہ صرف شناسا تھے بلکہ اس کی بنیاد پر افہام وتفہیم کے اک نئے اور نرالے انداز کے شارح بھی تھے جس میں علامہ منفرد نظر آتے ہیں۔ سو حضرت قاسم نانوتویؒ کی تعلیمات سے اخذ واستفادہ کا ایک بڑا سلسلہ علامہ عثمانیؒ کی ذات سے منظر عام پر آیا۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ: (مولانا احمد علی لاہوریؒ نے دعوت قرآن اور فہم قرآن کو عام کرنے کے لئے ساری عمر لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا آپ نے حضرت عبیداللہ سندھیؒ سے بنفس نفیس سبقاً سبقاً تفسیر قرآن پڑھی تھی، آپ نے خود قرآن پاک کا ترجمہ بھی فرمایا، اور معانی خیز حاشیہ بھی رقم فرمایا) آپ فرماتے ہیں'' علامۂ دوراں، رئیس مفسرین زماں حضرت مولانا شبیر احمد دامت برکاتہم نے بقیہ ۲۱ پاروں کے حواشی مرتب فرمائے، گو حواشی مختصر مگر جامع ترین ہیں جو باوجود اختصار کے تمام ضخیم جلدوں کے

مطالعہ سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب دام مجدہم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے محنت شاقہ برداشت فرما کر مضامین قرآن حکیم کا ایک بہترین نچوڑ تشنگان علوم معارف قرآنیہ کے سامنے رکھ دیا۔

(''ص۔ذ'' تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/ 1936ء)

حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ: (آپ مفسر قرآن سحبان الہند کے نام سے جانے جاتے تھے، آپ کی تفسیر ''کشف الرحمٰن'' اردو کی بہترین تالیف ہے۔ آپ تفسیری علوم کے بڑے محقق اور ماہر تھے۔ اردو زبان کی سند تھے۔ تمام تراجم سنتے اور بے لاگ تبصرہ فرماتے۔ ''موضح القرآن'' کے ایک ایک لفظ کی تحقیق کرتے تھے۔ مولانا کے عوامی مواعظ بھی قرآنی آیات ولطائف سے معمور ہوتے تھے۔)

حواشی شبیر پر اپنے تاثرات یوں پیش فرماتے ہیں ''حضرت شیخ الہندؒ نے سعی فرمائی تھی جو سوءِ اتفاق سے مکمل نہ ہوئی لیکن '' کُلّ اَمرٍ مَرهُونٌ باَوقَاتِهَا '' حضرت رئیس المفسرین مولانا شبیر احمد عثمانی دامت برکاتہم نے اس ضرورت کو باحسن الوجوہ پورا کر دیا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا تبحر علمی اور تحریر وتقریر کا خداداد ملکہ محتاج تعارف نہیں ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد مدظلہ کی یہ تفسیر جو آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کے ساتھ شائع کی ہے، بعض اہم اور مشکل مقامات سے میں نے مطالعہ کی ہے اور میں بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ معارف قرآنیہ اور مسائل مہمہ کو جس حُسنِ بیان کے ساتھ زبان کی سلاست اور شگفتگی کی رعایت رکھتے ہوئے عام فہم اردو میں مولانا نے ادا فرمایا ہے وہ مولانا ممدوح ہی کا حصہ ہے ''ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ'' حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے اس حاشیہ نے اہل علم کو صدہا کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اردو زبان میں قرآن شریف کے مطالب کا اس قدر بہترین مختصر، جامع ذخیرہ اِس وقت تک فقیر کی نظر سے نہیں گذرا ''۔ (تفسیر عثمانی۔ 1936ء)

مولانا خواجہ عبدالحیٔ صاحبؒ: (آپ استاذ تفسیر (ناظم دینیات جامع ملیّ دلی) تھے۔ لاہور آسٹریلیا مسجد میں آپ کے عام فہم درسِ قرآن کا شہر بھر میں بڑا شہرہ تھا۔ عوام الناس کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کروانے کے لئے آپ کی خدمات بے مثال ہیں۔ آج بھی ''درس قرآن'' کے نام سے پورے قرآن کے دروس متواتر شائع ہو رہے ہیں۔ مختلف سورتوں کی تفاسیر، بیان، الخلافۃ الکبریٰ، سبیل الرشاد، برہان، عبرت، صراط مستقیم، سبل السلام، ذکریٰ، بصائر وغیرہ کے نام سے شائع ہوئی ہیں) فرماتے ہیں ''دہی مترجم قرآن پاک پھر طبع کیا گیا ہے مگر اِس بزرگ کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے جو آج ہندوستان میں بلا ریب سرتاج مفسرین اور قرآنی حکم ونظائر کے سب سے بڑے واقف مانے جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے قلم حقیقت رقم سے ایک طرف بلاغتِ قرآنی کے دریا بہا دیئے ہیں اور دوسری جانب معارف قرآنی کے انمول موتی اوراق پر بکھیر دیئے ہیں۔ (''ص۔ج'' تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ)

مولانا محمد یوسف بنوریؒ (1936 علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا عثمانیؒ کے شاگرد رشید جنہوں نے ''حضرت انور شاہ کشمیریؒ'' کی عربی کتاب ''مشکلات القرآن'' پر علوم قرآن وتفسیر کے متعلق معرکۃ الآراء مقدمہ تحریر فرما کر کتاب مصر سے شائع کروائی اور اپنے مذکورہ اساتذہ کے علوم ومعارف کے کامل شارح ثابت ہوئے۔)

اپنے شیخ محترم کو نہایت عقیدت مندانہ الفاظ سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں ''اپنی زندگی میں قرآن کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ نظر سے گذرا اپنے آپ کے اور سب کے بزرگ شیخ العالم حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن وفوائد عصر حاضر کے متبحر عالم فقیہ محدث ومفسر حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی کے تکمیل کردہ فوائد یک بیک میرے سامنے آئے میری مشتاق نگاہیں دیر تک وارفتگی کے ساتھ ان سے سعادت اندوز ہوتی رہیں حالِ دل یہ کہتا ہے کہ دونوں بزرگوں نے سلف صالحین کے اُن خزانوں کو جو موتیوں کی طرح

بکھرے ہوئے تھے جامع و مانع شکل میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

("ص۔ذ" تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۹۹۵ء)

مولانا سید سلیمان ندویؒ: (سید صاحبؒ کو جو شغف علوم قرآن اور جو تعلق معانی قرآن سے تھا اس کے متعلق لب کشائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کی مانند ہے۔ اس کے لئے بس اتنا اشارہ ہی کافی ہے کہ سیرت النبیؐ کی جلدوں سے اور آپ کی بقیہ تصانیف سے آپ کا فنا فی القرآن ہونا بخوبی واضح ہے۔ "تاریخ ارض القرآن" سید صاحب کا وہ عظیم الشان محیر العقول کارنامہ ہے جس کی مثال نہ تاریخ علوم اسلامیہ کے ماضی سے دی جاسکتی ہے اور نہ ہی آئندہ کسی سے ایسی پُر مشقت اور کانٹوں بھری راہ پر سفر کی امید کی جاسکتی ہے۔)

آپ یادِ رفتگاں میں علامہ عثمانی کے متعلق رقمطراز ہیں "موصوف کے مضامین اور چھوٹے رسائل تو متعدد ہیں ("اسلام کے بنیادی عقائد، اسلام اور معجزات، اعجاز القرآن، الروح فی القرآن، المعراج فی القرآن، العقل والنقل، ھدیۂ سنیہ، تحقیق الخطبہ، سجود الشمس، مسئلہ تقدیر، الشہاب۔ علامہ عثمانیؒ نے معرکۃ الآراء قرآنی موضوعات پر یہ زبردست علمی شاہکار رسائل تصنیف فرمائے ہیں، جنکے اکثر اقتباسات تفسیر عثمانی میں اختصاراً درج فرمائے ہیں، ادارہ اسلامیات نے یہ تمام رسائل یکجا شائع کیے ہیں) مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے تصنیفی اور علمی کمال کا نمونہ اردو میں ان کے قرآنی حواشی ہیں جو حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے کے ساتھ چھپے ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کی دل نشینی کے لئے ان کی قوتِ تفہیم حدِ بیان سے بالا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان حواشی سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔ ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے حواشی کو افغان مسلمانوں

کے فائدے کے لئے فارسی میں ترجمہ کر کے چھاپا ہے۔

(بحوالہ "علمائے پاکستان کی تفسیری خدمات" ص۔۸۱" از ڈاکٹر حافظ کرم ایوب الرحمٰن)

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ: (1936 مولانا کی زندگی ہی میں مولانا کو ایک صاحب نے امام قرآنیات کہہ کر میرے لئے یہ مرحلہ آسان کر دیا آپ کی تفسیر ماجدی پہلے انگلش اور بعد میں باقاعدہ تصنیف "تفسیر ماجدی اردو" مسلمانانِ برصغیر و کل عالم پر رہتی دنیا تک عظیم علمی و تفسیری احسان ہے۔ آپ کی تفسیر کو حضرت تھانویؒ کی عظیم الشان تفسیر "بیان القرآن" کا خلاصہ کہنا چاہئے جو کہ ادیب شبیر کے قلم سے منصۂ شہود پر آیا ہے۔ جدیدیت کی تمام راہوں فلسفہ و الحاد، تمدن و معاشرت، تہذیب و اصولِ اخلاق مغرب کے تمام پہلوؤں کے سقم و کجی پر وہ حجت برہانی و قرآنی قائم فرمائی ہے کہ جس کی اصابت و سلاست سے کسی ایک ذی شعور و فہم کو بھی انکار نہیں ہو سکتا "بشریتِ انبیاء قرآنی، سیرۃ نبوی ﷺ قرآنی، جغرافیہ قرآنی، شخصیاتِ قرآنی، حیواناتِ قرآنی" آپ کی عشقِ قرآن سے لبریز انجوتی اور البیلی تصانیف ہیں)

تفسیر عثمانی کی سحر انگیزیوں کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ "ترجمہ جو چھاپا تو شیخ الہند کا اب تحشیہ جو شائع کیا تو ان کے شاگرد اور ایک عالم کے استاد، دیوبند کے سابق اور ڈابھیل کے موجودہ شیخ الحدیث کا، وہ ہمیشہ مسلمانوں کے لئے ایک تحفۂ بے نظیر! یہ جدید خیالات والوں کے حق میں اکسیر، ایک اپنے رنگ میں نایاب، دوسرا اپنے طرز میں لاجواب، نقشِ اول ایک جلوۂ نور، نقشِ ثانی بلا شائبہ تکلف نور علیٰ نور! رشک نہ پیدا ہو کر رہے تو اور کیا ہو ذلک فضل اللہ الخ تفصیلی معروضات کا یہ موقع نہیں۔ مختصر یہ کہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ شارحِ صحیح مسلم کے حواشی اگر ایک طرف پُر مغز ہیں اور مسلک اہلِ سنت کے مطابق محققانہ، تو دوسری طرف ضروریات کے موافق اور حکیمانہ پڑھتے جایئے اور معاندین اسلام کے پیدا کیئے ہوئے شبہات کی جڑ از خود کٹتی چلی جائیگی اور اہل باطل کی اختراع کی ہوئی کج راہیاں

آپ ہی آپ ھباءً منثورا ہوتی جائیں گی۔ پھر کسی فریق کی دلآزاری ہوتا کیا معنی! ان
کا نام تک نہیں آنے پایا زبان اور طرز بیان نہ خشک نہ مغلق مولویانہ، بلکہ عموماً سلیس، شگفتہ
دلکش اور جا بجا ادیبانہ۔ ("ص۔ د" تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/1936ء)

داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ (حضرت ندویؒ کا سب سے بڑا امتیاز
آپ کی عالمی داعیانہ زندگی ہے۔ آپ نے ہمیشہ اپنی تحریر وتقریر، خطاب ونصیحت کو قرآن
سے معمور رکھا۔ بات بات پر قرآن سے استشہاد فرمانا بروقت اور بے ساختہ آیات قرآنی
سے اپنی دعوت کو اثر انگیز بنانا آپ کا خاصہ تھا۔ "مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی"۔
"قرآنی افادات"۔ آپکے فہم وتدبر قرآنی کا لاجواب شاہکار ہیں)

آپ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جب ترجمہ قرآن اور تفسیر کی
تدریس کی خدمت دارالعلوم (ندوۃ العلماء) میں سپرد ہوئی تو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے
حواشی کی قدر آئی جن میں انہوں نے مفسرین کے اقوال کا عطر اور ان کی تحقیق کا وہ حصہ نقل
کر دیا ہے جس کو اس زمانہ کا سلیم ذہن آسانی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ اس میں مولانا کی
سلاستِ فکر، حسنِ انتخاب اور تحریر کی شگفتگی بخوبی عیاں ہے۔ میں نے دیوبند کی ایک ملاقات
میں مولانا سے اپنا یہ تاثر ظاہر کیا، مولانا کو بڑی مسرت ہوئی اور بعض صاحبوں سے اس کو نقل
کیا"۔ (علمی اور مطالعاتی زندگی ص ۶۸ از مولانا عبدالقیوم حقانی)

اپنے اسی تجربہ وتاثر کی بناء پر حضرت ندویؒ نے "شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلکس
مدینہ منورہ وزارت اوقاف سعودی عرب کے جانب سے "تفسیر عثمانی" شائع کرنے کے
موقع پر بطور توثیق وتعریف کہا" اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ وتفسیر ہے اس کی
طباعت واشاعت ہونی چاہئے"۔ ("ابتدائیہ تفسیر عثمانی"۔ ۱۴۰۹ ہجری بمطابق ۱۹۸۹
عیسوی میں وزارت اوقاف سعودی عرب والوں نے شائع کی جو کہ خادم الحرمین شریفین
"شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود" کی جانب سے اردو زبان میں بولنے والے عازمین حج کو

ہدیۃً پیش کی گئی)

جناب مولانا محمد میاں صاحبؒ مدرس جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد (آپ
محدث انور شاہ کشمیریؒ کے ہونہار شاگرد تھے "علمائے ہند کا شاندار ماضی" جیسی تاریخی
کتاب رقم فرمائی، اور حضرت حسین احمد مدنیؒ کا "درس سورہ فاتحہ" جو جیل میں تقریباً ایک ماہ
تک جاری رہا، اسے قلمبند کرکے شائع کیا) کی رائے گرامی "اگر میں کوئی مقدس ترہدیہ
اپنے علم دوست عزیز ترین رفیق یا بزرگ کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں تو اس کے لئے
سب سے پہلے شیخ الہندؒ کے ترجمہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر والا قرآن پاک
منتخب کروں گا۔۔۔۔۔۔ یہ ترجمہ اگرچہ بذات خود تفسیر تھا مگر اس کے مضمون کو پورے طور پر
واضح کرنے کے لئے ایک ایسے عالم نے اس کی تفسیر فرمائی ہے جس کے متعلق مسلمانانِ ہند
کا صحیح علم یہ ہے کہ فہمِ قرآن، غور وفکر اور پھر سلاستِ کلام، دلچسپی تحریر، دلپذیری تقریر میں اپنا
نظیر نہیں رکھتا یعنی شیخنا واستاذنا مفسر اعظم قاسم ثانی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شارح مسلم
شریف۔ ("ص۔ و" تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/1936ء)

جناب مولانا حکیم محمد مشتاق علی صاحبؒ: فرماتے ہیں "الحمد للہ کہ وہ نیک آرزو
آج منصہ شہود پر جلوہ گر ہے اور حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ کے ساتھ شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد
عثمانیؒ کی وہ محیط الکل تفسیر القرآن بھی شائع ہو گئی جس نے بڑی بڑی تفاسیر سے بے نیاز
کر دیا ہے۔ اور قرآن حکیم کے حقائق ومعارف کو اس قدر سلیس اور شگفتہ بیان میں زمانہ
حال کے موافق تحریر فرمایا ہے جو اردو دنیا کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور بلکہ ایک ایسا بیش
بہا مذہبی سرمایہ ہے جس پر اردو داں طبقہ قیامت تک جتنا فخر کرے کم ہے کیونکہ تفسیر کا طرز
تحریر ابتداء سے لے کر انتہا تک ایسا سلجھا ہوا اور مدلل ہے کہ قرآن عزیز کے وہ دشوار
مقامات جن کے سمجھنے سے عام انسان قاصر تھے وہ اب بآسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ غرض
یہ تفسیر جس طول اور تفصیل سے بچتے ہوئے لکھی گئی ہے اس کے ساتھ ایسی مختصر مگر جامع ہے

جس کی آج دنیائے اسلام میں مثال نظر نہیں آتی۔

("ص۔۔ تفسیر عثمانی ایڈیشن ۱۳۵۵ھ/1936ء)

شیخ التفسیر مولانا ادریس کاندھلویؒ: (آپ حضرت انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت شبیر احمد عثمانیؒ کے شاگرد رشید تھے آپ نے اپنے اساتذہ کے علوم وفنون کو بھرپور جذب کیا اور پھر اُسی انداز واسلوب میں علوم ومعرفتِ قرآن کی شمع جلائے رکھی۔ تدریس کے زمانے میں آپ کا اثر انگیز عام فہم درسِ قرآن ہوتا تھا جو کہ انتہائی معروف ومشہور تھا پھر یہی تحریک آگے چل کر تفسیر معارف القرآن ۸ جلدی علمی روپ دھار کر ہمارے سامنے جلوہ گر ہوئی آپ اُس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث تھے۔)

تفسیر عثمانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اور اسی طرز پر ایک نہایت مختصر اور جامع تفسیر جو جدید شبہات کے قلع قمع کے لئے کافی اور شافی ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی قدس اللہ سرہ نے لکھی جو نہایت مقبول ہوئی۔ اور فصاحت اور حسن تعبیر کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے۔ ("ص ۷ معارف القرآن جلد اول")

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ: (آپ بھی حضرت کشمیریؒ کے شاگردان رشید میں سے تھے آپ کو زبانِ قرآن سے خاص مناسبت تھی سو اسکی تعلیم وتعلم کے عام کرنے کو آپ نے کئی بے مثال کارنامے سرانجام دیئے، قاموس القرآن اُسی سلسلۃ الذہب کی سنہری کڑی ہے) تحریر فرماتے ہیں: "مگر سب سے اہم فائدہ شیخ التفسیر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے فوائد القرآن سے حاصل کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ مرحوم نے ضخیم مجلدات تفسیریہ کے سمندر کو کوزہ ہی میں نہیں بلکہ سلاست زبان ولطافت بیان کے ساغر بلوریں میں بھر دیا ہے۔ ("ص ۱۳ قاموس القرآن")

پروفیسر انوار الحسنؒ شیر کوٹی سابق پروفیسر (فیصل آباد): آپ کو علامہ سے

طالبعلمانہ نیاز مندی کا شرف حاصل ہے۔ علامہ عثمانیؒ کی علمی وسیاسی، مذہبی وملی خدمات کے تذکرے کا حق ادا کیا ہے، آپ نے فوقیت وفضیلتِ تصانیفِ حضرت عثمانیؒ کا اثبات بذریعہ استدلال وحجت کیا اور علامہ عثمانیؒ کے معاصرین مثلاً ڈپٹی نذیر احمد، مولانا ابوالکلام آزادؒ، علامہ شبلیؒ اور ان سے پہلے کے اردو نثر نگار مثلاً محمد حسین آزاد اور سر سید احمد خان سے جا بجا طرفین کی عبارات وعلوم کا تقابل وتجزیہ کر کے یہ واضح کیا ہے کہ شیخ الاسلامؒ اگر ایک طرف علوم ومعرفتِ دین میں عمیق تر ہیں اور باعتبار تحقیق مقابل سے فائق ہیں تو دوسری طرف انشاء وادب، اسلوب تحریر اور نگارش تصنیف وتالیف میں ممتاز ومنفرد ہیں۔

(ملاحظہ ہو حیات عثمانی ص: ۳۴۳ تا ۳۶۷)

چنانچہ پروفیسر موصوف نے "تجلیات عثمانی"، "حیات عثمانی" میں بھرپور طریقے سے تفسیر عثمانی کی افادیت اور اصابت کو مزید آشکار کیا ہے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ "یہی وجہ ہے کہ معاصرین اور متاخرین ان کے علمی شاہکاروں کی طرف عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ مخالف مکتبہ ہائے فکر بھی ان کی فضیلت پر انگلی نہیں اُٹھا سکے۔ بلکہ ان کی تصنیفات سے استفادہ کرتے ہیں۔ بریلوی مکتبہ خیال کے آدمی بھی ان کے تفسیری فوائد کو زیر مطالعہ رکھے ہوئے دیکھے گئے ہیں"۔

(ص ۳۶۳ حیات عثمانی)

اسی طرح دوسری جگہ رقمطراز ہیں "فیض عثمانی کی ہمیشہ فراوانی، وہ اگرچہ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی تفسیر گھر گھر انکی یاد دلاتی ہے اور انکا یہ کارنامہ قیامت تک جاری رہے گا۔ (ص ۲۸۲ حیات عثمانی)

اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ نے تفسیر وحدیث اور فقہ میں بڑا کمال حاصل کیا۔ بلکہ فن تفسیر کا آپ کو ہندوستان میں امام تسلیم کیا جانے لگا"۔

("ص ۵۲۷ بیس بڑے مسلمان")

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلویؒ :

(آپ مفسرِ قرآن کے نام سے معروف ہیں۔سحبان الہند مولانا سعید احمد دہلوی قدس سرہ کے بعد دہلی میں ثقہ راویوں کے بقول مولانا موصوف کا درس بڑا مقبول ہے۔ آپ صحیح معنوں میں ولی اللٰہی علوم کی جو نیابت علمائے دیوبند کو ملی ہے اُس کے صحیح وارث، امین اور مبلغ ہیں۔تفسیر قرآن سے آپ کو خاص الخاص لگاؤ ہے۔حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حلقۂ تفسیر قرآن میں شریک ہوتے تھے، آپ کو مولانا احمد علی لاہوری سے قرآنی نظریات وعلوم حاصل کرنے کی بھی سعادت حاصل ہے، ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ چھاپنے والوں نے آجتک جو اُس میں خودساختہ تحریف کردی تھی ان تمام کی تمام اغلاط وانحراف کا پردہ چاک کر دیا اور ترجمہ موضح القرآن کے حسن واسلوب پر محققانہ کتاب ''محاسن موضح القرآن'' تحریر فرما کر ایک بار پھر خواص اہل علم کو اسکی تبلیغ وترویج کی طرف متوجہ فرمایا ہے) اپنے مخصوص اندازِ فکر میں رقمطراز ہیں ''حضرت شیخ الہندؒ نے جس طرح شاہ صاحب کے ترجمہ کی بہت سی مشکلات کو واضح کردیا ہے اور بعض مشکل الفاظ کی تشریح جگہ جگہ حاشیہ پر کردی ہے۔اسی طرح مولانا عثمانیؒ نے اکثر جگہ حضرت شاہ صاحب کے فوائد کو اپنی عبارت میں نقل کردیا ہے اور اِن کی تشریح بڑے اچھے انداز میں فرمادی ہے ۔۔۔۔۔ بہرنوع حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا عثمانیؒ کے فوائد دراصل علمائے کرام کے لئے دعوت ہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کو تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اپنے غور وفکر کا موضوع بنائیں''۔(''محاسن موضح القرآن'' ص ۹۸)

مولانا انظر شاہ مسعودیؒ :

ابن محدثِ ہند حضرت انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ''اپنے استاد مرحوم حضرت

شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن پر حواشی درج فرمائے تو پورے تفسیری ذخیرہ کا لب لباب اور کتبخانہ سے بے نیاز کردینے والا سرمایۂ علم ہے۔جس کا فارسی ترجمہ افغانستان میں ہوا اور مزین و مطلی عکس ہانگ کانگ سے شائع کیا گیا''۔(ص ۹۵ حیات کشمیری ''نقش دوام'')

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ :

(مبلغ قرآن تھے اپنے شہرہ آفاق درس قرآن کی بدولت علمی حلقوں اور عوام الناس میں معروف تھے۔خدائے رحمٰن ورحیم نے اپنی کتاب سے اُنھیں کامل عشق اور اُس کا بہترین فہم عطا فرمایا'' آپکے مکمل دروس قرآن، تاریخ مفسرین اور علوم قرآن پر کتاب'' معارف القرآن'' شائع ہوچکی ہیں) مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی تفسیر عثمانی کے متعلق فرماتے ہیں''ہمارے اِس دور میں تفسیری اصول کے مطابق جن حضرات نے قرآن مجید کی خدمت کی ہے ان میں حضرت مولانا محمود حسن المعروف شیخ الہند کا مقام بہت بلند ہے۔آپ کے اِس ترجمہ مصحف پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے علمی اور تفسیری فوائد بہترین علمی خزانہ ہیں''...... اور''اردو تراجم میں حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ جس پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حاشیہ ربط آیات قرآنی اور قرآنی مطالب کے خلاصہ کے لئے بڑا ہی مفید ہے۔احقر آج تک اسی پر درسِ قرآن مجید دینے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔

(''ص ۵۴/ص ۵۶-معارف القرآن''الحسینیؒ)

پروفیسر عبدالصمد صارمؒ دیوبندی الازہری :

تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند کے باشندے شیخ الہند کے شاگرد ہیں، جامع ڈابھیل کے صدر مدرس اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم تھے۔مشہور مصنف اور نامور عالم ہیں۔فتح الملہم شرح مسلم اِن کی تصنیف ہے۔''قرآن

مجید مترجمہ شیخ الہند پر بہترین فوائد لکھے ہیں۔فوائد کیا ہیں، مختصر و متبحر تفسیر ہے"۔(بحوالہ تاریخ التفسیر ص ۳۴۴، پروفیسر موصوف نے "تاریخ التفسیر" اور "تاریخ قرآن" جیسی کتابیں مرتب فرمائی ہیں)

مولانا عبدالمالک" شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور :

(آپ کو اپنے والد گرامی مولانا ادریس" کی تفسیر "معارف القرآن" کی تکمیل میں شرکت کی سعادت حاصل ہے اخیر کی دو جلدیں آپ ہی کے قلم حقیقت رقم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، منازل الفرقان فی علوم القرآن آپ کی ایک گرانقدر اور ضخیم تصنیف ہے اپنے اور موضوع میں لاجواب بھی) رقمطراز ہیں "شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی نے بڑے ہی محققانہ انداز میں مضامین قرآن کی تشریح فرمائی۔لطائف و معارف کا ایک سمندر ان مختصر فوائد میں جمع کر دیا ہے۔بہت سے اشکالات جن کے حل کے لئے بڑے بڑے دفتر بھی شاید کفایت نہ کر سکیں ان کا حل نہایت ہی سہل اور لطیف انداز میں موتیوں جیسے چند پاکیزہ کلمات میں کر دیا، بالخصوص اہل باطل کی تحریفات اور مخالفین کے اعتراضات کا بڑی خوبی سے رد کیا گیا جس کے دیکھنے کے بعد کسی بھی صاحب فہم کو ادنیٰ بھی تمردنہیں رہ سکتا۔ اور اُمت اِن علوم سے مستفیض ہوتی رہے گی۔

("منازل الفرقان فی علوم القرآن" ص ۳۰۴، ۳۰۵)

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی مورخ اسلام کی رائے :

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علمائے دیوبند میں اپنی قرآن دانی اور تدبر فی القرآن کے متعلق جو خصوصیت رکھتے ہیں، اس نے مولانا کو میرا محبوب اور ان کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے۔انہوں نے قرآن مجید کو عام اردو دان لوگوں کے لئے قریب الفہم بنانے کی غرض سے مختصر اور جامع و مانع تفسیر بطور حواشی لکھی ہے۔سلیس و سادہ،

فصیح و عام فہم زبان میں آیات قرآنیہ کے مفہوم و مطالب کو سمجھانے کے لئے ضرورت سے زیادہ عموماً کچھ نہیں فرمایا اور کسی مقام کو لانیحل اور تشنۂ تحقیق نہیں چھوڑا گیا۔کوئی مسلمان گھر اِس باترجمہ و باتفسیر قرآن مجید سے بے نصیب نہیں رہنا چاہئے۔

("قرآن حکیم کے اردو تراجم" ص ۳۰۶، ۳۰۷)

مورخ دیوبند سید محبوب رضوی :

تحریر فرماتے ہیں "حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر مولانا عثمانی کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ان حواشی میں سلف کے نقطۂ نظر کے دائرے میں محدود رہ کر قرآن کریم کے اسرار و معارف کو اِس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔کہ ذہن و فکر کے سب کانٹے نکلتے چلے جاتے ہیں۔اور قلب کو انشراح و اطمینان کی عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۹۹۔۱۰۰" بحوالہ علمائے پاکستان کی تفسیری خدمات ص ۸۲")

ڈاکٹر علامہ خالد محمود :

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر اور سابق لیکچرر مرے کالج سیالکوٹ، آپکی تصانیف "آثار التنزیل" اور "مقام حیات" آپکے شغف و شوق قرآن فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں) اپنی علوم قرآنیہ پر شاہکار تصنیف آثار التنزیل جلد دوئم میں رقمطراز ہیں۔" تفسیر فوائد القرآن علامہ شبیر احمد" شیخ الہند مولانا محمود الحسن" کے ترجمۂ قرآن پر نہایت تحقیقی اور فاضلانہ حاشیہ ہے جس میں مصنف نے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے"۔

("آثار التنزیل جلد ۲ ص ۳۰۲")

مولانا ظفر علی خان مرحوم :

"علامہ عثمانی ان علما کرام میں سے تھے جو کلام اللہ کے حقائق اور معارف پر

مجید مترجمہ شیخ الہند پر بہترین فوائد لکھے ہیں۔ فوائد کیا ہیں، مختصر و متبحر تفسیر ہے"۔ (بحوالہ ارشاد التفسیر ص۴۴، پروفیسر موصوف نے "تاریخ التفسیر" اور "تاریخ قرآن" جیسی کتابیں مرتب فرمائی ہیں)

مولانا عبدالمالک "شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور :

(آپ کو اپنے والد گرامی مولانا ادریسؒ کی تفسیر "معارف القرآن" کی تکمیل میں شرکت کی سعادت حاصل ہے اخیر کی دو جلدیں آپ ہی کے قلم حقیقت رقم سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، منازل الفرقان فی علوم القرآن آپ کی ایک گرانقدر اور ضخیم تصنیف ہے اپنے اور موضوع میں لاجواب بھی) رقمطراز ہیں "شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ نے بڑے ہی محققانہ انداز میں مضامین قرآن کی تشریح فرمائی۔ لطائف و معارف کا ایک سمندر ان مختصر فوائد میں جمع کر دیا ہے۔ بہت سے اشکالات جن کے حل کے لئے بڑے بڑے دفتر بھی شاید کفایت نہ کر سکیں ان کا حل نہایت ہی سہل اور لطیف انداز میں موتیوں جیسے چند پاکیزہ کلمات میں کر دیا، بالخصوص اہل باطل کی تحریفات اور مخالفین کے اعتراضات کا بڑی خوبی سے رد کیا گیا جس کے دیکھنے کے بعد کسی بھی صاحب فہم کو ادنیٰ بھی تمرد نہیں رہ سکتا۔ اور اُمت اِن علوم سے مستفیض ہوتی رہے گی۔

("منازل الفرقان فی علوم القرآن" ص۳۰۴، ۳۰۵)

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی مورخ اسلام کی رائے :

"مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ علمائے دیوبند میں اپنی قرآن دانی اور تدبر فی القرآن کے متعلق جو خصوصیت رکھتے ہیں، اس نے مولانا کو میرا محبوب اور ان کے تصور کو میرے دل کی راحت بنا دیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کو عام اردو دان لوگوں کے لئے قریب الفہم بنانے کی غرض سے مختصر اور جامع و مانع تفسیر بطور حواشی لکھی ہے۔ سلیس و سادہ،

فصیح، عام فہم زبان میں آیات قرآنیہ کے مفہوم و مطالب کو سمجھانے کے لئے ضرورت سے زیادہ عموماً کچھ نہیں فرمایا اور کسی مقام کو لاینحل اور تشنہ تحقیق نہیں چھوڑا گیا۔ کوئی مسلمان گھر اس باترجمہ و باتفسیر قرآن مجید سے بے نصیب نہیں رہنا چاہیے۔

("قرآن حکیم کے اردو تراجم" ص۳۰۶، ۳۰۷)

مورخ دیوبند سید محبوب رضوی :

تحریر فرماتے ہیں "حضرت شیخ الہند کے ترجمہ پر مولانا عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ ان حواشی میں سلف کے نقطہ نظر کے دائرے میں محدود رہ کر قرآن کریم کے اسرار و معارف کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ذہن و فکر کے سب کانٹے نکلتے چلے جاتے ہیں۔ اور قلب کو انشراح و اطمینان کی عجیب کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۹۹۔۱۰۰" بحوالہ علمائے پاکستان کی تفسیری خدمات ص۸۲")

ڈاکٹر علامہ خالد محمود :

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر اور سابق لیکچرر مرے کالج سیالکوٹ، آپ کی تصانیف "آثار التنزیل" اور "مقام حیات" آپکے شغف و شوق قرآن فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں) اپنی علوم قرآنیہ پر شاہکار تصنیف آثار التنزیل جلد دوئم میں رقمطراز ہیں۔ "تفسیر فوائد القرآن علامہ شبیر احمد "شیخ الہند مولانا محمود الحسن" کے ترجمۂ قرآن پر نہایت تحقیقی اور فاضلانہ حاشیہ ہے، جس میں مصنف نے سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا ہے"۔

("آثار التنزیل جلد۲ ص۳۰۴")

مولانا ظفر علی خان مرحوم :

" علامہ عثمانی ان علما کرام میں سے تھے جو کلام اللہ کے حقائق اور معارف پر

بالغانہ نظر رکھتے تھے جن میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہندؒ مولانا محمودالحسن کے بعد قرآن دانی اور قرآن فہمی کی پوری صلاحیت تھی"۔

("اکابر علمائے دیوبند ص ۱۹۶ از محمد اکبر شاہ بخاری")

مولانا محمد اشرف صاحبؒ صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور:

اپنی کتابی آپ بیتی کے سلسلے میں تحریر کرتے ہیں "حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآنی باوجود ایجاز واختصار کے مولانا کا تفسیری اعجاز اور علوم نادرہ کا خزینہ ہیں۔ موثر و دلنشین بلیغ اردو میں خود بخود تفسیری گتھیاں سلجھتی جاتی ہیں اور جدید اشکالات کے جوابات ملتے جاتے ہیں"۔ ("میری علمی اور مطالعاتی زندگی ص ۱۶۱)

اعجاز الحق قدوسی :

مصنفِ "اقبال اور علمائے پاک وہند" تحریر فرماتے ہیں :

"مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تصنیف میں ان کے حواشی قرآن مجید شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن کے ساتھ چھپے ہیں۔ نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان حواشی سے انکی قرآن فہمی، تفاسیر پر عبور اور خود انکی غیر معمولی قوتِ تفہیم کا انداز ہوتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے حلقۂ درس میں ان کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے"۔

("بحوالہ علمائے پاکستان کی تفسیری خدمات ص ۲۹")

پروفیسر طاہر مصطفٰی لیکچرار شعبہ اسلامیہ پی اے ایف کالج اسلام آباد :

"شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن پر ایک

نہایت شگفتہ پُر مغز اور دلکش تفسیری حاشیہ لکھ کر عصرِ حاضر کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ اور حاشیہ علمائے دیوبند کا جدید نسل پر ایک بڑا احسان ہے"۔

("تفسیری رجحانات کا ارتقاء ص ۱۹۶")

مولانا گوہر رحمٰن صاحب :

(شیخ القرآن والحدیث جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان، امیر جماعتِ اسلامی مردان)، افاداتِ عثمانی کے متعلق اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں "اسکو فوائدِ عثمانی بھی کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے جو اردو خواں طبقہ کے لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اسلیے کہ اس میں فنی اصطلاحات اور طویل علمی مباحث کے بجائے آیات کے اصل مفہوم کو مختصر اور مفید حواشی کے ذریعے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن چونکہ علامہ عثمانی تفسیر وحدیث اور دوسرے علوم وفنون میں وسیع وعمیق علم رکھتے تھے، تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کا طویل تجربہ رکھتے تھے اور انکی معلومات میں پختگی اور گہرائیت تھی اسلیے علماء دین اور تفسیر کے اساتذہ بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں، کیونکہ پختہ علم والے عالم کی بات اگر مختصر ہو پھر بھی بڑی وزنی اور قیمتی ہوتی ہے۔

(علوم القرآن، ص ۲۴۳، جلد دوئم، مکتبہ تفہیم القرآن مردان)

پروفیسر ولی رازی صاحب :

(جناب پروفیسر موصوف نہ صرف صاحبِ طرز ادیب ہیں بلکہ ایک کامل معلم بھی، اور قرآنی خدمات میں تفسیر عثمانی کے عنوانات لگانے کے علاوہ آپ ایک اور جہت سے بھی کتاب اللہ کے خادم ہیں وہ یہ کہ "مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے عربی زبان میں "اظہار الحق" تالیف کی تھی۔ محقق دوراں مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی (انگریزی مترجم تفسیر

معارف القرآن از مفتی شفیعؒ، مصنفِ علوم قرآن) نے اسکا اردو ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" تصنیف فرمایا اور بے مثال لاجواب مقدمہ کتاب کے شروع میں رقم کیا۔ محترم ولی رازی نے اس پوری کتاب ۳ جلدوں کا انگلش ترجمہ فرمایا ہے، اس موضوع پر تینوں مذکورہ زبانوں میں اس سے مستند ماخذ مشکل سے ہی ہاتھ آئیں) فوائد عثمانی کی خصوصیات پر نگاہ عمیق ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "تفسیر عثمانی پچھلے ۶۰ سالوں سے برصغیر کی اردو تفاسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ اس تفسیر کی وہ بعض خصوصیات تو ہیں ہی جو دوسری تفاسیر میں مفقود ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں انشاءاللہ آگے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم وفضل، اخلاص وللہیت اور کمال احتیاط وادب کے ساتھ قرآن کی خدمت کی دُھن ہے جو اصل میں تفسیر عثمانی کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب، اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہیں۔

"حضرت علامہ عثمانیؒ کو اللہ تعالی نے جس علم وفضل، بصیرت وحکمت اور عصر حاضر کی مزاج شناسی عطا فرمائی تھی۔ اُن کے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جگہ جگہ اسکا اظہار ہوا اور اس طرح فوائد عثمانی نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصر حاضر کی ضرورتیں پوری کرنے والی تفسیر نے لے لی۔ جس کی مثال اردو میں موجود نہ تھی"۔

تفسیر عثمانی کی بعض خصوصیات :

تفسیر عثمانی کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ کرنا تو اہل علم کا کام ہے لیکن اس کی خصوصیات جو مجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی سہولت سے نظر آجاتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے منشاء ومفہوم کی تعبیر میں اتنی جامع

ہے کہ اکثر مقامات پر قرآن کریم کے طالب علم کو بڑی تفاسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے ان آیات کی طرف مراجعت کر کے رفع تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔ عصر حاضر میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔ اور اکثر مقامات پر اپنے دلنشین انداز میں عقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں۔ وہاں راجح تفسیر کو ترجیحی وجوہات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔ اہل علم کے لئے اکثر مقامات پر ایسے لطیف علمی اشارات کر دیئے گئے ہیں جن سے ان مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی طرف راہنمائی ملتی ہے ﴾۔

محترم پروفیسر ولی رازی صاحب مدظلہ العالی نے اس تفسیر سے استفادہ کو سہل سے سہل تر بنانے کے لئے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے ۵ ہزار کے لگ بھگ تفسیری عنوانات قائم فرمائے ہیں اور پھر "نور علیٰ نور" ان تفسیری عنوانات کی فہرست مرتب فرمائی ہے جو در حقیقت تفسیرِ عثمانی کا ایک تفصیلی انڈکس بن جاتا ہے پروفیسر موصوف کی یہ عظیم قرآنی خدمت یکم ربیع الاول ۱۴۱۰ھ، ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو پایہ تکمیل کو پہنچی۔

("جدید تفسیر عثمانی ص ۷ تا ۱۳ طبع دارالاشاعت کراچی")

تفسیر عثمانی کے تراجم :

(۱) فارسی ترجمہ یہ حکومت افغانستان نے سرکاری طور پر ۱۹۴۰ میں کروا کر بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔ (۲) پشتو ترجمہ درج بالا ترجمہ کا پشتو ترجمہ کیا گیا جو کہ ۴۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ بھی افغانستان ہی میں ہوا ہے۔ (۳) گجراتی زبان: اس کے علاوہ گجراتی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ (بحوالہ اردو تراجم از ڈاکٹر صالحہ شرف الدین)

(۴) انگریزی ترجمہ: جناب محمد اشفاق صاحبؒ علیگ (آپ کے شیخ و مرشد علامہ شبیر احمد عثمانی کے بڑے بھائی مولانا مطلوب الرحمٰنؒ تھے جبکہ آپ کے دادا ادیب الہند مولانا فیض الحسنؒ سہانپوری تھے) نے اس بے مثال قرآنی تفسیر کا انگلش ترجمہ فرمایا ہے۔ مورخہ ۱۹۸۰-۹-۱۸ جناب محمد اشفاق صاحب نے یہ مبارک ترین سعادت سر انجام دی۔ اسی ترجمہ تفسیر سے پہلے موصوف نے اعلیٰ پایہ مقدمہ تفسیری مباحث عقائد اور ایمانیات کے متعلق رقم فرمایا ہے۔ جس سے کہ قاری کو آئندہ تفسیر قرآن سمجھنے میں خاطر خواہ سہولت اور فائدہ ہوگا۔ چنانچہ اپنے تعارفی مضمون میں اس تفسیر کے متعلق رقمطراز ہوئے ہیں (جس کا اردو ترجمہ بصورت خلاصہ پیش کیا جارہا ہے)۔ "حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کا عظیم کارنامہ قرآن پاک کا تفسیری حاشیہ ہے۔ اس میں علامہ موصوف نے ۱۳/۱۲ جید تفاسیر کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ مغرب کی دنیا قرآن کریم کے اصل پیغام کو جاننے کے لئے پیاسی ہے سو اس بندہ نے یہ عظیم تفسیری خزانہ ان کے سامنے متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر کی دو بنیادی شرائط (۱) تزکیہ نفس (۲) جامع و ماہر علوم نقلیہ و عقلیہ ہونا ہے یہ دونوں شرائط بدرجۂ اتم علامہ موصوف میں پائی جاتی ہیں۔ سو اسلئے میں نے اپنی بھرپور کوشش کی ہے کہ اس عظیم الشان تفسیر کو انگلش میں منتقل کروں تاکہ دنیائے مغرب کے سامنے قرآن کی صحیح تشریح اور ترجمانی آئے تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ رب ذوالجلال کی منشاء کیا ہے اور اسے ہم سے کیا مطلوب ہے"!۔ ("TAFSEER-E-USMANI") یہ متبول و مطلوب سعادت دارین بھی دارالاشاعت کے حصہ میں آئی جنہوں نے اس انگلش تفسیر کو ظاہری و باطنی محاسن کے ساتھ طبع کیا ہے"!)

INTERNET EDITION ۔ یہ گرانقدر تفسیری اثاثہ اردو + انگلش دونوں زبانوں میں INTERNET پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اردو میں مطالعہ کے لئے

درج ذیل ویب سائٹ (Visit) کی جائے۔

http/www.al-Islam.edu.pk/Tusmani/online-quraan

اور انگلش ایڈیشن کے مطالعہ کے لئے یہ ویب سائٹ موجود ہے۔

http/www.al-islam.edu.PK/Tusmani/tafseer.htm

انگلش ریڈرز مغربی اور امریکی ممالک کے شائقین یہ تفسیر بذریعہ انٹرنیٹ بھی منگوا سکتے ہیں۔ جس کے لئے انہیں درج ذیل ویب سائٹ کی خدمات حاصل ہیں۔

(www.Albalagh.net)

www.ICNA.bookservice.com

علامہ عثمانیؒ نے تفسیر قرآن کے حوالہ سے مختصر مگر جامع ترین تصنیف میں انتہائی کوشش فرمائی ہے۔ آج تک اہل علم مسلسل ان دلپذیر اور بے نظیر فوائد قرآنیہ کے خوشہ چیں ہیں۔ علامہ مرحوم کے بعد کئی اہل علم و قلم نے اپنی اپنی خامہ فرسائیوں، نکتہ آفرینیوں کی بنیاد اور مرکز تحقیق و تحریر "تفسیر عثمانی" کو بنایا ہے۔ اس کا انتہائی مختصر سا تعارف قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) معالم القرآن: مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ کی سورۂ یوسف تک ۱۲ جلدوں میں تفسیر ہے جس میں برصغیر کے اکثر مفسرین کی اجماعی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مگر علامہ فرماتے "۔ پیش نظر کتاب میں تفسیر و تشریح کی جو کوشش کی گئی ہے اسکی بنیاد یہی ہے اس سلسلے میں اولیت حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلام عثمانیؒ کے افادات کو دی ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ ان بزرگوں کے تفسیری افادات پورے پورے اس میں آجائیں۔ (" معالم القرآن جلد اول ص ۸ "ناشر دارالعلوم شہابیہ نزد چوک رنگپورہ سیالکوٹ)

(۲) حضرت حسین احمد مدنیؒ نے باقاعدہ تفسیر عثمانی پر عنوانات کا اضافہ فرمایا

ہے۔ یہ عنوانات مدنیؒ سے مزین تفسیر عثمانی حال ہی میں تالیفات اشرفیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔

(۳) گلدستہ تفاسیر۔ ابھی حال ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ہی نے مکمل قرآن کا مجموعہ تفسیر شائع کیا ہے، اس میں بھی بقیہ ۶/۷ عظیم الشان تفاسیر کے ساتھ تفسیر عثمانی تقریباً مکمل درج ہے۔

نوجوان قارئین کی خدمت میں اہم گذارش :

اس ساری تحریر اور کوشش کا مقصد میرے عزیزو! صرف ایک کتاب 'المدائح' تیار کرنا نہیں ہے بلکہ اس اُمت کے جوہر کے سامنے اس انداز سے ایک تحریر سامنے لانا ہے جس سے ہمیں یہ احساس ہو کہ قرآن کریم جیسی نعمت عظمیٰ کے ساتھ ہمارا رویہ کسقدر لاپرواہی اور کوتاہی پر مبنی ہے جبکہ ہمارے بزرگوں نے ہم تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے کیسی مشقت اور محنت سے یہ ذمہ داری نبھائی ہے، واللہ، کل قیامت کے دن ہمارے پاس ایسا کوئی عذر نہیں ہوگا کہ "یہ کتاب تو عربی میں تھی ہم نابلد اس سے کیسے راہنمائی حاصل کرتے؟" اس اعتراض کا تو شائبہ بھی ختم ہو چکا بس اب تو ہمارے ہمت کرنے کی دیر ہے۔ آج علامہ عثمانیؒ کے طفیل یہ گنہ گار بندہ خصوصی طور پر اپنے نوجوان طبقہ کی خدمت میں عاجزانہ درخواست کرتا ہے، خدارا قرآن کو اپنایئے، اسے سینے سے لگائیں، اسکا پیغام سمجھیں اور پوری دنیا کو اسکی روشنی سے منور فرمائیں، آج ہماری پستی، ذلت، رسوائی اور نقاہت دینی کا سبب صرف اور صرف یہ ہے، جیسا کہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ......

درس قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا .... یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا!!!

چلیئے میری نہ سنی علامہ ہی کی لاج رکھ لیجیے، سنیئے کیا فرماتے ہیں :

"(تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اسکی تلاوت نہ کرنا، اسکی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن (لاپرواہی) کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں"۔

(تفسیر عثمانی حاشیہ برآیت نمبر ۳۰ سورۃ الفرقان "اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک"۔ مترجم شیخ الہندؒ)

میرے عزیز ساتھیو! آج ہی سے باقاعدہ فہم القرآن کی کوشش اور اسکے پیغام پر عمل کی مشق شروع کردیں، دارین کی کامیابیاں آپکی منتظر ہیں۔ انشاء اللہ

آخر میں میں اپنے مضمون کو انہی بابرکت کلمات کے ساتھ اختتام پذیر کرتا ہوں جو علامہ عثمانیؒ نے تفسیر کے تکمیل پذیر ہونے پر رقم کیے ہیں"۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فوائد کے اختتام پر تحریر فرماتے ہیں "اُس رب کریم کا شکر کس زبان سے کروں۔ جس کی توفیق وتیسیر سے آج یہ مہتم بالشان کام انجام کو پہنچا۔ الٰہی آج عرفہ کے مبارک دن اور وقوف بعرفات کے وقت کلام پاک کی ایک مختصر سی خدمت جو محض تیرے فضل واعانت سے اختتام پذیر ہوئی۔ تیری بارگاہ قدس میں بصد عجز ونیاز پیش کرتا ہوں۔ تو اپنے فضل سے اس کو قبول فرما اور مقبول بنا۔ الٰہی میں معترف ہوں کہ اس خدمت کی انجام دہی میں حق اخلاص ادا نہیں ہوسکا لیکن تیری رحمت ورأفت جب سیئات سے حسنات بدل ڈالتی ہے اُس کے لئے ایک صورتِ حسنہ کو حقیقتِ حسنہ بنادینا کیا بڑی بات ہے۔ میرا گمان تیرے ساتھ یہی ہے کہ تو اپنی نکتہ نوازی سے اس ناچیز عمل کو زندہ جاوید بنائیگا۔ اور اس کے نیک ثمرات سے دارین میں مجھ کو متمتع فرمائیگا۔ اے اللہ! تو اپنے قرآن پاک کی برکت سے میری، میرے والدین کی، میرے شیوخ واساتذہ کی، میرے اقارب واحباب کی اور

جو اس کارِ خیر کے محرک وداعی بنے یا جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں رفاقت واعانت کی سب کی مغفرت فرمایئے اور سب کو دنیا وآخرت کی بلاؤں سے مامون ومصون رکھیے اور حضرت مترجم قدس سرہ کے ساتھ جنت الفردوس میں جمع کیجئے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ۔ (۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء) (انہی الفاظ کے ساتھ میں بھی اپنے رب کا شکر گذار ہوں، اور ساتھ ساتھ اطہر بھائی بن پروفیسر اکبر منیرؔ کا، کہ انکے والد محترم کے ترکہ سے انھیں "تفسیر عثمانی طبع بجنور ایڈیشن ۱۹۵۰" ملا تھا جس پر اجلۂ اکابرین کی تقریظات بھی چھپی ہوئی تھیں جو کہ اس مضمون کا محرک بنی) ....

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

مولانا محمد ولی رازی صاحب

تفسیر عثمانی کا تعارف اور ترکیبی عناصر

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی ○

تفسیر عثمانی پچھلے ساٹھ برسوں سے برصغیر کی اردو تفاسیر میں ایک نہایت مقبول اور انتہائی معتبر نام رہا ہے۔ اس غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے اس تفسیر کی وہ بعض خصوصیات تو ہیں ہی جو دوسری تفاسیروں میں مفقود ہیں اور جن کا مختصر ذکر ان سطور میں ان شاء اللہ آگے آئے گا لیکن میرے خیال میں اس کی اصل وجہ ان تین اکابر کا علم وفضل، اخلاص وللّٰہیت اور کمال احتیاط وادب کے ساتھ قرآنِ کریم کی خدمت کی دُھن ہے جو اصل میں تفسیر عثمانیؒ کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ یہ تین بڑے نام حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہیں۔ تفسیر عثمانی کی افادیت، خصوصیات اور اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔ اس پس منظر میں قارئین کے لئے اس تفسیر کے اصل مقام کو متعین کرنے میں سہولت ہوگی۔

موضح القرآن:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا اردو ترجمہ "موضح القرآن" اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں "الہامی ترجمہ" کے نام سے مشہور رہا ہے اور حقیقت

میں یہ قرآن کریم کا واحد ترجمہ ہے جو اردو میں پہلا بامحاورہ ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ کی ترتیب اور اس کے معانی و مفہوم سے حیرت انگیز طور پر قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس ترجمہ کی تکمیل میں تقریباً چالیس سال جو محنتِ شاقہ اُٹھائی ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کا یہ ترجمہ اردو زبان کا ایک قیمتی سرمایہ ہے جس کی حفاظت ہندوپاک کے مسلمانوں کے لئے ایک دینی فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس ترجمہ کی متعدد خوبیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے :

''حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کا ترجمہ جیسے استعمالِ محاورات میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے، ویسے ہی باوجود پابندیٔ محاورہ، قلتِ تغیر اور خفتِ تبدل میں بھی بے مثل ہے''۔

(مقدمہ ترجمہ شیخ الہندؒ، دارالتصنیف کراچی)

چودھویں صدی کے آغاز تک اُردو میں قرآن کریم کے متعدد ترجمے شائع ہوچکے تھے۔ ان میں بعض ترجمے بامحاورہ اور مروّج زبان میں اہل علم واہلِ ذہانت حضرات کے تھے اور اس کے مقابلے میں بعض تراجم ایسے بھی آئے جو آزاد خیال حضرات نے کیے تھے اور جن میں گونا گوں اغلاط و مفاسد پائے جاتے تھے اور ان میں قرآنِ کریم کے مفاہیم پر زبان کے تقاضوں کو ترجیح دی گئی تھی۔ آسان اور بامحاورہ زبان کی وجہ سے یہ ترجمے عوام میں مقبول ہونے لگے۔

دوسری طرف حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے سے استفادۂ عام میں کچھ دشواریاں پیش آنے لگیں اوّل تو یہ کہ اس ترجمے کے بعض الفاظ اور محاورات وقت گزرنے کے ساتھ یا تو متروک ہوگئے یا ان کا استعمال بہت کم ہوگیا۔ دوسری دُشواری ترجمہ کی وجہ سے نہیں بلکہ طبیعتوں کی سہل پسندی کی وجہ سے پیدا ہوئی یعنی اس ترجمہ کی جو سب سے نمایاں اور ممتاز خوبی تھی کہ کم سے کم الفاظ میں قرآن کریم کے مفہوم و منشاء کی تعبیر، یہی خوبی

ان طبیعتوں پر گراں گزرنے لگی جو غور وفکر کی عادی نہیں رہیں۔ اس وجہ سے بھی ان کا میلان ان جدید ترجموں کی طرف زیادہ ہونے لگا۔

ان ترجموں کی غلطیوں اور مفاسد سے لوگوں کو بچانے کے لئے اس وقت کے علمائے کرام کو اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک نیا ترجمہ سہل اور آسان اُردو میں ایسا کیا جائے جو ایک طرف ان مفاسد سے بھی پاک ہو اور دوسری طرف مروّجہ محاورے کے مطابق سہل اور آسان ہو۔

ترجمہ شیخ الہندؒ :

اُس وقت کے اہل علم نے حضرت شیخ الہندؒ سے ایسا ترجمہ کرنے کی درخواست کی حضرتؒ نے غور وفکر کے بعد فرمایا کہ پہلی ضرورت یعنی زبان ومحاورے کی سہولت تو بعض نئے ترجموں سے پوری ہوگئی جو اہلِ علم وفہم حضرات نے کئے ہیں۔ البتہ یہ ترجمے ان خوبیوں سے محروم ہیں جو موضح القرآن میں موجود ہیں۔ اب اگر کوئی نیا ترجمہ کیا جائے گا تو وہ آسان اور بامحاورہ تو ہوگا مگر حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی خوبیاں کہاں آئیں گی؟ فرمایا کہ اب یہ اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ نئے ترجموں کی موجودگی میں حضرت شاہ صاحب کی یہ بے مثال قرآنی خدمت کہیں رفتہ رفتہ معدوم ہی نہ ہوجائے، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں :

''اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیرِ الٰہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا افضل ومقبول ومفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہوجائے۔ یہ کس قدر نادانی بلکہ کفرانِ نعمت ہے اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے''۔

اس لئے حضرت شیخ الہندؒ نے جدید ترجمہ کا ارادہ تو اس لئے نہیں فرمایا کہ حضرت

شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی حفاظت ضروری تھی۔ البتہ اس ترجمے سے استفادہ کرنے میں جو مذکورہ بالا دشواریاں تھیں ان کو دور کرنے کا ارادہ فرمالیا، چنانچہ اس ارادے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں :

''اس لئے ننگِ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ممدوح کے مبارک و مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو کل دو خلجان ہیں یعنی ایک بعض الفاظ و محاورات کا متروک ہو جانا دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا، جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر بنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاقِ طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آگئی کہ جس سے ایسے مفید اور قابل ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، سو اگر غور و احتیاط کے ساتھ اُن الفاظِ متروکہ کی جگہ الفاظِ مستعملہ لے لئے جائیں اور اختصار و اجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر ان شاء اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ صدقۂ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے''۔ (مقدمہ ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس للّٰہیت و اخلاص اور احتیاط و تدبر کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ نے مذکورہ بالا دو مقاصد سامنے رکھ کر حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے موضح القرآن میں نظرِ ثانی اور ترمیم کا کام شروع فرمادیا اور آخر ۱۳۳۶ھ میں اس عظیم خدمت کو مکمل فرمایا اور اس میں بھی جس احتیاط و ادب سے کام لیا ہے، وہ حقیقت میں انہی حضرات کا حصہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اپنے ترجمے کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

''جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی ہے، وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا بڑھا دیا، نہیں بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ خود موضح القرآن میں دوسری جگہ کوئی لفظ مل گیا یا حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے ترجمے میں یا فتح الرحمٰن میں۔ حتی الوسع ان میں سے لینے کی کوشش کی ہے۔ ایسا تغیر جس کی نظیر مقدس حضرات کے تراجم میں نہ ہو، ہم نے کل ترجمہ میں جائز نہیں رکھا''۔

اللہ اکبر ! ان حضرات کی بے نفسی، خوفِ خدا اور اپنے بزرگوں کے احترام و ادب کا یہ نمونہ کتنا مفید اور سبق آموز ہے؟ تمام تراجم میں تلاش و جستجو کی یہ محنت شاقہ اس لئے اُٹھائی کہ اپنی جانب ایک آدھ لفظ کا اضافہ بھی گوارا نہ تھا۔ اسی اخلاص و للّٰہیت ہی کا ثمرہ ہے کہ ترجمہ شیخ الہندؒ کو جو مقام آج حاصل ہے وہ کسی دوسرے ترجمے کو حاصل نہیں، اس ترجمے کو موضح القرآن سے ممتاز رکھنے کیلئے آپ نے اس کا نام ''موضح فرقان'' تجویز فرمایا تھا، مگر یہ ترجمہ شیخ الہندہی کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے چھ اشعار پر مشتمل ایک قطعہ میں اس ترجمہ کی تاریخ بیان فرمائی ہے۔ اس قطعہ کا آخری شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے یہ ہے ....

بے شش و پنج بگفتہ محمود   سالِ اُو موضح فرقانِ حمید

اس شعر سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ بے شش و پنج (یعنی چھ اور پانچ = کل گیارہ اعداد) کم کردیں تو ''موضح فرقانِ حمید'' کے اعداد سے سال ۱۳۳۶ھ نکل آئے گا۔

فوائدِ عثمانی :

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے ترجمہ کے ساتھ کچھ مختصر حواشی بھی تحریر فرمائے تھے جن میں اختصار کے ساتھ انتہائی مفید تفسیری توضیحات شامل تھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ کی تکمیل کے بعد ایک اہم کام یہ بھی شروع فرمایا کہ ان حواشی کو دوبارہ اپنی زبان میں اس طرح تحریر کرنا شروع کیا کہ جہاں جہاں ضرورت سمجھی اس اجمال کی تفصیل فرمادی اور مفید تفسیری وضاحتوں کا اضافہ بھی فرمایا لیکن حضرت شیخ الہندؒ کی حیات میں یہ کام صرف سورۂ آلِ عمران تک ہوسکا اور اس طرح تفسیری فوائد کا کام ادھورا رہ گیا۔

اس کام کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

کو منتخب فرمایا اور انہوں نے اپنے مشفق اُستادؒ کے اس ادھورے کام کی تکمیل کا ارادہ فرمایا اور انہی مقاصد کو سامنے رکھ کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ جانفشانی سے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کو اللہ تعالیٰ نے جس علم و فضل، بصیرت و حکمت اور عصر حاضر کی مزاج شناسی عطا فرمائی تھی، اُن کے تحریر کردہ تفسیری فوائد میں جگہ جگہ ان کا اظہار ہوا اور اس طرح فوائدِ عثمانی نے ایک ایسی مختصر مگر جامع اور عصر حاضر کی ضرورتیں پوری کرنے والی تفسیر نے لے لی جس کی مثال اُردو میں موجود نہ تھی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ نے خاص یوم عرفہ کو وقوف عرفات کے وقت ۱۳۵۰ھ کو دیو بند میں اس کام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کے تبحر علمی اور تقریر و تحریر کی سحر انگیزی کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں، تحریک پاکستان میں علمائے کرام کی جماعت کے سرخیل حضرت علامہ عثمانیؒ ہی تھے۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "حضرت عثمانیؒ" کے دستِ راست اور سب سے زیادہ معتمد علیہ تھے۔

احقر کو اپنی نوجوانی میں والد ماجدؒ کے ساتھ حضرت عثمانی کی خدمت میں حاضری کی سعادت کثرت سے حاصل رہی، اگرچہ اس بے فکری کے زمانے میں نہ حضرتؒ کے علمی مقام کا کوئی شعور تھا اور نہ اس باکمال شخصیت کے کمالات کا کوئی اندازہ۔ البتہ کراچی کے پرہجوم جلسوں میں حضرت عثمانیؒ کی سحر انگیز تقاریر کی اہمیت کا اثر آج بھی قلب میں محسوس ہوتا ہے۔

تفسیرِ عثمانی کی بعض خصوصیات :

تفسیر عثمانی کی اصل علمی خصوصیات کا اندازہ کرنا تو اہل علم کا کام ہے، لیکن اس کی خصوصیات جو مجھ جیسے ایک عام آدمی کو بھی بسہولت نظر آ جاتی ہیں، مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کریم کے منشاء و مفہوم کی تعبیر میں اتنی جامع ہے کہ

اکثر مقامات پر قرآن کریم کے طالب علم کو بڑی تفاسیر سے مستغنی کر دیتی ہے۔

۲۔ قرآنِ کریم کی آیات کا باہمی ربط اتنا واضح ہے کہ مسلسل ترجمہ پڑھنے والے کو کہیں ربط کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔

۳۔ قرآنِ کریم کی مختلف آیات میں جہاں جہاں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے، ان آیات کی طرف مراجعت کر کے رفع تعارض کی سہل تقریر کی گئی ہے۔

۴۔ عصرِ حاضر میں پیدا ہونے والے اشکالات کا شافی جواب دیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر اپنے دلنشین انداز میں عقلی دلائل بھی مہیا کئے گئے ہیں۔

۵۔ جن مقامات پر ایک سے زائد تفسیری آراء پائی جاتی ہیں، وہاں راجح تفسیر کو ترجیحی وجوہات کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

۶۔ اہلِ علم کے لئے اکثر مقامات پر ایسے لطیف علمی اشارات کر دیئے گئے ہیں جن سے ان مقامات پر متوقع دشواریوں کے حل کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔

۷۔ زبان کی سہولت اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ ساٹھ سال گزر جانے پر بھی اس تفسیر کی زبان آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

تفسیری عنوانات کا اضافہ :

زمانے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں، اب تک تفسیرِ عثمانی قرآن کریم کے حاشیے ہی پر طبع ہوتی رہی ہے۔ اس زمانے میں طبیعتوں کی سہل پسندی اور بڑھ گئی اور حاشیوں کا رواج رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا۔ اب تک جس انداز میں تفسیر عثمانی چھپتی رہی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ بین السطور ترجمے میں جہاں تفسیری فائدہ دینا ہے، اس کا نمبر دے دیا جاتا ہے اور پھر وہی نمبر حاشیہ دے کر اس کے تحت تفسیر لکھ دی جاتی ہے اور پھر صفحہ کے فوائد کا نمبر ایک سے شروع ہوتا ہے۔ اس صورت میں قباحت یہ ہے کہ ہر صفحہ کے تفسیری

فوائد کو اسی صفحہ تک محدود رکھنا اکثر ممکن نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک آیت کا تفسیری فائدہ اگر دیکھنا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ مضمون اسی صفحہ پر مل جائے۔ وہ کسی اگلے صفحے پر دیکھنا ہوتا ہے اور اس طرح استفادہ میں دشواری پیش آتی ہے۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ حاشیہ میں جگہ کی کمی کی وجہ سے قلم باریک ہوتا ہے اور پڑھنے والے کو ایک اُلجھن سی محسوس ہوتی ہیں اور چونکہ اس زمانے میں اشاعت وطباعت کی سہولتوں کی وجہ سے جدید کتابیں بہت صاف اور سہل ہوتی ہیں۔ اس لئے اس قدیم طرز کے حاشیوں کو دیکھ کر ہی ایک عام پڑھنے والا گھبراہٹ محسوس کرتا ہے، چنانچہ خود مجھے بھی جب کبھی استفادہ کی ضرورت پیش آئی تو معارف القرآن کی آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر سے استفادہ نسبتاً زیادہ آسان معلوم ہوا۔ ان وجوہات کی وجہ سے تفسیر عثمانی کی افادیت بھی متاثر ہونے لگی۔ اب پھر یہ ضرورت پیش آئی کہ جدید تقاضوں کے مطابق اس کی نئی کتابت وطباعت ہو اور حاشیہ کی بجائے یہ تفسیری فوائد باقاعدہ تفسیر کے متن کے طور پر شائع کئے جائیں۔

جس وقت احقر نے یہ مضمون تحریر کیا تھا، برادر محترم ہمارے درمیان موجود تھے اور اس کام کی تکمیل پر بے اندازہ خوشی کا اظہار فرمایا اور مجھے انعام سے بھی سرفراز فرمایا، تقریباً دس ماہ کی تکلیف دہ علالت کے بعد اللہ کا حکم پورا ہوا اور وہ ۱۱ راگست ۱۹۹۰ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انہیں وہاں اپنی رضا اور مغفرت کے انعامات سے نوازے۔ (آمین)

میرے برادر محترم مولانا محمد رضی عثمانیؒ (مالک دارالاشاعت کراچی) کی ایک طویل عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ وہ اس کے تفسیری فوائد پر عنوانات کا اضافہ کروا کے اس کو جدید طرز کے مطابق از سرِ نو شائع کریں۔ میرے بھتیجے اور برادر محترم کے صاحبزادے عزیزم خلیل اشرف سلمہٗ نے شعبان ۱۴۰۹ھ کے آخر میں مجھ سے اس خواہش کا اظہار بھی

کیا اور درخواست بھی کی کہ تفسیری عنوانات کا کام میں کر دوں، اس کام کی اہمیت اور افادیت میں تو کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس کا کبھی وہم بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھ جیسے بے علم وعمل آدمی کے بارے میں بھی یہ سوچا جاسکتا ہے کہ تفسیر عثمانی کی اس علمی خدمت کی کوئی اہلیت اس میں موجود ہے، پھر یونیورسٹی میں اپنی تدریسی مصروفیات کے علاوہ پچھلے تقریباً ڈھائی سال سے بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ اظہار الحق) جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کے انگریزی ترجمے کے کام میں مصروف تھا اور اس وقت تیسری جلد کا آغاز ہی کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کچھ دوسرے تحریری کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس نئے کام کو شروع کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، لیکن ساتھ ہی یہ لالچ بھی قوت کے ساتھ دل میں پیدا ہوا کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ مدد فرمائیں اور اس احقر سے قرآن کریم کی یہ خدمت ہو سکے تو یہ ایک ایسی نعمت اور سعادت ہوگی کہ جس کا تصور بھی احقر نہیں کرسکتا۔ برادر عزیز جسٹس مولانا تقی عثمانی سلمہٗ اللہ تعالیٰ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے بھی اصرار سے اس کام کی تائید کی اور اس طرح اس خدمت کے لئے کچھ ہمت پیدا ہونے لگی۔ رمضان المبارک میں شروع ہو گئے اور آخر یہ ہمت ارادے کی شکل اختیار کرگئی، چنانچہ ۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کی شب میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے احقر نے اس کام کی ابتداء کر دی اور دوسرے تحریری کاموں کو فی الحال ملتوی کر دیا۔ اس کام کی ابتداء میں ایک طرف تو یہ خیال انتہائی مسرور کن تھا کہ اس تفسیر میں جن اکابر کے نام شامل ہیں ان کے نام کے ساتھ بھی آخرت میں رحمت کا معاملہ فرمادیں اور جس طرح گندم کے ساتھ خس وخاشاک بھی اُسی قیمت پر تل جاتے ہیں، اسی طرح شائد حق تعالیٰ شانہٗ ان بڑے ناموں کے ساتھ احقر کو بھی خس وخاشاک کی طرح قبول فرمالیں۔ دوسری طرف اپنی بے بضاعتی، بے علمی اور بے عملی

کے پیشِ نظر یہ خوف بھی طاری رہا کہ اپنی نااہلی کے باوجود اس کام کی جرأت پر کہیں مواخذہ ہو جائے۔

الحمد للہ ۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ، ۱۱راپریل ۱۹۸۹ء کو شروع کر کے ۹ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ ستمبر ۱۹۸۹ء کو پورے پانچ ماہ میں اس کی تکمیل ہوگئی، اگر یہ کوئی مفید کام ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی دی ہوئی اس توفیق اور سعادت کے شکر کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں، ورنہ میرے لئے یہ بھی بڑی کامیابی ہوگی کہ آخرت میں حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ مواخذہ نہ ہو کہ تو نے یہ جرأت کیوں کی؟ ربِ اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔

تفسیر عثمانی میں اس وقت احقر نے جو کام کیے وہ دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سورت کے فوائد کے نمبر مسلسل لگائے گئے ہیں اور وہی نمبر بین السطور ترجمے میں دیے گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں جتنے فوائد ہیں جو تین سو سے زائد ہیں ان کے نمبر ایک سے شروع کر کے آخر تک مسلسل لگائے گئے ہیں۔ اس سے قرآنی آیت یا الفاظ کے متعلقہ فائدے کو دیکھنا پہلے کے مقابلے میں بہت سہل ہو جائے گا۔ دوسرا اصل کام تفسیری عنوانات قائم کرنے کا ہے۔ اس کام کی مشکلات اور دشواریوں کا اندازہ احقر کو کام شروع کرنے کے بعد ہی ہوا۔ مثلاً ایک عام دشواری تو یہی تھی کہ قرآنِ کریم کی ایک آیت میں متعدد مضامین ہوتے ہیں ان میں سے کس مضمون کو عنوان بنایا جائے، اس کا یہ فیصلہ اکثر مقامات پر سخت دشوار ہوا۔ اس کے علاوہ بھی اس کام میں کیا نزاکتیں اور عملی دشواریاں ہیں اس کا اندازہ اہلِ علم کر سکتے ہیں۔ ان کا تذکرہ غیر ضروری طوالت کا سبب ہوگا۔

تفسیری عنوانات کے قائم کرنے کے وقت جو اُمور احقر کے پیشِ نظر رہے یا جو فوائد اور سہولتیں اس اضافے سے متوقع ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ کل تفسیری عنوانات کی تعداد لگ بھگ پانچ ہزار ہے۔

☆ ان تفسیری عنوانات کی فہرست درحقیقت تفسیر عثمانی کا ایک تفصیلی انڈکس ہے جو خود مستقل افادہ کی چیز ہے۔

☆ ہر سورت کے تفسیری عنوانات پر نظر ڈالنے سے اس سورت کے مضامین سے اجمالی واقفیت چند لمحوں میں حاصل ہو جاتی ہے۔

☆ احقر نے عنوانات قائم کرنے کے وقت حضرت علامہ عثمانیؒ کے فوائد ہی کو بنیاد بنایا ہے اور اس پر سختی سے عمل کیا ہے، مثلاً قرآن کے ظاہری الفاظ سے ایک عنوان بظاہر متعین معلوم ہوتا ہے، مگر تفسیر میں اس طرف التفات نہیں کیا گیا تو تفسیر ہی کے مطابق عنوان اختیار کیا گیا ہے۔

☆ ایک تفسیری فائدے میں اگر ایک سے زائد مضامین بیان ہوتے ہیں تو اس موقع کے مناسب اگر تفسیر میں واضح طور پر کسی ایک مضمون پر زور ہے تو وہاں اُسی مضمون کو عنوان بنایا گیا ہے۔

☆ بعض تفسیری فوائد میں حضرت علامہؒ نے طویل کلام کیا ہے۔ اس میں اگر کوئی اہم علمی نکتہ، یا کوئی مفید مضمون آیت کی تفسیر کے ذیل میں آ گیا ہے تو اس جگہ کوئی نیا نمبر آئے گا بغیر ایک نیا عنوان قائم کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ ایک فائدہ کا صرف ایک ہی عنوان ہو۔

☆ قصص اور واقعات کی تکرار میں اکثر مقامات پر قرآنِ کریم نے کہیں کہیں معمولی فرق کیا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت نوحؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے واقعات مختلف جگہوں پر بار بار آئے ہیں۔ ان میں جہاں کوئی نئی تفصیل یا نئی اطلاع موجود ہے۔ اس کے عنوان میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح واقعات کی مختلف تفصیلات

فہرست مضامین میں آسانی سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

☆ یہ اہتمام نہیں کیا گیا کہ صرف اُن تفسیری فوائد پر عنوان لگایا جائے جن کی عبارت کچھ طویل، بلکہ اگر کسی جگہ صرف ایک سطر کا فائدہ ہے اور اس کا مضمون عنوان کا متقاضی ہے تو وہاں بھی عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔

☆ حتی الوسع احتیاط کے باوجود اس کام میں بہت جگہوں پر احقر سے سہو و خطا کا صدور یقیناً ہوا ہوگا۔ اس کے لئے درخواست ہے کہ احقر کو یا ناشر کو ان مقامات کی نشاندہی فرمادیں تو اُن کو آئندہ طباعت میں درست کرلیا جائے۔ آخر میں بارگاہِ ربّ العالمین میں بدست دعا ہوں کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرما کر اس کو پڑھنے والوں کیلئے مفید اور احقر کیلئے دین و دنیا کا سرمایہ بنادے۔ (آمین)

شیخ الحدیث مولانا فیض احمد صاحب ملتان

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری جواہر پارے

ردّ عیسائیت :

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک موقر و معزز وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں تین شخص (۱) عبدالمسیح عاقب بحیثیت امارت و سیادت کے (۲) ایہم السید بلحاظ رائے و تدبیر کے اور (۳) ابوحارثہ بن عامر باعتبار سب سے بڑے مذہبی عالم اور لاٹ پادری ہونے کے عام شہرت اور امتیاز رکھتے تھے۔ یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ "بنی بکر بن وائل" سے تعلق رکھتا تھا، پھر پکا نصرانی بن گیا۔ سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلابت اور مجد و شرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم و تکریم کی۔ علاوہ بیش قرار مالی امداد کے اس کے لئے گرجے تعمیر کیے اور امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا۔ یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور متنازع فیہ مسائل میں حضور ﷺ سے گفتگو کی، جس کی پوری تفصیل محمد بن اسحاق کی سیرۃ میں منقول ہے۔ سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ تقریباً اسی نوے (۸۰، ۹۰) آیات تک اسی واقعہ میں نازل ہوا۔ عیسائیوں کا

پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بعینہٖ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں ایک ہیں۔ سورۂ ہٰذا کی پہلی آیت میں توحید خالص کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کو جو صفات "حی قیوم" بیان کی گئیں، وہ عیسائیوں کے اس دعوے کو صاف طور پر باطل ٹھہرائی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے دوران مناظرہ میں اُن سے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ حی (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی، اُسی نے تمام مخلوقات کو وجود عطاء کیا اور سامان بقاء پیدا کر کے اُن کو اپنی قدرت کاملہ سے تھام رکھا ہے۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام پر یقیناً موت وفنا آ کر رہیگی اور ظاہر ہے جو شخص خود اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے، دوسری مخلوقات کی ہستی کیا برقرار رکھ سکتا ہے۔ "نصاریٰ" نے سن کر اقرار کیا (کہ بیشک صحیح ہے) شاید انہوں نے غنیمت سمجھا ہوگا کہ آپ اپنے اعتقاد کے موافق "عیسی یاتی علیہ الفناء" کا سوال کر رہے ہیں یعنی عیسٰی پر فنا ضرور آئے گی، اگر جواب نفی میں دیا تو آپ ہمارے عقیدہ کے موافق کہ حضرت عیسٰی کو عرصہ ہوا موت آ چکی ہے۔ ہم کو اور زیادہ صریح طور پر ملزم اور مفحم کر سکیں گے۔ اس لئے لفظی مناقشہ میں پڑنا مصلحت نہ سمجھا اور ممکن ہے یہ لوگ ان فرقوں میں سے ہوں جو عقیدۂ اسلام کے موافق مسیح علیہ السلام کے قتل و صلیب کا قطعاً انکار کرتے تھے اور رفع جسمانی کے قائل تھے، جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے "الجواب الصحیح" میں اور "الفارق بین المخلوق والخالق" کے مصنف نے تصریح کی ہے کہ شام و مصر کے نصاریٰ عموماً اسی عقیدہ پر تھے۔ مدت کے بعد پولوس نے عقیدہ صلب کی اشاعت کی، پھر یہ خیال یورپ سے مصر و شام وغیرہ پہنچا۔ ہر حال نبی کریم ﷺ کا "اِنّ عیسٰی اتی علیہ الفناء" کے بجائے "یاتی علیہ الفناء" فرمانا، در آں حالیکہ پہلے الفاظ تردید الوہیۃ مسیح کے موقع پر زیادہ صاف اور مسکت ہوتے ظاہر کرتا ہے کہ موقع الزام میں بھی مسیح علیہ السلام پر موت سے پہلے لفظ موت کا اطلاق آپ نے پسند نہیں کیا۔

آل عمران کی آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی قرآنِ کریم جو عین حکمت کے موافق نہایت بروقت سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اُترا۔

آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگلی کتابوں (تورات و انجیل وغیرہ) پہلے سے قرآن اور اس کے لانے والے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر رہی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں مناسب احکام و ہدایات دیتی تھیں۔ گویا بتلا دیا کہ "الوہیت" یا "ابنیت مسیح" کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے تمام کتب سماویہ متفق و متحد ہیں۔ مشرکانہ عقائد کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔

آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں:

یعنی ہر زمانے کے مناسب ایسی چیزیں اُتاریں جو حق و باطل، حلال و حرام اور جھوٹ سچ کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوں۔ اس میں قرآن کریم، کتب سماویہ، معجزاتِ انبیاء، سب داخل ہو گئے اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جن مسائل میں یہود و نصاریٰ جھگڑتے چلے آ رہے ہیں، اُن اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کے ذریعہ سے کر دیا گیا۔

آیت نمبر ۴ کے تحت مزید فرماتے ہیں:

یعنی ایسے مجرموں کو نہ سزا دیے بغیر چھوڑیگا، نہ وہ اُس کے زبردست اقتدار سے چھوٹ کر بھاگ سکیں گے۔ اس میں بھی اُلوہیت مسیح کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا کیونکہ جو اختیار و اقتدار کلی خدا کے لئے ثابت کیا گیا۔ ظاہر ہے وہ مسیح میں نہیں پایا جاتا، بلکہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح کسی کو سزا تو کیا دے سکتے خود اپنے کو باوجود سخت تضرع و الحاح کے ظالموں کے پنجہ سے نہ چھڑا سکے، پھر خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بن سکتے ہیں؟ بیٹا وہ کہلاتا ہے جو باپ کی نوع سے ہو۔ لہٰذا خدا کا بیٹا خدا ہی ہونا چاہیے۔ ایک عاجز مخلوق کو

حقیقۃً قادرِ مطلق کا بیٹا کہنا، باپ اور بیٹے دونوں پر سخت عیب لگانا ہے۔ العیاذ باللہ۔

آیت نمبر ۵ کے حوالے سے لکھتے ہیں :

یعنی جس طرح اُس کا اقتدار و اختیار کامل ہے، علم بھی محیط ہے، عالم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک سیکنڈ کے لئے اُس سے غائب نہیں۔ سب مجرم و بری اور تمام جرموں کی نوعیت و مقدار اُس کے علم میں ہے۔ مجرم بھاگ کر روپوش ہونا چاہے تو کہاں ہو سکتا ہے؟ یہیں سے تنبیہ کر دی گئی کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں ہو سکتے، کیونکہ ایسا علم محیط اُن کو حاصل نہ تھا۔ وہ اُسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ اُن کو بتلا دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے جواب میں خود نصاریٰ نجران نے اقرار کیا اور آج بھی اناجیل مروجہ سے ثابت ہے۔

آیت نمبر ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا، مذکر، مؤنث، خوبصورت، بدصورت، جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا، ایک پانی کے قطرہ کو کتنی پلٹیاں دے کر آدمی کی صورت عطا فرمائی، جس کی قدرت و صنعت کا یہ حال ہے کیا اُس کے علم میں کمی ہو سکتی ہے یا کوئی انسان جو خود بھی بطن مادر کی تاریکیوں میں رہ کر آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا، پیتا، پیشاب پاخانہ کرتا ہو، اُس خداوند قدوس کا بیٹا یا پوتا کہلایا جا سکتا ہے؟ كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا عیسائیوں کا سوال تھا کہ جب مسیح کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو بجز خدا کے کس کو باپ کہیں، يصوركم في الارحام كيف يشاء میں اس کا جواب بھی ہو گیا، یعنی خدا کو قدرت ہے، رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے۔ خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے اسی لئے آگے فرمایا، ''هو العزيز الحكيم'' یعنی زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا اور ''حکیم'' ہے جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ ''حوا'' کو بدون ماں کے ''مسیح'' کو بدون باپ کے ''آدم'' کو بدونِ ماں

باپ دونوں کے پیدا کر دیا، اُس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکے۔

آیت نمبر ۷ کے تحت تحریر فرماتے ہیں :

نصاریٰ نجران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت مسیح کو ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' مانتے ہیں، بس ہمارے اثبات مدعا کیلئے یہ الفاظ کافی ہیں۔ یہاں اُس کا تحقیقی جواب ایک عام اُصول اور ضابطہ کی صورت میں دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات و مناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتبِ الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں، ایک وہ جن کی مراد معلوم و متعین ہو، خواہ اس لئے کہ لغت و ترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے اور یا اس لئے کہ عبارت و الفاظ میں گو لغۃً کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اُصول مسلّمہ سے قطعاً متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنی نہیں یہ ہے، ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں، دوسری قسم آیات کی ''متشابہات'' کہلاتی ہے، یعنی جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں کچھ اشتباہ و التباس واقع ہو جائے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہئے جو معنی اُس کے خلاف پڑیں اُن کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیاتِ محکمات کے مخالف نہ ہو، اگر باوجود اجتہاد وسعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کر سکیں تو دعویٰ ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے گزرنا نہیں چاہئے، جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے، اس کو بھی اسی فہرست میں شامل کر لیں، مگر زنہار ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اُصول مسلمہ اور آیاتِ محکمہ کے خلاف ہوں، مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کر دی ''ان هو الا عبد انعمنا

علیہ" یا "ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل آدم خلقہ من تراب" الخ" یا "ذالک عیسی بن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون ما کان للّٰہ ان یتخذ من ولد سبحانہٗ" اور جابجا اُن کی اُلوہیت کا رد کیا۔ اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے کلمۃ القاھا الیٰ مریم و روح منہ" وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اُس کے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں، ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں، یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی۔ بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ہلبل یقین ایسے متشابہات سے اپنی رائے و ہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں، حالانکہ اُن کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے، وہ ہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں، وہ محکمات و متشابہات سب کو حق جانتے ہیں۔ اُنہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں، جن میں تناقض و تہافت کا امکان نہیں۔ اسی لئے وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں اور جو حصہ اُن کے دائرۂ فہم سے باہر ہوتا ہے، اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے۔ (تنبیہ)

بعد میں آیت نمبر ۱۰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

قیامت کے ذکر کے ساتھ کافروں کا انجام بھی بتلا دیا کہ اُن کو کوئی چیز دنیا و آخرت میں خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی، جیسا کہ میں ابتداءِ سورت میں لکھ چکا ہوں، ان آیات میں اصلی خطاب وفد "نجران" کو تھا جسے عیسائی مذہب و قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت کہنا چاہئے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے محمد بن اسحٰق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جس وقت یہ وفد "نجران" سے بقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا۔ خچر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا "تعس الا بعد"

ابعد سے مراد محمد ﷺ تھے۔ العیاذ باللہ۔ ابو حارثہ نے کہا "تعست اُمک" کرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا۔ ابو حارثہ نے کہا واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ (محمد ﷺ) وہ ہی نبی منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرز نے کہا پھر مانتے کیوں نہیں؟ بولا "لان ھؤلاء الملوک اعطونا اموالا و اکرمونا فلو آمنا بمحمد ﷺ لاخذ و امنا کل ھذہ الا شیآء" اگر محمد ﷺ پر ایمان لے آئے تو یہ بادشاہ جو بیشمار دولت ہم کو دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر لیں گے) کرز نے اس کلمہ کو اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہ ہی کلمہ اسلام کا سبب بنا۔

ردِّ دھریت، فکر کائنات سے پہلے ذکر خالقِ کائنات ضروری ہے :

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سورۂ آلِ عمران کے تفسیر میں لکھتے ہیں :

(۱) یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوندا ! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا جس کا کوئی مقصد نہ ہو، یقیناً ان عجیب و غریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم و جلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہئے۔ گویا یہاں سے اُن کا ذہن تصورِ آخرت کی طرف منتقل ہو گیا جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے۔ اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کی اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہہ بیان کر کے اشارہ کر دیا کہ جو احمق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں، یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانۂ عالم کو محض عبث و لعب سمجھیں، تیری بارگاہ اُن سب کی ہزلیات و خرافات سے پاک ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعاتِ الٰہیہ میں غور و فکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں اُلجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا اُنہیں بڑا محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی

زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل واحمق ہیں۔

کفر میں تکوینی حکمت :

آیت نمبر ۱۱۹ کے تحت لکھتے ہیں :

یعنی جیسا کہ بارہا پہلے لکھا جا چکا ہے، خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا۔ اسی لئے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا، مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے صاف وصریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا، اگر فطرتِ سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لئے الا من رحم ربک سے متنبہ فرما دیا کہ جن پر خدا نے اُن کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا، وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی آیت کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں :

یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفاتِ جمالیہ" و "قہریہ" کا ظہور ہو۔ اس لئے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تا کہ ایک جماعت اپنی مالک کی وفاداری واطاعت دکھا کر رحمت وکرم اور رضوان وغفران کا مظہر بنے جو الا من رحم ربک کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت وغداری سے اُس کی صفت عدل وانتقام کا مظہر بن کر حبس دوام کی سزا بھگتے، جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو" لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين "۔

بہر حال آفرینش عالم کا تشریعی مقصد عبادت ہے و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون" (الذاريات، رکوع ۳) اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریعی مقصد کو اپنے کسب واختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف وقہر کے مورد ومظہر بن سکیں ......

درکارخانۂ عشق از کفر نا گزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولهب نه باشد

پھر لطف وکرم کے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد وعمل کے اعتبار سے مختلف ہوں گے ....

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

معراجِ جسمانی حق ہے :

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :

یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد ﷺ) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض لنريه من اٰيٰتنا میں اُس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا "بیت المقدس" سے آگے کہیں اور لے جا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ شان کے عجیب و غریب نمونے دکھلانے منظور تھے۔ سورۂ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ "سدرۃ المنتہیٰ" تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا: " و لقد راٰه نزلةً اخرىٰ عند سدرة المنتهىٰ عندها جنة المأوىٰ اذ يغشى السدرة ما يغشىٰ ما زاغ البصر و ما طغىٰ لقد رأىٰ من اٰيات ربه الكبرىٰ" ۔ (النجم) علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیاحت کو 'معراج' کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ ایک لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج واسراء کے واقعات

بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جمہور سلف و خلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پرنور کو حالت بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعۂ معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جو لفظ" وما جعلنا الرؤیا التی اربنک " الخ" آتا ہے اُس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔ سلف میں سے کسی کا قول نہیں کہ معراج حالتِ بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو، جیسا کہ بعض حکماء و صوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ " لیس المعنٰی الاسراء بالروح الذھاب یقظة کالانسلاخ الذی ذھب الیه الصوفیة والحکماء فانه و ان کان خارقا للعادة و محلا للتعجب ایضًا الا انه امرٌ لا تعرفه العرب ولم یذھب الیه احد من السلف "۔ بے شک ابن قیم نے زاد المعاد میں عائشہ صدیقہ، معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے لیکن اُس پر کوئی نقل پیش نہیں کی۔ محض ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ اُن میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔

بہر حال قرآنِ کریم جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشاں عنوان سے واقعۂ "اسراء" کو ذکر فرمایا اور جس قدر جد و مستعدی سے مخالفین اس کی انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعویٰ ابتدائے بعثت سے رہے ہیں، دعوئے اسراء کفار کے لئے کچھ اُن سے بڑھ کر تعجب خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء و تمسخر کا نشانہ بنانے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و متشوش ہونے کی

ضرورت تھی جو بعض روایاتِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں، "ثم اصبحت بمکة" یا " ثم اتیت مکة " (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور کہاں تشریف لے گئے تھے؟ ہمارے نزدیک " اسرٰی بعبدہٖ " کے یہ معنی لینا کہ خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا۔ اس کے بعد یہ ہے کہ کوئی شخص "فاسر بعبادی" کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل جاؤ یا سورۃ کہف میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جانا اور اُن کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ " فانطلقا " کا لفظ آیا ہے، اُس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب ہے یا بطور روحانی سیر واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ " رویا " جو قرآن میں آیا اُس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما چکے ہیں " رؤیا عینٍ اریھا رسول اللّٰه ﷺ "، مفسرین نے کلامِ عرب سے شواہد پیش کئے ہیں کہ رویا کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رویت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اُس سے مراد یہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں، تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور اُمت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔ ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا۔ اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت کے مقابلہ میں اُن کی روایت قابلِ استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اواخر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اُن کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفاصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ صحیح مسلم میں

یہ مباحث پوری شرح وبسط سے درج کئے ہیں ۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج واسراء کا واقعہ حالتِ بیداری میں بجسدہٖ الشریف واقع ہوا۔

آیت نمبر ۹۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق ومغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے جو وسائل اُس کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ، اُن سب پر ہمارا علم محیط ہے ۔ تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہوں گے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرمادیا۔ بعض مفسرین نے ''کذٰلک'' کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ، ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی ۔ واللہ اعلم ۔

آیت نمبر ۹۲ کے تحت لکھتے ہیں :

یہ تیسرا سفر مشرق ومغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں ۔ قرآن وحدیث میں یہ تصریح نہیں ۔

سورۂ کہف کی آیت نمبر ۹۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب ووسائل اور قوت وحشمت کو دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ ہماری تکالیف ومصائب کا سدِّ باب اس سے ہوسکے گا۔ اس لئے گذارش کی کہ ''یاجوج ماجوج'' نے ہمارے ملک میں اودھم مچا رکھی ہے ، یہاں آکر قتل وغارت اور لوٹ مار کرتے رہتے ہیں ، آپ اگر ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی مضبوط روک قائم کردیں جس سے ہماری حفاظت ہوجائے تو جو کچھ اُس پر خرچ آئے ہم ادا کرنے کو تیار ہیں ۔ چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کرلیں ۔ (تنبیہ) ''یاجوج ماجوج'' کون ہیں ؟ کس ملک میں رہتے ہیں ؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سدّ (آہنی دیوار) کہاں ہے ؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین ومؤرخین کے اقوال مختلف رہے ہیں ۔ میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم) کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے

اور جیسا کہ کعب احبار نے فرمایا اور نووی فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے ۔ اُن کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے ، مگر ماں کی طرف سے حوا تک نہیں پہنچتا ، گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے ۔ کیا عجب ہے کہ دجال اکبر جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا۔ اسی قوم کا ہو ، جب حضرت مسیح علیہ السلام جو محض ایک آدم زاد خاتون (مریم صدیقہ) کے بطن سے بتوسط نفخۂ ملکیہ پیدا ہوئے ، نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کردیں گے ، اُس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخر کار حضرت مسیح کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی ۔ اس وقت یہ قوم کہاں ہے اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے ؟ سو جو شخص اُن سب اوصاف کو پیش نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوار آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں ملتا ہے ۔ اُس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں ، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے یہ مجموعۂ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا ، لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے ، اور احادیث صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلات بعیدہ دین کے خلاف ہے ۔ رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا مگر کہیں اُس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شبہ کے جواب کے لئے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے ۔ اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادیؒ نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری پر محیط ہوچکے ہیں ، واجب التسلیم نہیں ۔ عقلاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا۔ اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کرسکے ہوں اور تھوڑے دنوں ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں ، سمندر کی دیوار اعظم جو ''آسٹریلیا'' کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے ، آج کل برطانوی سائنس دان ڈاکٹر سی ایم ینگ کے زیر ہدایات اُس کی تحقیقات جاری ہے

یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے جس پر بیشمار مخلوق بستی ہے، جو مہم اس کا کیلئے روانہ ہوئی تھی حال میں اُس نے اپنی یکسالہ تحقیقات ختم کی ہے جس سے سمندر کے عجیب وغریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان حیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہم کو خشکی وتری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں۔ بہر حال مخبر صادق نے جس کا صدق دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے، جب اُس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کرے اور اُن واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین ومنکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے ...... ۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا
و یاتیک بالاخبار ما لم تزوّد

سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات کا مضمون :

علامہ عثمانیؒ سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

جو اُس کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اُس کی نعمتوں میں سب سے اونچی نعمت ورحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیداکنار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا ۔

(تنبیہ) سورۂ النجم میں فرمایا تھا "علمه شديد القوىٰ الخ" یہاں کھول دیا کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو۔

آیت نمبر ۳ کے تحت لکھتے ہیں :

"ایجاد" (وجود عطا فرمانا) اللہ کی بڑی نعمت بلکہ نعمتوں کی جڑ ہے۔ اُس کی دو

قسمیں ہیں، ایجاد ذات اور ایجاد صفت، تو اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ذات کو پیدا کیا اور اُس میں علم بیان کی صفت بھی رکھی، یعنی قدرت دی کہ اپنے مافی الضمیر کو نہایت صفائی اور حسن و خوبی سے ادا کر سکے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے۔ اسی صفت کے ذریعہ سے وہ قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور خیر وشر، ہدایت وضلالت، ایمان وکفر اور دنیا وآخرت کی باتوں کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔

آیت نمبر ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی دونوں کا طلوع وغروب، گھٹنا بڑھنا، یا ایک حالت پر قائم رہنا، پھر ان کے ذریعہ سے فصول ومواسم کا بدلنا اور سفلیات پر مختلف طرح سے اثر ڈالنا، یہ سب کچھ ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں اور اپنے مالک وخالق کے دیئے ہوئے احکام سے روگردانی کر سکیں۔ اُس نے اپنے بندوں کی جو خدمات ان دونوں کے سپرد کر دی ہیں اُن میں کوتاہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔

سورۂ رحمٰن کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی علویات کی طرح سفلیات بھی اپنے مالک کی مطیع ومنقاد ہیں، چھوٹے جھاڑ زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور اونچے درخت سب اُس کے حکم تکوینی کے سامنے سربسجود ہیں بندے ان کو اپنے کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔ آیت نمبر ۹ میں فرماتے ہیں اوپر سے دو دو چیزوں کے جوڑے بیان ہوتے چلے آرہے تھے۔ یہاں بھی آسمان کی بلندی کے ساتھ آگے زمین کی پستی کا ذکر ہے۔ درمیان میں میزان (ترازو) کا ذکر شاید اس لئے ہو کہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان وزمین کے درمیان معلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ اس تقدیر پر

ہے کہ میزان سے مراد ظاہری اور حسی ترازو ہو، چونکہ اُس کے ساتھ بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت وابستہ تھی۔ اس لئے ہدایت فرما دی کہ وضع میزان کی یہ غرض جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ نہ لیتے وقت زیادہ تولو نہ دیتے وقت کم، ترازو کے دونوں پلے اور باٹ ہی میں کمی بیشی نہ ہو، نہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جائے بلکہ بدون کمی بیشی کے دیانتداری کے ساتھ بالکل ٹھیک تولا جائے۔ (تنبیہ) اکثر سلف نے وضع میزان سے اس جگہ عدل کا قائم کرنا مراد لیا ہے۔ یعنی اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق وعدل کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے توازن وتناسب کے ساتھ قائم کیا ہے، اگر عدل وحق ملحوظ نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بندے بھی عدل وحق کے جادہ پر مستقیم رہیں اور انصاف کی ترازو کو اُٹھنے یا جھکنے نہ دیں، نہ کسی پر زیادتی کریں نہ کسی کا حق دبائیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ عدل ہی سے زمین وآسمان قائم ہیں۔

باب : ۵

سیاسیات

تحریر ! حافظ خلیل الرحمٰن راشدی

مملکتِ پاکستان کے ایک معمار

جامع المعقول والمنقول فصیح و بلیغ فقیہ اُمت، مفسر، محدث، عارف، عابد، زاہد، مدبر، مفکر شاعر شیخ الحدیث، شیخ التفسیر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ العزیز سے متعلق ہمارے بزرگ رہنما، نامور مؤرخ، مصنف حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ العالی خصوصی اہتمام کے ساتھ اپنے ماہنامہ ''القاسم'' کا شیخ الاسلام کے عظیم اور عظیم کارناموں سے منسوب نئی نسل کو آگاہ کرنے کیلئے خصوصی شمارہ شائع فرما رہے ہیں۔ آں محترم مدظلہٗ نے بندہ کو بھی حکم فرمایا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ سے متعلق اپنے محدود معلومات رقم کروں، اگرچہ ایسی ہمہ صفت موصوف بہت بڑی علمی و عملی شخصیت کے بارے میں میرے ایسے آدمی کی تحریر سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، مگر پھر بھی اس روایتی پرندے کی مانند جو اپنی چونچ میں پانی بھر کر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر جو آگ جل رہی تھی، اس کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بندہ بھی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بہت مختصر حصہ اس میں شامل کر رہا ہے .... ع گر قبول آفتد زہے عِز و شرف

سلک مروارید کا ایک گوہر درخشاں :

عارف باللہ شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کے ملکی، ملی، علمی کارناموں کے مختصر سا تذکرہ کیلئے بھی بڑی علمی و ادبی مہارت کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ

برصغیر کے نامور محقق بے نظیر عالم دین تھے۔ محدث، مفسر اور مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ علم فلسفہ پر بھی آپ کی نگاہ بہت ہی دور رس تھی، آپؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ کے جید اور مشہور تلامذہ میں سے تھے۔ عرصہ تک آپؒ دار العلوم دیوبند کی مرکزی لاثانی اور بے نظیر درسگاہ ازہر الہند دار العلوم دیوبند میں تفسیر وحدیث کا درس دیتے رہے۔ فتح الملہم شرح صحیح المسلم شریف اسی زمانہ کی یادگار کے طور پر آج بھی الحمد للہ موجود ہے، جس سے بڑے بڑے علماءِ کرام علمی استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ بھی آپؒ کا تاریخی علمی صدقہ جاریہ ہے۔ نیز قرآن مجید کی تفسیر عثمانی جس کے اب تک کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں، تفسیر عثمانی سے علماء کے علاوہ عوام بھی اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس تفسیر کو سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد صاحب بھی لاکھوں کی تعداد میں شائع کرا کر عوام میں تقسیم کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی متعدد عمدہ علمی تاریخی تصانیف اہل علم کے استفادہ کیلئے موجود ہیں، جن میں اعجاز القرآن، الروح فی القرآن، المعراج فی القرآن، العقل والنقل، تجود النفس، الشہاب (رد مرزائیت) اسلام توحید ورسالت اسلام اور معجزات وغیرہا اپنے موضوعات پر بہت ہی عمدہ کتب موجود ہیں۔

پاکستان کی تعمیر میں شیخ الاسلام کا حصہ :

شیخ الاسلام کا شمار پاکستان کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ پاکستان کی تحریک میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے بڑے زور شور سے حصہ لیا اور آزادیٔ ملک کے بعد پاکستان کی اسلامی تعمیر اور اسلامی دستور کی تدوین اور نفاذ کیلئے بھی بڑی جدوجہد اور کوشش کی، گویا حضرت شیخ الاسلام بانی پاکستان کا دایاں ہاتھ تھے اور بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح صاحب کو بھی آپ پر بہت اعتماد تھا۔ اس لئے پاکستان کا قومی پرچم بھی آپ کے مبارک ہاتھ سے لہرا کر پاکستان کی داغ بیل ڈالی گئی، پھر پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد آپ

نے بڑی کوشش اور سعی بلیغ جاری رکھی کہ ملک کا نظام جلد از جلد خلافتِ راشدہ کے اسلامی آئین کے تحت عمل میں لایا جائے، قیام پاکستان اور نفاذ دستور اسلامی کے لئے آپ کی غیر معمولی کاوشوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لازوال محنت کی وجہ سے بانی پاکستان نے موت سے قبل وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہی پڑھائیں۔ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے جنازہ کی امامت کے فرائض انجام دیئے تو پاکستان کے مرزائی وزیر خارجہ آنجہانی سر ظفر اللہ نے قائد اعظم کے نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تعزیتی جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے حضرت علامہ عثمانیؒ نے قائد اعظم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ساتھ قائد اعظم کا پختہ عہد تھا کہ پاکستان میں ہر حال میں اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔ آپ زندگی بھر قائد اعظم کے اس معاہدہ کی یاد دہانی کراتے رہے۔ اب بھی موجودہ حکومت کا فرض ہے کہ قائد اعظم کے اس عظیم معاہدہ کی لاج رکھتے ہوئے ملک میں خلافتِ راشدہ کے اسلامی نظام کے احیاء کا اعلان کر دیا جائے تو بانی پاکستان کو حقیقی روحانی مسرت حاصل ہوگی۔

دار العلوم دیوبند کی مانند علمی ادارے کی آرزو :

پاکستان بن جانے کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کی اسلامی نظام کے نفاذ کی آرزو کے بعد دوسری بڑی آرزو اور کوشش یہ تھی کہ دار العلوم دیوبند کی مانند بعینہٖ ایک ایسا ہی اسلامی تعلیمی ادارہ عمل میں لایا جائے، مگر افسوس کہ آپؒ اس کو بھی عملی جامہ نہ پہنا سکے اور بعد میں آنے والی حکومتوں اور حکمرانوں نے آپ کی اس قلبی آرزو کو پورا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اب بھی آپ کا یہ قرض ملک کے حکمرانوں پر واجب الادا ہے کہ دار العلوم دیوبند کے مطابق ایک حقیقی اسلامی یونیورسٹی عمل میں لائی جائے، جس سے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ جیسے مفکر، مدبر عالم پیدا ہوں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ملک میں موجودہ دینی

مدارس کو مکمل آزادی دے کر انہیں قرآن واحادیث اور فقہی علوم کی تعلیم کے حصول سے کم از کم رُکاوٹ نہ پیدا کی جائے، کیونکہ دینی اسلامی مدارس کے وجود اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مراکز ہیں۔ دینی مدارس میں جو اسلامی ماحول ہے، اسی سے پرورش پانے والے جو علماء، صلحاء پیدا ہو رہے ہیں، ان سے ملک کی بقا وابستہ ہے۔ دینی مدارس میں جو مجاہد علماء پیدا ہو رہے ہیں، یہ حضرت علامہ شیخ الاسلامؒ کی بہترین یادگار ہیں۔

سیکولر ذہنیت جہالت ہے :

علماءِ حق کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور ملک وملت کی خدمت کیلئے خوب نوازا ہے اور ان کے عظیم الشان کارناموں کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں مقبول ومبرور فرمایا ہے، جیسے ملک کی بے لوث خدمات ان حضرات نے انجام دیں، ویسی ہی بے لوث مخلصانہ تعلیم تفسیر قرآن حدیث نبوی کی شرحیں اور فقہ کی خدمات علیہ بھی ان علماءِ اسلام نے انجام دیں، یہ مقدس حضرات جہاں بھی گئے، ان کی بے لوث خدمات کی ایک بہت طویل فہرست ملتی ہے، ہمارے ممدوح حضرت شیخ الاسلامؒ کو بھی قدرت نے یہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مشکل سے مشکل ترین مسائل بہت ہی آسانی کے ساتھ قاری اور سامع کے ذہن میں راسخ فرما دیا کرتے تھے۔ مثلاً آج کل ہر محفل میں اور جدید ذہنوں میں یہ سوال گردش کرتا ہے کہ "ایسے کیوں؟" اور پھر یہ "کیوں" کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی تصانیف میں اس کیوں کا رد بڑی خوبی اور عقلی دلائل سے کیا ہے۔

فرماتے ہیں' لکڑی آگ میں ڈال دی اور آگ نے اس لکڑی کو جلا دیا تو سوال ہو سکتا ہے کہ آگ نے اس لکڑی کو کیوں جلا دیا؟ اور یہ کہ پانی آگ پر ڈالا تو سوال ہو سکتا ہے کہ پانی نے اس آگ کو کیوں بجھا دیا؟ کسی نے زہر کھایا اور مر گیا تو سوال ہو سکتا ہے کہ زہر نے اس کو کیوں مار ڈالا؟ آم کے درخت پر صرف آم ہی کیوں لگتا ہے؟ اور کوئی ثمر

کیوں نہیں لگتا؟ یہ سوالات اور اسی قسم کے دیگر سوالات اس مخصوص ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں، جہاں آثار کا صدور اور حقیقی علمی رہبری کا فقدان ہو، آگ کا جلانا، زہر کا مارنا، آم کے درخت پر صرف آم کا ثمر لگنا، آگ، آم کے درخت اور زہر کے اختیارات کا علم ہو تو یہ سوال اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، جیسے کوئی کافر اسلام قبول کر لے، العیاذ باللہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو سوال کر سکتے ہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟

غرض یہ کہ ہر چیز "کیوں" کے سوال کے تحت آ سکتی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کہیں "کیوں" کا سلسلہ بند بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ آیئے اس کی تحقیق ہم کسی ملحد مادہ پرست یا سیکولر ذہن کو سامنے رکھ کر کریں۔ مثلاً ایک شخص طاعون کی بیماری سے فوت ہوا، تو ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ اس کو طاعون کیوں ہوا؟ جواب یہی ملے گا کہ زہریلے جراثیم پھیلنے کی وجہ سے۔ پھر ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ زہریلے جراثیم کیونکر پھیلے تو کہا جائے گا کہ آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے۔ بس ابھی ایک یا دو کیوں کا جواب دے کر "کیوں" کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور سنئے آگ کیوں جلاتی ہے، اس لئے کہ اس میں حرارت مفروطہ ہے۔ حرارت مفروطہ آگ میں کیوں ہے؟ تو آگے "کیوں" کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور اگر ساری دنیا کے فلاسفر حکماء اور سیکولر جدید جہالت کے علمبردار بھی جمع ہو جائیں تو اس سے آگے کیوں کا جواب نہیں دے سکتے، پھر جو لوگ فاعل مختار یعنی رب العالمین کی قدرت کے منکر ہیں، ان سے چند اور سوالوں کا جواب اسی طرح کیا جا سکتا ہے۔ جس سے ہر حالت وہ لاجواب ہو کر خاموش ہو جائیں گے۔ حضرت ممدوح شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ ان چند مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر چیز کی علت اور سبب کی تلاش اور کیوں کے جواب کا سلسلہ کوئی ہستی خواہ وہ خدا پرست ہو یا مادہ پرست ہو، ملحد ہو یا موحد زیادہ دور تک جاری نہیں رکھ سکتی۔ اس "کیوں" کے سلسلے کو بند کرنے میں ملحد اور موحد دونوں برابر ہیں۔ ہمارے ممدوح حضرت شیخ الاسلامؒ نے ان دلائل سے استدلال فرمایا ہے کہ اسلامی مسائل پر ہمہ

اوقات یہ ''کیوں'' کا سلسلہ منکرین، فاسقین اور سیکولر بے دین لوگوں کی طرف سے غلط بھی ہے اور مکروہ بھی، بلکہ یہ ان کی ضلالت، جہالت کی زندہ مثال ہے۔ (فافہم)

حضرت شیخ الاسلام کی خدماتِ علمیہ :

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور علم الکلام میں یگانہ روزگار شخصیت وحیثیت کے حامل تھے۔ حضرت شیخ المحدثین علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ کے زمانہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ ''مسلم شریف'' کا درس دیا کرتے تھے۔ فتح الملہم شرح مسلم شریف کی یادگار تاریخی تصنیف بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے، جس سے اہل علم حضرات خوب استفادہ کر رہے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو حضرت شیخ الہندؒ کے جانشین تھےؒ نے اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں حضرت علامہ عثمانیؒ کو لکھا تھا کہ میں علم وعمل میں آپ کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں ہوں۔ (یہ حضرت مدنیؒ کا ایک مخصوص مزاج تھا اس لئے آپؒ اپنے آپ کو ننگِ اسلاف لکھا کرتے تھے، جبکہ لاریب آپؒ جانشین اسلاف تھے) شیخ الحدیث کے عہدہ کیلئے آپ سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ (بحوالہ انوارِ عثمانی)

نیز حضرت شیخ الہندؒ نے قرآن کریم کا ترجمہ مالٹا کی قید کے دوران بڑی محنت سے لکھا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ نے سورتِ مائدہ تک حواشی بھی لکھے تھے، پھر دنیا سے رخصت ہونے کا مقررہ وقت آپہنچا تو بقیہ حواشی فوائد حضرت شیخ الہندؒ کے تحقیقی مزاج کے مطابق شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے تحریر کردہ ہیں۔ اس میں اکثر علماء ہمعصر کا اصرار تھا کہ مکمل قرآن کریم کے حواشی آپ کے قلم سے ہوں، مگر آپ نے کم از کم ترمیم و اضافہ کو بھی سوءِ ادب تصور کرتے ہوئے علماء سے اس سلسلہ میں معذرت طلب کرلی۔ حضرت علامہ عثمانیؒ نے اپنے لکھے ہوئے فوائد سورت انعام سے لے کر سورتِ والناس تک عجیب وغریب محققانہ انداز میں مطالب کلام اللہ کی تشریح اپنے اسلاف علماءِ دیوبند کثرھم اللہ کے مسلک

اعتدال کے مطابق فرمائی۔

لطائف معارف کا ایک سمندر ان حواشی اور فوائد میں جمع کر دیا ہے۔ اس میں بہت سے اشکالات جو زائغین اور ملحدین سیکولر ذہنوں نے پھیلا رکھے تھے۔ ان کے حل کرنے کیلئے بڑے بڑے دفاتر بھی کفایت کرنے سے عاجز رہتے تھے، مگر حضرت علامہ عثمانیؒ نے ان فوائد میں جمیع اشکالات حل کر دیئے ہیں۔ خاص طور پر فرقہ مرزائیت، سبائیت، رضائیت اور دیگر ملحدین کے ابہام کا قلع قمع فرما دیا ہے جو کہ اس موجودہ زمانہ کی بڑی شدت سے ضرورت تھی۔ وہ سب کچھ حضرت علامہ عثمانیؒ کے ان فوائد سے کامل مکمل ہوگئی ہے۔ نیز حضرت ممدوحؒ کے فوائد میں آپ کا مخصوص رنگ محققانہ، مفسرانہ اور محدثانہ پوری طرح موجود دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے ان تفاسیری فوائد میں روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر، تفسیر شاہ عبدالقادرؒ وغیرہ تفاسیر کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان مختصر فوائد کو کئی بڑی بڑی تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے، جس کا صحیح اندازہ اس کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے اور بیرونِ ملک میں شائع ہوکر سب اہل علم سے تبریک و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ یہ ترجمہ فارسی زبان میں بھی حکومت افغانستان نے نہایت ہی اہتمام سے ۱۳۲۱ھ میں طبع کرکے پورے ملک میں اس کو تقسیم کیا اور حال ہی میں سعودی حکومت نے بھی اسے شائع کرا کر مفت تقسیم کا اہتمام کیا ہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین۔

نوٹ:- اب تو روزنامہ امروز بند ہوچکا ہے، مگر اس اخبار میں جناب محمد ہارون سعد صاحب اپنی سعی جمیلہ سے روزانہ اسے اپنے اخبار میں شائع کرتا رہا۔ اب بھی موجودہ اخبار اگر یہ دینی کام شروع کریں تو اس سے عوام کو بہت فائدہ ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق علامہ عثمانیؒ کا عشق صادق :

حضرت شیخ الحدیث، شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے

متعلق بڑی آسانی اور دلائل عقلیہ کے ساتھ عوام کے دلوں میں ملحدین، منکرین اور جدید جاہلیت کے پیش کردہ بے جا سوالوں کے دندان شکن جوابات دیے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے صرف ایک اقتباس بطور نمونہ ہدیۂ قارئین ہے۔ فرماتے ہیں :

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق، حسنِ فرمودات کا اندازہ کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ آپ ہرگز نہ کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ بادشاہ تھے، نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے، نہ کچھ مال و دولت آپ نے جمع کیا تھا، نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا، نہ ہی آپ کے پاس کوئی تنخواہ دار فوج تھی، نہ اہل وطن آپ کے ساتھ تھے، نہ قبیلہ والوں کو آپ کے لائے ہوئے دین اسلام سے کوئی ہمدردی تھی ایسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تندخو گنواروں کو ایک ایسی صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اُس وقت ساری دنیا میں کوئی مکروہ آواز نہ سمجھی جاتی تھی اور نہ ہی ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی دشمن اور بدخواہ سمجھا جا سکتا تھا۔ یہ وہی لا الہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتہً تمام عرب ممالک میں تہلکہ ڈال دیا، جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس لا الہ الا اللہ کی چمک سے کفر و جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی، گویا وہ ایک زور شور کی ایسی ہوا تھی، جس کے چلتے ہی شرک و بدعت غیر اللہ پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا، یہ لا الہ الا اللہ ایسی رحمت کی آواز تھی، جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اُڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان غیر اللہ کے پجاریوں کے شر سے بچالیا۔

المختصر ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایک سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف اُبھارا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں ہی آپ کا پسینہ گرے، وہاں یہ اپنا خون بہانے کیلئے تیار ہو گئے، گھر بار کو ترک

کر دیا، زن و فرزند سے بگاڑ لی، مال و دولت کو سنگریزوں سے حقیر سمجھا، اپنے دین کے دشمنوں سے خواہ اپنے تھے یا بیگانے آمادۂ جنگ ہوئے، کسی کو انہوں نے مارا کسی نے ان کو شہید کر دیا، پھر یہ صرف دو چار یوم کا ولولہ نہ تھا، اب تک دنیا دیکھ رہی ہے، آپ کے بعد اُسی حالت میں بڑے استقلال کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت اُلٹ دیئے، فارس و روم کو تہہ و بالا، نیست و نابود کر ڈالا اور اس پر معاملات میں ایسی تاریخی شائستگی کہ وہی جو آج بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

یہ تو آپ ﷺ کے اخلاق کی حالت تھی، باقی عقل و فہم کا نشان سب سے بڑا بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ بذاتِ خود اُمی ہیں، جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش سنبھالا، بلکہ ساری عمر گذاری۔ علوم سے یک لخت خالی، نہ وہاں علوم دینی کا پتہ، نہ علوم دنیوی کا نشان، پھر اس پر ایسا دین، ایسا آئین، ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیاتِ بینات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کتاب، اس دین کا جواب لانے سے اب تک قاصر ہیں، بلکہ بڑے بڑے مدعیانِ عقل و تہذیب نے اس کی داد دی۔ قرآن جیسا علمی اور زندہ معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا، جس کا مقابلہ کیا، باعتبار وضاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و مضامین کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدل کیسے تا قیامِ قیامت محفوظ ہے، دنیا کی کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ ان شاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔

حضرت شیخ الاسلام اور شیخ پاکستان کو قدرت نے بڑا عظیم ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مشکل ترین مسائل و دلائل و براہان کی عجیب و غریب مثالوں سے ذہن نشین کرا دیتے تھے، مگر وائے افسوس کہ مضمون کی طوالت کے خوف سے ہم آپ کے مزید ارشادات اور ملفوظات مرقوم کرنے سے قاصر ہیں، ہاں ہم حکومتِ پاکستان سے یہ گذارش کرنے میں حق بجانب ہیں کہ محسنِ پاکستان سے اتنا روگردانی اور احسان فراموشی بہتر نہیں، حکومت ہر حالت میں اپنے سرکاری خرچہ پر محسنِ پاکستان، قائد پاکستان، شیخ پاکستان، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر

احمد عثمانیؒ کے ارشادات، تصنیفی خدمات سے فائدہ اُٹھا کر اس کی اشاعت کا انتظام سرکاری خرچہ پر ضرور کریں اور اس کو مسلم ممالک بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی مفت تقسیم کرنے کا اہتمام اپنے سفارتی اداروں کے ذریعہ کرائیں اور محسنِ پاکستان حضرت مولانا علامہ عثمانی کے علمی کارناموں سے نئی نسل کو ہر حال آگاہ کیا جائے۔ یہ قوم پر حکومت کا بہت بڑا احسان ہوگا، جبکہ اس طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں دی۔ حکمرانوں کو اس طرف ہر حال توجہ دینی چاہئے۔

شیخ الاسلامؒ کی وفات اور سیدنا امیر شریعتؒ کا مرثیہ :

حضرت شیخ الاسلام قائد پاکستان علامہ عثمانیؒ کسی ضروری کام کیلئے بہاولپور تشریف لائے تو مخدوم حسن محمود کی کوٹھی میں ۲ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ/۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء بروز جمعۃ المبارک اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد فرمائی۔ اس طرح شمسی تاریخ سے حضرت شیخ الاسلام کو دنیا سے رخصت ہوئے پچپن برس کا ایک عرصہ گذر رہا ہے، مگر آپ کی یاد آپ کی علمی شخصیت کے باعث ابھی تک اس طرح تر و تازہ ہے کہ گویا حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ہم آج بھی علمی استفادہ کر رہے ہیں، مگر ہر ایک کا انجام انا للہ وانا الیہ راجعون ہی ہے۔ جب دُنیائے کائنات سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی رُخصت ہوگئے تو اور کس کو بقاء ہوسکتی ہے ....

لو كانتِ الدُّنيا تدُومُ لِواحدٍ لكان رسولُ اللّٰهِ ﷺ فيها مخلدًا

حضرت شیخ الاسلامؒ کی رحلت کے یوم سیّدنا حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہٗ بھی اتفاقاً خان پور سے تبلیغی دورہ کر کے بہاولپور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مرزا غلام نبی جانباز (مشہور احرار شاعر) بھی ساتھ تھے۔ بہاولپور اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ابھی شاہ جیؒ نے

قدم ہی رکھا تھا کہ جانباز گیٹ کی طرف سے بھاگا اور گھبرایا ہوا آیا اور جلدی جلدی کہنے لگا، شاہ جی مولانا کا انتقال ہوگیا ہے۔ شاہ جیؒ نے گھبرا کر دریافت فرمایا کہ کون مولانا؟ تو ایک دو بار کہتا رہا کہ مولانا کا انتقال ہوگیا ہے، پھر کہا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ...... شاہ جیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ چاہے ہزار سیاسی اختلافات تھے، لیکن بہر حال وہ ہمارے بزرگوں میں سے تھے اور میرے تو استاد بجا، بلکہ کئی استادوں کے استاد تھے۔ ان کے مرنے سے علم کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے اور خصوصاً پاکستان میں دیوبند کے مسلک کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔ شاہ جیؒ نے فرمایا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے انتقال پر ہم نے اپنے آپ کو یتیم محسوس کیا، تو پھر مولانا تھانوی مرحوم کو دیکھ کر تسلی ہو جاتی تھی اور ان کے بعد تو اب صرف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہی باقی رہ گئے تھے۔ میرے ساتھ تو وہ جو سلوک کر گئے ہیں، بس اسے کبھی نہیں بھولوں گا۔ کہا کرتے تھے کہ "شاہ جی تم سب کے ہو"۔ پھر شاہ جی صاحبؒ حضرت علامہؒ کی جائے وفات پر گئے، وہاں بہت سے لوگ اکٹھے تھے، مولانا بدر عالمؒ دروازہ پر ہی مل گئے، بیچارے بہت ہی مغموم تھے، رو رو کر ان کی آنکھیں پھولی ہوئی تھیں، مجھے دیکھا تو پھر مجھے چمٹ کر رونے لگے، میں نے حوصلہ دیا، پھر میں نے منہ دیکھنے کی اجازت مانگی تو بولے کیوں نہیں، آپ کا سب سے زیادہ حق ہے۔ آپ سے ان کو بہت تعلق تھا، شاہ جیؒ آپ تو بقول ان کے "سب کے سانجھے ہیں"۔ چلئے دیکھنے میں گیا اور چادر ہٹائی تو بالکل سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ الحمد للہ ان کا چہرہ بارونق تھا، بالکل کوئی بُری علامت نہیں تھی اور کیوں نہ ہو آخر وہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح مسلم اور مفسر قرآن تھے اور پھر وہ ہمارے تھے، میں نے چہرہ دیکھتے ہی ان کی نعش کو خطاب کیا ...... :

"مولانا ! آخر آپ بھی ہمیں اکیلا ہی چھوڑ گئے نا"۔ اے کاش! آپ جیسے لوگ ہمارے جنازے میں شامل ہوتے، بس اس پر ایک کہرام سا مچ گیا، بہت گریہ ہوا،

میں نے ان کی چار پائی کے پاس کھڑے کھڑے فی البدیہہ یہ مصرعے کہہ دیئے ...... ع

تو چہ دانی کہ چہ برحافظ دل گیر گذشت ....
چوں صدئی خواست کہ علامہ شبیر گذشت
شارح مسلم وہاں صاحب تفسیر گذرشت

(بحوالہ سواطع الالہام)

کسی صاحبِ ذوق نے حضرت علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کو مخاطب کرکے کیا ہی خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے ....

بہت اچھا تم سب چھوڑ ہم کو یوں ہی چلے جاؤ
کہ حامی ہم غریبوں' بے کسوں کا بھی خدا ہوگا

☆☆☆☆☆☆

محترمہ پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی

تحریکِ پاکستان میں علامہ عثمانیؒ کی مساعی

محسنِ پاکستان کی حیثیت سے حکومتی سطح کے خصوصی پروگراموں میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تذکرہ سرفہرست ہونا چاہئے تھا، لیکن اس درویش صفت انسان کو پاکستان کے رہنماؤں نے یکسر بھلا دیا ہے۔ یہ اٹل حقیقت ہے کہ جو زمین کی آبیاری کرتا ہے، فصلوں کی کٹائی کے وقت اُس کا نام بڑے ذوق وشوق سے لیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام وہ عظیم انسان تھے، جنہوں نے پاکستان کا پودا لگا کر دن رات اپنے خونِ جگر سے اُس کی آبیاری کی اور پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اُنہوں نے اس باغ کے پھل نہیں کھائے۔

چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

لیکن جنہوں نے اس باغ کے پھل کھائے اور اس باغ سے فائدہ اُٹھایا، اُنہوں نے دو لمحے کے لئے بھی اُس عظیم باغبان کو یاد نہیں کیا، لیکن کسی کے کارناموں کو تاریخ سے مٹانا بہت مشکل ہے۔ تاریخ کے صفحات اپنے سنہری حروف سے لوگوں کی آنکھوں کو کھولنے

کا سبب بنتے ہیں۔

شیخ الاسلامؒ پہلے برصغیر پاک و ہند کے علماءِ حق کے دلوں میں زندہ تھے، لیکن پھر وقت نے تاریخ کا یہ حیرت انگیز اور مسحور کن باب دیکھا کہ آج طلباء و طالبات کے علاوہ عوام الناس کے حلقوں میں بھی تفسیر عثمانی بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جا رہی ہے۔ ہمارے لئے قابلِ فخر بات یہ ہے کہ آج ہماری نئی نسل محسنِ پاکستان شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بارے میں جاننے لگی ہے، لیکن بہت سے بچوں کو یہ علم نہیں ہے کہ شیخ الاسلامؒ نے تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں کتنا مثبت کردار ادا کیا تھا، لیکن ہمارے علماءِ حق مسلسل قوم کو بیدار کرنے میں مصروف ہیں۔ زمین بارانِ رحمت کو جذب کر کے مخلوقِ خدا کو پانی فراہم کرتی ہے، اسی طرح علماءِ حق کے کشادہ سینے علم کو جذب کر کے مخلوقِ خدا کو علمِ دین کی روشنی سے فیض یاب کرتے ہیں۔ ہمارے علماءِ حق کی کوششیں اس لئے کارگر ثابت ہو رہی ہیں، کیونکہ وہ اپنے مقصد میں انتہائی مخلص ہیں۔

ہمیں ماہنامہ ''القاسم'' اور اُس کے بانیان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اُنہوں نے شیخ الاسلامؒ کے نام سے یہ خصوصی نمبر جاری کیا اگر اسی طرح شیخ الاسلامؒ کے نام پر ایک دو اور نمبر پاکستان سے جاری ہوگئے، تو ہماری نئی نسل شیخ الاسلامؒ کے سنہری کارناموں سے ضرور واقف ہو جائے گی۔ اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی رہتی ہے۔

شیخ الاسلامؒ کی ولادت عاشورہ کے بابرکت دن ۱۳۰۴ھ میں بجنور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر کے علمی اور مذہبی ماحول میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔ اُنہوں نے مولانا قاسم نانوتویؒ کے ساتھ مل کر

جہادِ آزادی اور دارالعلوم کے قیام میں بہترین کردار ادا کیا۔ مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے شیخ الاسلامؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ دلایا۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۳ برس کی عمر میں ۱۹۰۸ء میں تحصیلِ علومِ دینیہ سے فراغت حاصل کی۔ طالبِ علمی کے دور ہی سے علمی صلاحتیں اپنا رنگ دکھا رہی تھیں۔ باقاعدہ درس و تدریس کا آغاز مسجد فتح پوری دہلی سے کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں بطورِ مدرس آپ کا تقرر ہوا، پھر آپ کے علمی جوہر دنیا پر آشکارا ہوئے۔ تحریر و تقریر میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ قرآن فہمی اور قرآنی علوم پر آپ کی دسترس کا اندازہ تفسیرِ عثمانی سے کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ علمِ حدیث کے ساتھ آپ کا شغف صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم سے کیا جا سکتا ہے۔ علمی اور تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ قومی اور ملی اُمور سے عمر بھر تعلقِ خاطر رہا۔ جنگِ آزادی میں انگریز کے خلاف جدوجہد کا جذبہ آپ کو اپنے اُستادِ محترم مولانا محمود حسنؒ سے ورثہ میں ملا تھا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تعلیمی اور تدریسی مشاغل میں منہمک تھے، لیکن آزادی کی منزل کو حاصل کرنے اور قریب تر کرنے کے لئے ناسازیِ طبع کے باوجود بھرپور طریقے پر تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ آپ نے اپنا ایک خصوصی پیغام تحریر کر کے اپنی اس خواہش کا بھی برملا اظہار کیا کہ میرا یہ پیغام مجمعِ عام میں پڑھ کر سنایا جائے، جس وقت ایک عالم یہ پیغام پڑھ کر سنا رہے تھے، تو سننے والوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے شیخ الاسلام خود بنفسِ نفیس اجلاس میں موجود ہیں۔ آپ کے اس خصوصی اور اہم پیغام نے مسلم لیگ کی تحریک کو نہ صرف تقویت بخشی بلکہ مسلم لیگ اپنی تمام تر جولانیوں کے ساتھ منظرِ عام پر نمودار ہوئی۔ یہ حقیقت ہے کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے اس تیس (۳۰) صفحات کے پیغام نے مسلم لیگ کی

ازسرِ نو تجدید کی۔ جمعیت علماء اسلام کے تمام علماء نے اپنا یہ فیصلہ بھی سنایا کہ آج سے شیخ الاسلام جمعیت علماء اسلام کے صدر ہیں۔ شیخ الاسلام نے ۱۹۴۵ء ہی میں دارالعلوم دیوبند میں اجتماعِ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اگرچہ میں سیاست سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور میری صحت بھی اتنے سخت اور صبر آزما کام کی اجازت نہیں دیتی، لیکن اسلامیانِ ہند کیلئے علیحدہ وطن کی تحریک سے علیحدہ رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ پاکستان کے حصول کیلئے اگر مجھے اپنا خون بھی دینا پڑے تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا"۔

مولانا عثمانیؒ کی صحت جیسے ہی کچھ بہتر ہوئی تو آپ نے پورے برصغیر کے اہم شہروں کا طوفانی دورہ کیا اور اپنی بیش بہا اور پُر اثر تقاریر سے مسلمانوں کے ذہنوں کو بیدار کیا اور جلا بخشی۔ آپ نے صاف صاف فرمادیا کہ زندگی اللہ ربّ العزت کی امانت ہے اگر یہ زندگی اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے تو ابدی زندگی ہوگی، کیونکہ قربانیوں کے بغیر آزادی جیسی عظیم نعمت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ کی رحمت اور شیخ الاسلامؒ جیسی مقتدر ہستیوں کی انتھک محنت اور راتوں کی ریاضت کی بدولت جون ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا مطالبہ منظور کیا گیا۔ شیخ الاسلامؒ نے اپنے ساتھ مفتی محمد شفیعؒ اور دیگر علماء کو لیا اور مبارکباد دینے کیلئے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے مکان پر تشریف لے گئے۔ قائدِ اعظم نے بڑی محبت و عقیدت سے آپ کی مبارکباد کو قبول کیا اور شیخ الاسلام سے کہنے لگے۔ ابھی صوبہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم ضروری ہے۔ یہ انتہائی دشوار کام ہے، لیکن مجھے اُمید ہے کہ آپ کی محنت سے کامیابی ان شاء اللہ ہمارے قدم چومے گی۔

مولانا عثمانیؒ دشواریوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس لئے آپ نے انتہائی خلوص و محبت سے وعدہ فرمایا۔ اس سفر کیلئے آپ کی نظرِ انتخاب مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ پر پڑی۔ اس کٹھن سفر میں علماء کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ آپ سلہٹ اور سرحد کے دورے پر روانہ ہوگئے۔ ان مقتدر اور عظیم ہستیوں کی محنت اور قیامِ پاکستان کے سلسلے کی جدوجہد کو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ ہمیں بنا بنایا پاکستان مل گیا اس لئے ہمیں اپنے بزرگوں کی محنت و ریاضت بالکل بھی یاد نہیں، جس زمانہ میں شیخ الاسلامؒ سلہٹ اور سرحد کا دورہ کر رہے تھے۔ وہ انتہائی گرمی کا زمانہ تھا، لیکن مولانا عثمانیؒ کی پیشانی پر ناگواری کے کوئی اثرات نہیں تھے۔ آپ نے ہر ضلع میں کئی کئی تقریریں فرمائیں۔ آپ کا اندازِ بیان دل میں اُتر جانے والا ہوتا تھا، آپ کے اندازِ تخاطب نے صوبہ سرحد میں انقلابِ عظیم برپا فرمادیا۔ آپ کے دورہ سے قبل اس علاقے میں کانگریس کا طوطی بولتا تھا، لیکن شیخ الاسلام کی تقاریر نے کانگریس کی مقبولیت کو مسلم لیگ کی مقبولیت میں تبدیل کر دیا اور عوام و خواص نے مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو کر قیامِ پاکستان کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ اس جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے شب و روز مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے کام کیا۔

تاریخ اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ اگر مسلم لیگ کو شیخ الاسلام کی تائید و حمایت حاصل نہ ہوتی تو مشرقی بنگال، سرحد اور بلوچستان میں کامیابی کسی صورت ممکن نہیں تھی۔ پاکستان کے حامیوں نے یہ خوشخبری بڑے ذوق و شوق سے سُنی کہ سلہٹ اور سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہوگیا ہے۔ نیتوں میں اخلاص ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔ لاہور جیسے مشہور شہر میں جب ایک خصوصی اجلاس ہوا، تو شیخ الاسلام نے وہاں کے عوام اور خواص کو اپنے تاریخ ساز خطبہ سے نوازا۔ بڑے بڑے دانشوروں اور اخبارات کے

اداریہ لکھنے والوں نے حضرت کے خطبہ کو نہ صرف سراہا بلکہ اس خطبہ کو حقیقتِ پاکستان کا سیاسی شعور قرار دیا۔ شیخ الاسلامؒ جس شہر میں بھی پاکستان کی حقیقت پر خطبہ دیتے مسلمانوں کو یہ نصیحت ضرور فرماتے کہ تم اپنے دل کی آنکھوں کو کھلا رکھو! اپنے اردگرد کے ماحول کو غور سے دیکھو اور صحیح سیاسی شعور کے ذریعہ اپنے اذہان کو بیدار کرو، شیخ الاسلامؒ وقت اور تاریخ کے بہترین نباض تھے۔

حقیقتاً آپ نے ہی مسلم لیگ کے تن مردہ میں نئی روح پھونکی تھی۔ آپ مسلم لیگ کے سالارِ اوّل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلم لیگ کی کامیابی میں آپ کی انتھک کوششوں اور کاوشوں کا بڑا دخل تھا۔ آپ کی بے لوث خدمتوں اور محنتوں نے آخر کار اپنا رنگ دکھایا اور ۲۷ رمضان المبارک کی شب قدر ۱۳۶۶ھ (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ تاریخ نے اس روح پرور منظر کو بڑے ذوق وشوق سے دیکھا کہ قائدِ اعظم اور لیاقت علی خان نے شیخ الاسلامؒ سے کراچی چلنے کی گذارش کی اور آپ نے خالصتاً اللہ کیلئے اپنا وطن اپنا شہر اپنا ساز و سامان ہندوستان ہی میں چھوڑ دیا۔

حقیقتاً یہ ہجرت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے شیخ الاسلامؒ نے کی۔ صرف اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ دیوبند سے کراچی تشریف لائے تھے۔ اس حقیقت کا اعتراف بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اس طرح کیا کہ پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کیلئے انہوں نے شیخ الاسلامؒ کا انتخاب کیا۔ نیز قائداعظم کی جب وفات ہوئی تو اثناء عشری علماء محترمہ فاطمہ جناح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قائداعظم ہمارے مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے نمازِ جنازہ ہم پڑھائیں گے، لیکن مس فاطمہ جناح نے کہا قائداعظم کسی فرقے کے نہیں بلکہ پاکستان کے تمام مسلمانوں کے لیڈر تھے۔ انہوں

نے جو وصیت کی ہے، اُس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے بانی پاکستان کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا کہ ’’میری نمازِ جنازہ وہی شخصیت پڑھائے گی جنہوں نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کی (یعنی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)‘‘۔

نمازِ جنازہ کے بعد شیخ الاسلامؒ میت کے قریب کھڑے ہوئے اور اپنے عصا سے قائداعظم کی میت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ وہ شخصیت ہے، جنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ:

’’پاکستان مسلمانوں کیلئے بنایا جارہا ہے اور پاکستان میں اسلامی نظام ہی نافذ ہوگا۔ شیخ الاسلام پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے اور اسلامی نظامِ حیات کے نفاذ کیلئے دم آخر تک جدوجہد کرتے رہے۔ آپ کسی شہرت اور آسائش کی طمع نہیں رکھتے تھے۔ لوگ کراچی اور دوسرے شہروں میں بڑے بڑے بنگلوں اور کوٹھیوں کو اپنے تصرف میں لے رہے تھے، لیکن اللہ کی رضا میں راضی رہنے والے شیخ الاسلامؒ نے کسی کوٹھی اور بنگلے کی طرف نظر نہیں کی۔ ہمیشہ آپ نے اللہ کی رحمت پر نظر کی، اگر آپ دنیاوی منفعت پر نظر رکھتے تو بہت بڑی جائیداد کے مالک بن سکتے تھے۔ آپ دنیوی منفعت پر نظر نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے دوستوں سے عاریتاً مکان لے لئے۔ لیکن صبر کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ آپ جب تک زندہ رہے مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی اصلاح فرماتے رہے۔ آپ نے شب و روز پاکستان کی بڑی خدمت کی۔ ایسی بے لوث خدمت کرنے والے دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔

ہمارے لئے ایک لمحۂ فکریہ شیخ الاسلام عطا کر کے گئے ہیں اور وہ لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ پاکستان میں رہ کر اسلامی تعلیم سے کبھی غافل نہ ہونا۔ آپ دل سے یہ چاہتے تھے کہ کراچی

اور دیگر شہروں میں بڑے بڑے دار العلوم قائم کئے جائیں۔

آج پاکستان میں موجود ہزاروں دار العلوم روشن میناروں کی طرح صراطِ مستقیم کا پتہ دے رہے ہیں۔ یہ مدارس اور جامعات شیخ الاسلام کا خواب تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مدارس سے فائدہ اُٹھانے والا بنائے۔

آج اسلام اور پاکستان کی محبت ہمارے دلوں سے نکلتی جارہی ہے، کیونکہ ہمارے اردگرد ایسا ماحول پیدا کیا جارہا ہے کہ ہماری اکثریت اسلام اور پاکستان کی محبت سے غفلت میں مبتلا ہوتی جارہی ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے علماءِ حق، قائد اعظم اور سچے مسلمانوں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی جڑوں کو مضبوط سے مضبوط تر کیا تھا۔ آپ نے ہی تحریکِ پاکستان کو ایک نئی زندگی اور توانائی عطا کی تھی۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے دنیا کے نقشہ پر پاکستان ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے جگمگانے لگا تھا۔ یہ عزم و حوصلہ دیکھ کر دنیا کے مسلمان ملکوں میں حصولِ آزادی کی جدوجہد تیز سے تیز تر ہوتی گئی اور قیامِ پاکستان کے دس پندرہ برس کے اندر اندر تقریباً تیس مسلمان ملکوں نے بیرونی تسلط سے آزادی حاصل کی۔

ہم سب مل کر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کیلئے خود کو وقف کر لیں تو عالمِ اسلام میں حیاتِ نو کی ایک نئی لہر دوڑ جائے گی، جو انسانی تاریخ پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کر دے گی۔ روز بروز یہ حقیقت واضح سے واضح تر ہو رہی ہے کہ اب تعلیماتِ قرآنی اور ہمارے ہادیٔ برحق رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی ہی انسانیت کو مکمل تباہی سے محفوظ کر سکتی ہے۔ موجودہ دور میں ہمیں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے محسن و مربی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو نور سے بھر دے اور ہمیں سچائی کے ساتھ اُن کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح اب ہمارے سامنے ہے کہ ...... ؎

نام کے شبیر تھے اہلِ زباں کے واسطے
وہ سراپا درد تھے ہر زخمِ جاں کے واسطے
آتشِ غم دل میں لیکن ، گفتگو شبنم مثال
وہ محبت ہی محبت تھے جہاں کے واسطے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب محمد اکبر شاہ بخاری

تحریک پاکستان کے نامور مجاہد

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کی یاد میں یکم جنوری کو لاہور میں قائد اعظم لائبریری میں ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کا اہتمام ادارہ تبلیغ الاسلام جامعہ اشرفیہ نے کیا تھا۔ اس کانفرنس میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا عبدالقادر آزاد، حکیم محمد سعید، مولانا محمد متین ہاشمی اور مؤتمر اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر انعام اللہ خان نے مولانا عثمانیؒ کی خدمات کا ذکر کر کے ان کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی حیاتِ علمی و عملی کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ نے محض اللہ کی خاطر بے شمار جلسوں مجلسوں، صحبتوں اور درسگاہوں میں آیاتِ الٰہی کی تلاوت کی اور ان کے معانی و تفسیر کے انمول گوہر بکھیرے جن کے ذریعہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کا تزکیہ ہوا اور لوگ دین کے اصول و فلسفہ سے آگاہ ہوئے۔ آپ کا علمی مقام مشرقی اور مغربی تعلیم یافتہ دونوں طبقوں میں مسلم تھا۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی تمام اُمتِ مسلمہ میں آپ کا احترام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ۱۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو جب پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بی اے، ایم اے وغیرہ کی تقسیم اسناد کا جلسہ ہوا جس کی

صدارت سردار عبدالرب نشتر نے کی تو اس میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو فاضل علوم شرقیہ کی ڈگری دی گئی۔

علامہ عثمانیؒ ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم مولانا فضل الرحمٰنؒ اپنے زمانے کے فاضل اردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ کے والد نے پہلے فضل اللہ آپ کا نام رکھا اور اس کے بعد شبیر احمد جو غالباً عشرہ محرم کی پیدائش کی مناسبت سے ہوگا اور یہی نام مشہور ہوا۔ آپ کا شجرۂ نسب تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ سے جاملتا ہے۔ آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۳۱۲ھ میں حافظ محمد عظیم کے سامنے بسم اللہ سے ہوا اور ان سے اردو کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۱۹ھ میں عربی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں شروع کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ ۱۳۲۵ھ میں تعلیم سے فراغت پائی اور دورۂ حدیث میں اوّل نکلے۔ سال فراغت کے بعد کچھ ماہ دارالعلوم میں پڑھایا پھر مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔

۱۳۲۸ھ میں فریضہ حج ادا کیا اور ۱۳۴۴ھ میں سلطان حجاز کی دعوت پر جمعیت العلماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر حجاز گئے اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ ڈابھیل ضلع سورت میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۵۴ھ میں دارالعلوم کے پرنسپل یا صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے جہاں آپ نے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں کوشش فرمائی۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی اور پھر ڈابھیل جا کر کچھ عرصہ کام کیا۔ یہاں آپ بیمار ہوگئے جس کے باعث واپس دیوبند آگئے اور یہیں قیام کرنے لگے۔

علامہ عثمانیؒ کو علمی لحاظ سے چار خصوصی نسبتیں حاصل تھیں۔ سب سے اوّل نسبت ولی اللٰہی ہے۔ آپ پر شاہ ولی اللہؒ کے علوم کا عکس اور پرتو نمایاں ہے۔ بعض فضلاء

نے حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اسلام کا بعض اہل علم کو جانشین اور ترجمان ٹھہرادیا ہے اور علامہ عثمانی کو اس سلسلے کی صحیح روشنی حاصل ہے۔ آپ کو دوسری نسبت قادری حاصل ہے یعنی حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے علوم سے نسبت۔ اس کا واضح ثبوت آپ کے تفسیری فوائد سے ملتا ہے، جس میں متعدد جگہ مولانا عثمانیؒ کے قلم پر "شاہ صاحب فرماتے ہیں" کا ذکر آتا ہے اور ان کے اقوال پیش فرما کر علامہ فخر سے ان کو سراہتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

تیسری نسبت قاسمی ہے جس طرح مولانا محمد قاسم، حاجی امداد اللہ کی زبان تھے اسی طرح مولانا محمد قاسم کی زبان علامہ شبیر احمد عثمانی تھے جس کا اقرار خود علامہ نے بصمیم قلب کیا ہے، چنانچہ "العقل" میں لکھتے ہیں "میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام بنانے کی توقع نہیں رکھتا کہ (مولانا محمد قاسم) کے عالی مضامین میرے پیرایہ بیان میں اس طرح ادا ہوجایا کریں کہ ان کی تعبیر میرے مدعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو۔ چوتھی نسبت محمودی ہے جو آپ کو شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا سے حاصل تھی۔ علامہ شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے جنہوں نے استاد کی نسبت کا حق ادا کردیا۔ ایک جگہ مولانا عبیداللہ سندھی نے اس بارے میں لکھا ہے کہ میں حضرت علامہ (مولانا شبیر احمد عثمانیؒ) کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی قوتِ بیانیہ کا مثل جانتا ہوں"۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی علمی تصانیف کی تعداد سترہ (۱۷) کے لگ بھگ ہے۔ آپ نے "اسلام" کے نام سے علم کلام میں ایک مقالہ لکھا ہے جس میں وجود باری، توحید، رسالت، ملائکہ کے اثبات پر محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ دوسری تصنیف العقل والنقل ہے۔ اس میں بھی کلامی بحث ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوسکتا اور کبھی عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہوجانے کی وجہ سے اختلاف پیش آئے تو اس وقت کا فیصلہ کس طرح ہونا چاہیے۔ تیسری تصنیف اعجاز القرآن میں آپ نے قرآن حکیم کے اعجاز اور اس کے خدا کا کلام ہونے پر فاضلانہ اور

ادیبانہ بحث کی ہے۔ چوتھی تصنیف الشہاب کے نام سے ہے جس میں اُصول اربعہ فقہ یعنی قرآن، حدیث، قیاس اور اجماع سے قتل مرتد کا ثبوت دیا گیا ہے۔ پانچویں معارف القرآن کے سلسلے میں ان کے مایہ ناز مضامین کا مجموعہ ہے۔ چھٹی تصنیف الدار الآخرۃ ہے جس میں فلسفیانہ رنگ میں دار آخرت کے اثبات پر دلائل دیئے گئے ہیں۔ ساتویں ہدیہ سنیہ ہے یہ رسالہ آپ نے دو سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا اور یہ کہ ائمہ میں کتنے اہم مسائل ہیں جن کو بعض امام حلال اور بعض حرام قرار دیتے ہیں، یہ اجتماع ضدین کیسے درست ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک شخص جنت و دوزخ پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن ان کو تمثیلات پر محمول کرتا ہے پس یہ خیالات کہاں تک ٹھیک ہیں۔ آٹھواں رسالہ "قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے"۔ اس میں زمانے کے معترضین کا جواب دیا گیا ہے اور تکرار کے فلسفہ پر بحث کی گئی ہے۔ نواں رسالہ تحقیق خطبہ پر ہے جس میں دلائل سے یہ ثابت ہے کہ خطبہ جمعہ و عیدین عربی ہی میں مسنون ہے۔ دسواں رسالہ "لطائف الحدیث" ہے جس میں حضرت موصوف نے حدیث کے نکتے اور ادبی لطائف بیان کئے ہیں۔ گیارھواں رسالہ "حجاب شرعی" یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شرعی پردے پر ہے۔ بارھواں رسالہ سجود الشمس ہے۔ اس میں اس حدیث کی تشریح کی گئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ تیرھواں رسالہ "خوارق عادات پر ہے جس میں معجزات و کرامات اور قانونِ قدرت سے باہمی تعلق پر عقلی اور نقلی حیثیت سے جدید طرز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ چودھویں تصنیف "الروح فی القرآن" ہے جس میں قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ کے دقیق اور نازک مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث ہے۔ ان تصانیف کے علاوہ حضرت علامہ کا سب سے بڑا کارنامہ "تفسیر عثمانی" ہے جس کو آپ نے ساڑھے تین سال کی محنتِ شاقہ، خداداد علم و فضل اور بے نظیر فہم قرآن کے باعث مکمل کیا۔ سولھویں تصنیف شرح بخاری شریف ہے جس میں معرکۃ الآراء مسائل پر نہایت بسط و تفصیل سے بحثیں کی ہیں۔ سترھویں تصنیف

"فتح الملہم" ہے یہ شرح حضرت علامہ نے عربی میں لکھی تھی جس میں آپ کے علم کی وسعت، بلند گہرائی اور مبلغ علم وفکر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ان علمی تصانیف کے علاوہ علامہ کے سیاسی مکاتیب، سیاسی خطبات اور بیانات بھی مختلف رسالوں کی شکل میں طبع ہو چکے ہیں۔ ان میں ایک رسالہ ترک موالات ہے، جس میں انگریزوں سے موالات، دوستی اور تعاون کے ترک پر شرعی اور سیاسی حیثیت سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ ایک پیغام بنام مؤتمر کل ہند جمعیت علماء اسلام ہے۔ اس پیغام نے ملک میں مسلم لیگ کی تائید میں ایک جوش وخروش پیدا کر دیا تھا۔ مکالمۃ الصدرین کے نام سے ایک رسالہ ہے جس میں وہ معرکۃ الآراء مکالمہ درج ہے، جو علامہ عثمانیؒ نے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہم کے درمیان ۱۹۴۵ء میں ہوا تھا، جس میں علامہ عثمانیؒ نے مسلم لیگ کی موافقت اور جمعیت کے وفد نے کانگرس کی تائید میں اپنے اپنے نظریات پیش کئے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس لاہور میں ہوئی تھی جس میں مولانا نے اسی صفحات پر مشتمل ایک مبسوط خطبہ صدارت دیا تھا۔ اس خطبہ میں مسلمانوں کے لئے پاکستان کے فوائد اور مسلمانوں کے لئے الگ آزاد ملک پر مدلل تبصرہ ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شخصیت علماءِ دیدہ ور میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ وہ معقول ومنقول دونوں علوم میں نور بصیرت سے ممتاز تھے۔ انہیں جہاں تفسیر و حدیث، منطق وفلسفہ اور علم کلام میں طبعی ذوق تھا، وہاں علم فقہ میں بھی منفرد نظر آتے تھے۔ علماءِ اہل نظر میں جب وقت کے فقہی مسائل اور ان کے عہد کے ہنگامی نظریوں کا سوال پیش آتا تو ان کا تفقہ اور فقہی معلومات وتحقیقات کا دریا موجزن ہو جاتا تھا آپ فقہی مسائل کو اس طرح پیش فرماتے کہ دل کی تہوں میں پیوست ہوتے چلے جاتے اور دماغ کے پردوں کو صاف اور روشن کرتے جاتے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تبلیغی سرگرمیاں بھی قابل ذکر ہیں آپ نے دارالعلوم

دیوبند سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلا غلغلہ انداز تبلیغی مقالہ "اسلام" لکھا جس کے ذریعے عوام اور علماء میں آپ کا بہت وقار قائم ہوا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو تبلیغی سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ اس کا امیر مولانا عثمانیؒ کو بنایا تھا۔ اسی طرح آپ نے ایک حاضر جواب مناظر کے فرائض بھی انجام دیئے۔ جس سے آپ کی قوتِ استدلال کا پتہ چلتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے بہترین مقرر اور خطیب پیدا کئے ہیں، متوسط دور میں مولانا عثمانیؒ کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ خلافت کے جلسے، ترکِ موالات کے پلیٹ فارم، جمعیت علماء کے پنڈال، مدارس اسلامیہ کی وجد آور درسگاہیں، مسلم لیگ کی کانفرنسیں، ہندو مسلم سیاسیات کی نبرد گاہیں، تبلیغ وارشاد کی محفلیں، مؤتمر مکہ کی مجالس، دارالعلوم دیوبند کی مسندیں مؤتمر الانصار کے ہنگامے، جامعہ ڈابھیل کی فضائیں اور مرکزی پارلیمنٹ پاکستان کے مشورت گاہیں حضرت علامہ کی جادو بیانی اور سحر آگیں تقریر کے اشتیاق میں آج بھی سراپا انتظار ہیں۔ نامور ادیب وصحافی مولانا نصر اللہ خان عزیز نے ایک مرتبہ لکھا تھا "مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند کے مدرسہ علم وفقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سینے میں ایک دل بیدار و صحت یاب تھا جو ان کی تمام احتیاطوں کے باوجود ان کو میدانِ عمل میں لئے پھرتا تھا۔ سب سے پہلے وہ تحریکِ خلافت وعدم تعاون میں عوام کے سامنے آئے اور وہ ایک جادو بیان مقرر تھے۔ لاہور میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں جمعیت علمائے ہند کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر نہایت معرکۃ الآراء تھی"۔

شعلہ بیان مقرر حضرت مولانا ظفر علی خاں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے مرحوم کی تقریر سنی ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن ہوتا تھا اور ایک ایک بات میں دنیا بھر کے حقائق پوشیدہ ہوتے تھے۔ "مولانا قاری محمد طیب نے فرمایا کہ حضرت عثمانیؒ کی فصیح وبلیغ تقریروں سے لاکھوں

باشندگان وطن، آزادیٔ وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے''۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ مولانا شبیر احمد صاحبؒ بڑے خطیب ومقرر تھے۔ ان کی تقریروں میں کافی دلائل ہوتے تھے اور سیاسی وعلمی اور تبلیغی اور واعظانہ ہر قسم کے بیان پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ ذہانت وطباعی اور بدیہہ گوئی ان کی تقریروں سے کافی نمایاں تھی۔''مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں کہ مولانا عثمانی اپنے وقت کے زبردست متکلم خوش تقریر واعظ محدث ومفسر سبھی کچھ تھے''۔

اگرچہ علامہ عثمانیؒ کی بہت سی تقریریں جادو بیانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں لیکن بعض تقریریں آج بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ ان کے تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ خلافت کے زمانے میں الٰہ آباد کے مقام پر ایک جلسہ ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی شریک تھے، دونوں قریب قریب کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے ناگاہ مولانا عثمانیؒ کی تقریر کے کسی حصے نے مولانا آزادؒ کو چونکا دیا اور اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ گردن جھک گئی اور مولانا آزاد ایسے محو تقریر ہوئے کہ علامہ عثمانی کی تقریر ختم ہوگئی اور سر اسی طرح نیچے جھکا رہا۔ جب آزادؒ صاحب کے کان آواز سے لطف اندوزی نہ کر سکے تو سر اٹھا کر دیکھا، مولانا عثمانیؒ بیٹھ چکے تھے چنانچہ مولانا آزادؒ نے پھر دوسرے اجلاس میں تقریر کی فرمائش کی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی علامہ عثمانیؒ کی حق بیانی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''تقریر کے وقت عقل کو کبھی جذبات سے مغلوب نہیں ہونے دیتے تھے، جو بات کہتے تھے، ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ، بہت ناپ تول کر کہتے تھے۔ تحریکِ خلافت کا زمانہ حد درجہ اشتعال اور جذبات کی برانگیختگی کا عہد تھا۔ اس زمانے میں کبھی بھی تقریراً تحریراً کوئی بات ایسی نہیں کہی جو صرف جذبات کا نتیجہ ہو۔ حق بات کہنے میں ہمیشہ بے باک اور نڈر رہتے تھے اور ہر معاملے میں اپنی رائے صفائی اور آزادی کے ساتھ پیش کرتے تھے۔

چنانچہ شاید لوگوں کو اب تک یاد ہو کہ دہلی کے عظیم الشان جلسہ میں پنڈت مدن موہن مولویہ کے مقابلہ پر اور ۱۹۲۲ء میں گیا میں جمعیت العلمائے ہند کے سالانہ جلسے کے موقعہ پر کونسلوں کے بائیکاٹ کے مسئلے پر حکیم محمد اجمل خان مرحوم کی مخالفت میں حضرت الاستاذ (علامہ عثمانی) نے کس قدر ہنگامہ آفریں اور معرکۃ الآراء تقریریں کی تھیں آہ ان شعلہ مقالیوں کو اب قوتِ سامعہ ترستی ہے اور بقولِ ڈاکٹر اقبال ....۔

حضورِ ملت بیضا تپیدی — نوائے دلگدازے آفریدی!

ادب گوید سخن را مختصر گو — تپیدی آفریدی آرمیدی!

موصوف کی طاقت لسانی کا اندازہ کرنے کے لئے ان کی اس تقریر کے چند اقتباس ملاحظہ کریں جو قرارداد مقاصد کی تائید میں پارلیمنٹ میں کی تھی۔ یہ تقریر علامہ نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو کی تھی۔ علامہ نے فرمایا'' جناب صدر محترم! قراردادِ مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوانِ ہذا کے سامنے پیش کی ہے، میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج بیسویں صدی میں (جبکہ ملحدانہ نظریاتِ حیات کی شدید کشمکش انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کے عزم وہمت اور جرأتِ ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں، اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئے روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص وآز اور رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدانِ کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگ دل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں، مگر پھر علاج اور دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اس کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھئے دنیا اپنے خودساختہ اُصولوں کے جس جال میں

پھنس چکی ہے، اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی، وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے اور جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز وفلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

علامہ نے فرمایا کہ ضرورت ہے ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں۔ جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا مینار دکھانا چاہتا ہے، یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پیغامِ حیات ونجات ہے اور تمام دنیا کے لئے اطمینان اور خوشحالی عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً، کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے، مالکِ اصلی اور حاکمِ حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟ اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق کل اور مقتدرِ اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی ملک میں ہم اس حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے اجازت دے دے۔

علامہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ قائداعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں ”قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرضیکہ تمام شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے اُمورِ حیات، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق وفرائض تک، دنیوی زندگی میں جزا وسزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا وسزا تک، ہر فعل، قول اور حرکت پر عملی احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہے تو یہ بات مابعد

حیات اور ہر مقدار اور معیار کے مطابق کہتا ہوں“۔

جہاں تک علامہ کی سیاسی زندگی کا تعلق تھا جب آپ نے اس وادی پرخار میں قدم رکھا اس وقت غیر منقسم ہندوستان میں کانگریس کا طوطی بولتا تھا اور مسلمان اور ہندو دونوں اس سے وابستہ تھے لیکن ایک وقت آیا جب اس جماعت پر ہندو کی سیاست کا غلبہ ہوگیا۔ یہی وقت تھا جب مسلم قوم کا ایک فرد انہوں نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نجات دہندہ جماعت کر دیا۔ شروع شروع میں مسلمانوں کی بعض مقتدر جماعتیں اسی کانگریس کے جھنڈے تلے آزادی تلاش کرنا چاہتی تھیں۔ مگر جمہور مسلمانانِ ہند اپنی خوش بختی مسلم لیگ سے وابستگی میں سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے ایک طرف قائداعظم جیسی بے لوث، مخلص اور سیاست دان ہستی کی روز افزوں مقبولیت کا سوال تھا اور دوسری طرف بعض علماء کا کانگریس میں شمولیت کا مسئلہ۔ وہ کشمکش میں مبتلا تھے۔ ان کو اپنے ایمان کی بھی فکر تھی اور صحیح منزل مقصود کی بھی۔ اس مقصد کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک شمع روشن کی اور مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لئے شریعت غرا کی روشنی میں راہِ ہدایت دکھانی شروع کی۔ آپ نے پوری قومی اور اسلامی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے خود بھی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور مسلمانوں کو بھی پوری پوری سیاسی اور مذہبی دلائل کی قوت سے لیگ میں شمولیت کی دعوت دی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو میرٹھ مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ ”راقم الحروف خود ایک مدتِ دراز تک اس کشمکش و پیچ میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور وفکر کیا۔ اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جمعیت العلماء ہند کی رُکنیت ترک کر کے جب مسلم لیگ میں

شامل ہوئے تو محسوس فرمایا کہ تدریس وتحریر کی چاردیواری سے نکل کر میدانِ عمل میں آنا چاہئے، چنانچہ آپ نے طوفانی دورے فرمائے اور مسلمانوں کو لیگ کے جھنڈے تلے آنے کی دعوت دی۔ ایک خطبے میں لیگ اور کانگریس کے بنیادی اختلاف کی وضاحت ان الفاظ میں فرمایا کہ "کانگریس کی ساری جڑ بنیاد قومیت متحدہ پر ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے ایسے نظامِ حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ رائے شماری سے ہوتا ہو تو دس کروڑ مسلمانوں کی اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے رحم وکرم پر رہنا ہوگا"۔ آپ نے فرمایا کہ اب مسلم لیگ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے، ان میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کے رحم وکرم پر کیوں رہے۔ خصوصاً وہ غیور قوم جس نے اس دوسری قوم پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی ہے اور آج بھی وہ زمین کے بہت بڑے حصے پر حکمران ہے۔

۳؍جون ۱۹۴۷ء کو اعلانِ پاکستان کے بعد جب سرحد اور سلہٹ (مشرقی پاکستان) میں ریفرنڈم کا فیصلہ ہوا تو قائداعظم کو عجب فکر لاحق تھی۔ اس موقع پر پیر مانکی شریف نے قائداعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانی کا دورہ نہایت ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کی مذہبی حیثیت سے بہت اثر قائم ہو چکا ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر قائداعظم نے علامہ عثمانی ؒ سے اس مہم کو سر کرنے کیلئے کہا اور علامہ بڑھاپے اور دائم المرضی کے باوجود سرحد کے دورے میں تشریف لے گئے، آپ نے پشاور، ایبٹ آباد، کوہاٹ، بنوں، مردان، مانسہرہ اور قبائلی علاقوں میں جا کر ولولہ انگیز تقریریں کیں اور پاکستان کی حقیقت کی وضاحت فرمائی۔ مولانا کے اس دورے کی رپورٹ انقلابِ کراچی "اسلامیہ جمہوریہ نمبر" میں اس طرح شائع ہوئی، اس دورے میں آپ کے ایک ساتھی مضمون نگار نے لکھا کہ سرزمینِ سرحد میں شیخ الاسلام نے باوجود اپنی علالت اور پیرانہ سالی

کے ایک طویل دورہ کیا جس میں گرمی کی شدت کے باوجود بسا اوقات موٹر، ریل اور مختلف سواریوں کے ذریعے سفر کرنا پڑتا تھا جس کی وجہ سے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر پاکستان کے مسئلے کو دو قومی نظریہ سے اختلاف رکھنے والوں نے جس طرح عوام کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے سرحد کے باشندے کانگریس کے جال میں پھنس کر رہ گئے تھے اس جال کے تار و پود بکھیرنے کے لئے شیخ الاسلام مرحوم جیسی عظیم الشان شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس مہم پر آپ نے سرگرمی سے حصہ لیا، جس کی وجہ سے سرحد کی فضا بہتر ہوئی اور پاکستان کے حق میں عوام کے رجحانات تبدیل ہو گئے۔

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں نتیجہ خیز ہو چکنے کے بعد علامہ عثمانی، قائداعظم سے دہلی میں ملے اور اس کامیابی پر مبارک باد دی۔ قائداعظم نے فرمایا کہ اس مبارکباد کے مستحق آپ ہیں میں سیاست دان سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی"۔

مولانا کے علم وفضل ان کی زندگی اور ان کے عظیم القدر کارناموں سے اہل پاکستان اچھی طرح آگاہ ہیں، ان کے تبحر علمی ان کی راست بازی حق گوئی اور حق شناسی نے کروڑوں ہندوستانی مسلمانوں کو راستہ سلجھایا کوئی شبہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کارفرما تھے مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ کی تھی۔

علامہ عثمانی ؒ ۱۶؍اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کے جلسوں اور افتتاحِ پاکستان کی تقریب میں شرکت کے لئے دیوبند سے کراچی تشریف لائے، آپ غیر منقسم ہندوستان میں سلہٹ (بنگال) کی طرف سے صوبائی الیکشن میں مرکزی ہندوستان قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے، اسی حیثیت سے پاکستان کی مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی بنے، دستوریہ پاکستان کا پہلا اجلاس ہوا تو تلاوت حضرت علامہ نے کی اس کے بعد ہمیشہ

دستور یہ کے اجلاس کا آغاز قرآن کریم کی تلاوت سے ہونے لگا۔

شیخ الاسلام کی وفات پر الجمعیۃ دہلی نے لکھا کہ مرحوم علامہ عثمانی صرف ہندوستان اور پاکستان ہی کی امانت نہ تھے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے چراغ ہدایت تھے۔ آپ کے علمی فیضان کا دائرہ، افغانستان، ایران، انڈونیشیا، چین، سماٹرا، تبت، ملایا، مصر، الجزائر اور دوسرے اسلامی ممالک تک وسیع تھا اور آپ کی شخصیت ہمیشہ بین الاقوامی شہرت کی سرمایہ دار رہی۔ ہندوستان اور پاکستان میں وہ کون سا مستند عالم ہے جسے مرحوم کی شاگردی اور تربیت کا فخر حاصل نہ ہوا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں مبالغے کا کوئی شائبہ نہیں ہے کہ مرحوم کی وفات کے بعد علمی دنیا میں ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

جس روز علامہ عثمانی نے اس دنیا سے رختِ سفر باندھا ڈاکٹر اشتیاق قریشی نے ریڈیو پاکستان سے ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مجھے بعض ملی مسائل پر غور وخوض کے سلسلے میں علامہ عثمانی کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور دستور بنانے کے سلسلے میں بھی مجلس دستور ساز کے اندر اور اس کے باہر تبادلہ خیال کا موقع ملا، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ مولانا نہ صرف علم دین اور علوم مشرقی میں تبحر رکھتے تھے بلکہ سیاسی مسائل کو بھی سمجھنے میں وسعت نظر اور وسعتِ فکر کے حامل تھے۔ مصالح ملکی اور اُمور دین کا وہ صحیح امتزاج جو اسلام کی خصوصیت ہے، مولانا کے قول وفکر میں نمایاں تھی۔

پاکستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر حسین سہروردی نے علامہ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ''مولانا کی شخصیت زہد وتقویٰ، علمی فضیلت اور سیاسی بصیرت کا اجتماع تھی۔ وہ علوم دینیہ اور قانونِ شرعیہ کے معتبر عالم تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں جدید رجحانات کا بدرجہ اتم احساس تھا۔ وہ واحد انسان تھے جو موجودہ زمانے کے تقاضوں اور اُلجھنوں کا اسلامی افکار کی روشنی میں حل بتا سکتے تھے۔ انہوں نے اسلامیانِ ہند کی جس انداز میں

قیادت ورہنمائی کی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان تشریف لا کر لوگوں کی بہت خدمت کی اور رات دن لوگوں کی خدمت کے لئے وقف رہے، اس وقت آبادکاری کا مسئلہ سب سے اہم تھا، آپ نے سینکڑوں لوگوں کو آباد کرایا لیکن خود کوئی مکان حاصل نہ کیا اور دوسرے لوگوں کے مکانوں میں ٹھہرے رہے۔ علامہ کی زندگی بالخصوص ہمارے علماء کے لئے ایک نمونہ ہے، انہوں نے پاکستان میں قرآن وسنت کے قانون کے نفاذ کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کا آئندہ دستور قرآن وسنت ہو اور قرار دادِ مقاصد علامہ ہی کے بتائے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں تیار کی گئی تھی۔

کانفرنس میں علامہ شبیر احمد عثمانی کو علماء اور صدر مملکت نے خراج تحسین پیش کیا اور قیام پاکستان کے سلسلے میں ان کی مساعی پر خوب روشنی ڈالی گئی لیکن حق یہ ہے کہ علامہ کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کی خواہش اور تمنا کے مطابق پاکستان کو چلایا جائے۔ اس میں قرآن وسنت کے قانون کو بالادستی حاصل ہو اور یہاں کے عوام اسلامی اقدار اور روایات کے مطابق زندگیاں گزار سکیں۔

(خصوصی ایڈیشن نوائے وقت ۲۳ر جنوری ۱۹۸۰ء)

مملکت پاکستان کے لئے علامہ عثمانیؒ کے مرتبہ بنیادی اُصول :

ساری ملتِ اسلامیہ متحد و یک جان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ابلیس کے لشکروں کے حوصلے پست ہو جائیں، ظاہر ہے کہ اس چیز کی تکمیل وانصرام موقوف ہے اس پر کہ ہماری سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان پہلے اپنے قیام کی اصلی غرض وغایت اور بنیادی اُصول کو سمجھ لے جو ہمارے نزدیک حسب ذیل ہونے چاہئیں۔

باب : ۲

افادات

(ا) اللہ تعالیٰ کو سارے ملک کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی مانتے ہوئے اس کے نائب امین کی حیثیت سے اسی کی مقرر کردہ حدود کے اندر پوری مسئولیت کے خیال کے ساتھ حکومت کا کاروبار چلانا۔

(ب) بلاتفریق مذہب وملت ونسل وغیرہ تمام باشندگانِ پاکستان کیلئے امن وانصاف قائم کرنا اور دوسری اقوام کو بھی اس مقصد کی دعوت دینا۔

(ج) جملہ معاہدات کا احترام کرنا جو کسی دوسری قوم یا مملکت سے کئے گئے ہوں۔

(د) غیر مسلم باشندگان پاکستان کیلئے جان ومال اور مذہب کی آزادی اور شہری حقوق کے تحفظ کے ساتھ مذہب اسلام کی حفاظت اور تقویت کا بندوبست کرتے ہوئے مسلم قوم کو ان قوانینِ الٰہیہ کا پابند بنانے کی انتہائی سعی کرنا جو مالک الملک نے ان کے فلاحِ دارین کے لئے نازل فرمائے ہیں۔

(ہ) تمام باشندگانِ پاکستان کی انفرادی صلاحیتوں کی کامل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات میں مناسب اور معتدل توازن قائم کرنا اور بحدِ امکان کسی فرد کو بھی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔

(و) خصوصیت کے ساتھ ربا (سود) مسکرات (نشہ آور اشیاء) قمار (جوا) ہر قسم کے معاشرتی فواحش کے سدباب کی امکانی کوشش کرنا۔

(ز) قومی معاشرے کی بلند خیالی کے ساتھ ساتھ اور ستھرا بنانے کی ہر جائز کوشش کرنا۔

(ح) مغربی طرز کے پیچ در پیچ عدالتی بھول بھلیوں سے نکال کر عوام کے لئے امکانی حد تک سستا اور تیز رفتار انصاف حاصل کرنا۔

(ط) ان پاک اور بلند مقاصد کے لئے ایک ایک مسلمان کو بقدرِ ضرورت دینی وعسکری تربیت دے کر اسلام کا مجاہد اور پاکستان کا سپاہی بنا دینا۔

(خطبہ ڈھاکہ فروری ۱۹۴۹ء)

مولانا محمد مالک کاندھلوی

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

افادات وارشادات

بحمد للہ اب مسلمانوں کو ایک ایسا خطہ ارضی مل گیا ہے کہ اگر وہ اس میں تمامتر اسلامی آئین وقانون نافذ کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو نہیں روک سکتی، یہی مکمل آزادی کی وہ قسط اوّل پہلی منزل اور بنیادی حقیقت ہے جس کا حصول اکھنڈ ہندوستان میں کسی طرح ممکن نہ تھا اور جس کی حفاظت ہر قیمت پر اہل پاکستان کے ذمے واجب ہے۔ آگے قسط ثانی اور دوسری منزل یہ ہے کہ ہم سب مل کر اس مملکت میں اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکومت قائم کرنے کی سعی کریں جس طرح اللہ ربّ العزت کی تکوینی حکومت سارے عالم پر قائم ہے ہماری حکمرانی اور فرمانروائی کے وہی طور وطریق ہوں جن کی نصیحت مسٹر گاندھی نے (حالانکہ اسلام اور اسلامی عظمت سے ان کی نفرت وبغض اور معاندانہ کوششیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں) اپنے کانگرسی وزراء کو ۱۹۳۷ء میں کی تھی یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کے نہج کی حکومت اگر اپنی غفلت ولاپرواہی سے ہم ایسا نہ کر سکے اور پہلی ہی منزل پر اٹک کر رہ گئے تو یہ ہماری بدبختی حرماں اور حاصل شدہ آزادی کی نعمت کا انتہائی کفران ہوگا اور اگر دوسری قسط کے وصول کرنے سے پہلے خدانکردہ پہلی قسط بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے تو یہ اس سے بھی بڑی حماقت اور بدنصیبی ہوگی جس کے لئے ہم ہمیشہ آنے والی تاریخ کے سامنے مسئول رہیں گے"۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا یہ اعلان آج سے ۳۳ برس قبل ان کی ایمانی بصیرت کی شہادت دے رہا ہے کہ انہوں نے کیسے خطرناک پیش آنے والے ہر موڑ سے قوم کو خبردار کیا اور اصل نصب العین سے چوک جانے کے تمام تاریک زاویوں کی نشاندہی کر دی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کی مقدس عمارت کی بقاء، اس کی آبادی اور ترقی وخوشحالی کے جن بنیادی اُصول کی رہنمائی فرمائی تھی، ان کو ہم نے قطعاً نظر انداز کر دیا اور یہ بھلا دیا کہ آزادی کی یہ نعمت کس طرح بحر حوادث کی طوفانی لہروں میں گھس کر حاصل کی تھی۔ محض خدا کا، قرآن کا اور اسلام کا نام لے کر ان طوفانی لہروں کو عبور کیا تھا اور ساحل مقصود پر بحمداللہ پہنچ گئے تھے۔

ہم سوچیں کہ جس چیز کے نام میں اس قدر قوت، ایسی عظیم تاثیر اور اتنی شاندار کامیابی ہے اگر واقعی ہم اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو کیا کچھ ہم کو فتح ونصرت حاصل نہ ہوگی، شیخ الاسلام نے اس وقت کیسی پیاری بات فرمائی تھی کہ :

"وقت آ گیا ہے کہ ذمہ دار حضرات اپنے مقدس وعدے پورے کریں اور مصائب کے طوفانوں سے نکلنے کے بعد اس نکالنے والے خدا کو نہ بھول جائیں اور ان مغضوب وگمراہ لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جن کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا تھا :

و اذا رکبوا فی الفلک دعو اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجھم الی البر اذا ھم یشرکون ○

(آخر قرآن سے منہ موڑ کر ہم کونسا نظامِ حیات اور آئین حکومت اختیار کریں گے حالانکہ قرآن ہی وہ مکمل لازوال ابدی اور عالمگیر نظام نامۂ صداقت ہے جس سے اپنے ہر شعبۂ زندگی میں ہم نور اور قوت کا اکتساب کر سکتے ہیں"۔

"کیا اللہ کے دین کے سوا تمہیں کسی اور چیز کی تلاش ہے حالانکہ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تکوینی طور پر اس کی فرمانبرداری ہے۔ خوشی سے یا ناخوشی سے

اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے"۔

جب ہم ان کے ارشاد فرمودہ ان کلمات پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کی نگاہِ بصیرت ہمارے اوپر پیش آنے والے احوال اور ادوار اور تغیرات کو بھانپتے ہوئے ہم کو ایسے واضح اور روشن رہنما اُصول کی ہدایت فرما رہی تھی کہ ہم آج اپنے کو ان ہدایات کا زائد سے زائد مستحق سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ہمیں فوز وفلاح کے بنیادی اصول ونکات بتائے اور فرمایا تھا میرے نزدیک ہمارے سارے فوز وفلاح کا راز ان چار لفظوں میں مضمر ہے، صبر و استقامت، تقویٰ وطہارت، اتحادِ ملت، اعدادِ قوت حسب استطاعت، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انفرادی واجتماعی زندگی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اپنا تعلق صحیح رکھا جائے۔ تاکہ اس کی امداد ونصرت کے مستحق ہو سکیں اور اسے راہ میں پیش آنے والی سختیوں کو صبر واستقلال سے برداشت کیا جا سکے اور ساری ملتِ اسلامی متحد و یکجاں ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے، جس سے ابلیسی لشکروں کے حوصلے شکست کھا جائیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی شخصیت اپنے کمالات اور خصوصیات میں ایک عجیب امتیازی شان اور عظمت کی حامل تھی۔ وہ ایسے عالم دین اور نائب رسول ﷺ تھے کہ ان کو بجا طور پر محقق اسلام، دانائے شریعت، واقف اسرار کہا جا سکتا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتیں مسلمانوں کو پڑھائیں، اور سکھائیں جس کے واسطے ان کی تفسیری خدمات تا ابد باقی رہنے والا ثبوت ہے تعلیم کتاب وحکمت اور تفہیم سنت میں ان کی شرح حدیث بے مثال خدمات درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی عالم اسلام کے سامنے ہمیشہ باقی رہیں گی۔

زندگی میں بے شمار جلسوں، صحبتوں اور درسگاہوں میں مسلمانوں کو کس قدر اسرار شریعت سنائے اور سکھائے ہوں گے، کس قدر حقائق ومعارف سے مسلمانوں کو آگاہ کیا

ہوگا، کتنوں کے قلوب کا تزکیہ وتطہیر فرمائی ہوگی، کتنے وافر افراد کو جہل کی تاریکیوں سے نکال کر علم ودانش کا نور عطا کیا ہوگا، کتنے گمراہ افراد کو ہدایت اور رشد وفلاح کی عظیم تر سعادتوں سے ہمکنار بنایا ہوگا، کتنے لوگوں کے اذہان وقلوب کے شکوک واوہام زائل کر کے صراطِ مستقیم پر ان کے قدم مضبوطی سے جما دیئے ہوں گے؟ اللہ اللہ کیا علم تھا، کیسا تقویٰ اور تدبر تھا کہ ایک ایک لفظ علم وفہم اور تدبیر وحکمت اور تقویٰ وطہارت کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ عہد طفلی اور ابتداء شباب ہی میں علمی بصیرت اور تبحر کا یہ عالم تھا کہ ہر بات سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت شیخ الہندؒ کے دولت خانہ پر ہر جمعہ کو درسِ قرآن کریم کا سلسلہ شروع فرمایا جس میں طلباء اور حتی کہ اکابر علماء بھی شریک ہوتے۔ شیخ الاسلامؒ علم وحکمت کے وہ دریا بہاتے کہ روحیں تازہ ہو جاتیں ۔ باطنی نسبت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبتِ ولی اللہی کا ایک عظیم حصہ آپ کے علم وفضل کی خصوصیت بنا ہوا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے تو تمام ہی اکابر علماء وفضلا خاندان ولی اللہی کا فیض اور پرتو تھے۔ ان پر شاہ صاحب، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید بریلویؒ کے فیوض وبرکات جلوہ فگن تھے، لیکن حضرت شیخ الاسلام کی حیات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے میں ان تمام علوم وفیوض کا جوہر سمیٹ رکھا ہے، پھر نسبتِ محمودی کا ایسا رنگ غالب نظر آتا تھا کہ جس کسی نے ان کی تصانیف وتحقیقات کو ذرا بھی نظرِ غور سے دیکھا تو یہ کہنے پر مجبور ہوا شیخ الاسلام کی زبان شیخ الہندؒ کے علوم ومعارف کی ترجمان ہے۔ علم وعمل، ایمان وتقویٰ، فہم وبصیرت میں شیخ الہندؒ کا پورا نمونہ تھے۔ ان کی حق گو زبان کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے پاس بھی حق کا کلمہ بولنے میں ادنیٰ سی جھجک نہیں محسوس کرتی تھی۔ قراردادِ مقاصد کا منظور کرانا ان ہی کے عزم اور حوصلہ اور قوتِ ایمان کا کام تھا۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری سے پہلے بعض ذیلی کمیٹیوں میں جب دستورِ اسلامی کا سلسلہ میں لیت ولعل اور ہیر پھیر سے کام لیا جا رہا تھا تو اس وقت

آپ ہی کی حق گو زبان نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر اسلامی دستور کو آئندہ حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس پشت ڈالا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور، نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتا دوں گا، اہل اقتدار دستورِ اسلامی کے سلسلے میں اچھی نیت نہیں رکھتے۔ اسی حق گوئی کا نتیجہ تھا کہ بحمدللہ مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہوئی۔ انہوں نے اپنی ہدایات وتعلیمات سے وہ سب باتیں بھی بتاوی اور سکھادی تھیں جن کی تعمیل کر کے ہم واقعۃً اپنے ملک میں اسلامی نظام جاری کر سکیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم آج تک خواہ کاغذی طور سے کتنی ہی پیش رفت کر چکے ہوں اعلانات اور دعوے بہت ہی بلند وبالا کر لئے ہوں، مگر ہماری عملی زندگی اور نظامِ معاشرت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ اسلامی نظام صرف اعلان اور کاغذوں کی دستاویز تک محدود رہنے والی چیز نہیں۔ اسلام اور نظام تو مسلم قوم کے معاشرہ اور اس کے ہر ہر شعبہ جات میں سرایت کر جانے والے رنگ اور طرز کا نام ہے۔

ان تمام بلند پایہ خصوصیات کے ساتھ ان کے سیاسی تدبر اور فہم کا مقام وہ ہے جو ان کی تاریخ سے بخوبی واضح ہے۔ تحریکِ پاکستان سے بہت پہلے ہی ان کی سیاسی بصیرت نہایت بلند پایہ عظمت رکھتی تھی، ترکِ موالات، تحریکِ خلافت وکانگریس، ہندو مسلم اتحاد غرضیکہ ہر شعبہ سیاست میں ان کا ایک خاص مسلک اور امتیازی مقام تھا اور ان تمام مراحل میں وہ کہیں بھی اسلامی امتیازات کو پست اور مغلوب ہوتے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے ایک سالانہ اجلاس ۱۹۲۱ء میں جو مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں تھا جس میں ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے گائے کی قربانی کو بہت سے سیاسی لیڈر مصلحت کا شکار بنانا چاہتے تھے اور اس پر کچھ حضرات مصر بھی تھے، حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا کہ گائے کی قربانی کوئی واجب تو نہیں ہے کہ بس گائے ہی کی قربانی کی جائے تو جب اور جانور بھی قربانی کیے جا سکتے ہیں تو کیا حرج ہے۔ اس لئے ہم کو ہندو مسلم اتحاد کی خاطر اور

ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی ترک کر دینی چاہئے، اس میں بعض کی زبان سے یہ بھی نکلا کہ اب اس تجویز میں کسی کی مخالفت کی پروا نہیں کی جائے گی۔ اشارہ تھا حضرت انور شاہؒ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمدؒ کی جانب تو اس پر شیخ الاسلام نے ایمانی حقائق اور دلائل سے تمام اکابر و سیاسی زعماء کو لاجواب کر ڈالا اور ثابت کیا کہ کسی حلال اور مباح چیز کو حرام کرنے کی تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بھی اجازت نہیں دی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیت نازل فرمادی۔

"اے پیغمبر ﷺ! آپ کیوں حرام کرتے ہیں وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ......"۔

شیخ الاسلام نے بڑی ہی جرأت اور ایمانی و عملی قوت کے ساتھ کہا کہ جب کسی مباح اور حلال چیز کو اللہ کے پیغمبر ﷺ کے لئے اپنی ازواج مطہرات کی خوشنودی کے واسطے ترک کر دینا درست نہیں تو ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے کی قربانی کی مخالفت کا فتویٰ دے دیں۔ یہ وہ جواب تھا جس پر علم و فہم کے پہاڑ جیسے حضرات بھی سرنگوں ہو گئے اور اپنی ٹوپی اُتار کر حضرت کے قدموں پر ڈال دی۔ یہ شیخ الاسلام کا مقام تھا کہ اس کو اُٹھایا اور چوما اور سر پر رکھ کر فرمایا تو سر پر رکھنے کے قابل ہے مگر اللہ کا قانون وہ ہے جس کے سامنے ہمارے سب کے سر جھک گئے ہیں۔

جس زمانہ میں شاہِ افغانستان امان اللہ خان اپنی بیگم ثریا کے ساتھ یورپ کی سیر کر رہے تھے اور ان حالات میں ملکہ ثریا کی بے حجابی کا کافی چرچا تھا اور لوگ اس کی وجہ سے شاہ سے متنفر ہو رہے تھے کیونکہ ایمانی محبت رکھنے والے مسلمانوں کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ان کے سربراہ کی بیگم بے پردہ لوگوں کے سامنے آئے۔ اس وقت آپ نے حجابِ شرعی پر اپنی تقاریر اور بیانات میں ایک نہایت مدلل اور حقائق سے لبریز سلسلہ شروع کیا اور نہ صرف یہ کہ پردہ کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ساتھ ہی ان بعض مضمون نگاروں کی

خوشامدانہ روش پر بھی تنقید بلکہ تنبیہ کی جو شاہ کی خوشامد میں معیار سے ہٹ کر کچھ لکھنے لگے تھے اور یہ پیغام شاہ امان اللہ تک بھجوا دیا۔ کاش کوئی صاحب ہمت دولت عالیہ افغان کے امیر غازی اور ان کے اہلیہ ثریا جاہ کے سمع ہمایوں تک حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ پہنچا دے۔

"اے ابو عبیدہ! تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل حقیر اور کمتر تھے تم کو اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی، اس لئے سمجھ لو جب کبھی بھی تم عزت کے در سے ہٹ کر کسی اور سے حاصل کرنے کا ارادہ کرو گے خدا تمہیں ذلیل کر دے گا"۔

حضرت شیخ الاسلام نے تحریک پاکستان میں اپنی ساری قوتیں، صلاحیتیں صرف کیں، اسلامی نظام کے لئے اپنی پوری کوششوں سے قرارداد مقاصد منظور کرائی۔ آج اس ملک میں بسنے والے ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس مملکت میں کلیۃً عملی طور سے اسلامی نظام رائج کرے۔ اسلامی معاشرہ کا احیاء کرے، مغربی ذہن اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنانے کیلئے مستعد ہو جائے۔ (نوائے وقت لاہور)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی یاد میں مجلسِ مذاکرہ سے خطاب

ایوانِ نوائے وقت میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی یاد میں ایک مجلس مذاکرہ ہوئی جس میں ملک کے ممتاز علماء حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مولانا محمد اجمل خانؒ، مولانا محمد عتیق ہاشمیؒ، مولانا انور احمد کراچوی، مولانا عبدالقادر آزادؒ، مولانا علی اصغر اور مولانا انور حسین نفیس رقمؒ نے خصوصی خطاب کئے اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی دینی علمی اور سیاسی خدمات کے متعلق سوالات کے جوابات دیئے۔ ذیل میں صرف مولانا محمد مالک کاندھلویؒ سے کئے گئے سوالات کا جواب پیش خدمت ہے جس سے علامہ کی خدمات پر روشنی پڑتی ہے۔ (مرتب)

☆ نوائے وقت : مولانا محمد مالک صاحب سے سوال یہ ہے کہ اسلام میں سیاست کا کیا مفہوم ہے اور سیاست کے اصطلاحی اور لفظی معنی کیا ہیں جن میں حضرت عثمانیؒ کی سیاست کو پرکھا جا سکتا ہے اور ایک سوال یہ ہے کہ اس وقت جب پیر جماعت علی شاہ اور مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا شبیر احمد عثمانی ایک سٹیج پر ایک مقصد کیلئے جمع ہو سکتے تھے تو پھر آج کیا مشکل پیش آئی ہے کہ علمائے کرام کم از کم اسلام کے نفاذ و فروغ کیلئے یکجا نہیں؟

☆ مولانا محمد مالک کاندھلوی : آپ کا یہ سوال بہت اہم ہے۔ سیاست کا مفہوم شریعت کے نقطۂ نظر سے کیا ہے اور اس مفہوم کو حضرت شیخ الاسلام کی سیاسی زندگی سے ہم نے کس طرح پایا اس کے بارے میں یہ عرض کر دوں کہ لغت کے لحاظ سے سیاست کے معنی دیکھ بھال کرنا کے ہیں اور علامہ زمخشری نے سیاست کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ عربی زبان میں ساس الفرس یا یسوس سے ماخوذ ہے اس کے معنی گھوڑے کی نگرانی کرنا دانے چارے کے مہیا کرنے کی فکر کرنا کے ہیں، اسی لئے لفظ سائس کلامِ عرب میں گھوڑے کی نگرانی کرنے والے کیلئے وضع کیا گیا۔ اصطلاح شریعت اور اسلامی اُصول کے لحاظ سے سیاست کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی قوم کے ملی اور اس کی طبعی ضرورتوں کے مہیا کرنے کے لئے اپنی تمام تر ممکن کوششوں کو صرف کرنا، کسی قوم کی فلاح کو اور اس کے مقصد کو مہیا کرنے کیلئے جدوجہد کرنا اس قوم کو کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی سے بچانے کیلئے کوششیں کرنا اس کے اصل مقصد اور ترقی کی طرف اس کو پہنچا دینا ان چیزوں کے مہیا کرنے کا نام سیاسی قیادت ہے، اس لئے ہمیں یہ چیز محسوس ہوئی کہ شریعت کے نقطۂ نظر سے جو سیاسی قیادت ہے ان چیزوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے اور جب تک کہ کوئی سیاسی قیادت ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تو ہم یہی سمجھیں گے، وہ سیاسی قیادت نہیں ہے۔ آج اس دور میں افسوس کی بات یہ ہے کہ سیاست کا مفہوم جو اصل وضع لغت کے لحاظ سے یا شریعت کا اصطلاح کے لحاظ سے تھا وہ تو بالکل ناپید ہو چکا۔ لوگ اس کو بھلا چکے، اب سیاست کا مفہوم صرف اس حد

تک رہ گیا کہ کسی حکومت کے مدمقابل کسی جماعت کا اپنی کوششوں کو تیز تر کر دینا اقتدار کے حصول کیلئے باہمی چپقلش اور اس قسم کی فضا کے قائم کر دینے کا نام سیاست ہو گیا۔ شریعت کی اُصول سے سیاست کا کوئی تعلق حصولِ اقتدار کے لئے جدوجہد کرنا ہرگز نہیں، بلکہ شریعت تو اُس کو منع کرتی ہے اور روکتی ہے۔ علامہ عثمانیؒ کے اس زمانہ کے بعد خود ان سے میں نے یہ چیز اخذ کی تھی۔ وہ بعض دفعہ ان چیزوں کو اپنی مجلسوں میں فرمایا بھی کرتے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی سیاسی زندگی میں یہی مفہوم ان کے عمل سے سمجھا اور دیکھا جس وقت وہ سیاسی میدان میں کھڑے ہوئے ہیں اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ مسلمانوں کے لئے فلاح اور کامیابی جس چیز میں ہے اس کے لئے وہ اپنی کوششیں پوری صرف کر دیں۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی بقا کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کیلئے خطۂ زمین موجود ہو۔ جب تک کوئی آزاد خطہ زمین مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہوگا تو وہ اپنے مذہب کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے اور اپنی ثقافت کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے ہیں اور اپنی ثقافت کا بھی تحفظ نہیں کر سکتے ہیں اور اقامتِ دین جو مسلمانوں کے لئے بنیادی فریضہ ہے، اس کو بھی انجام نہیں دے سکتے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ جب سیاست کے میدان میں سامنے آئے ہیں تو ان کا پیغام مسلمانوں کو یہی تھا اور انہوں نے پاکستان کی حمایت کیلئے جس نقطۂ نظر کو مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا وہ یہی تھا کہ مسلمان قوم اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے جب تک ایک آزاد مملکت کو حاصل نہ کرے تو اس وقت اس کے لئے اقامتِ دین کا نصب العین حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا، ساتھ ہی یہ بھی چیز تجربے میں برسوں سے آ چکی تھی کہ کانگریسی قیادت نے مسلمانوں کے حقوق کو جس طرح غصب کیا تھا، جس طرح مسلمانوں پر مظالم ڈھائے گئے، بہار اور اڑیسہ میں جس طرح مسلمانوں کا خون بہا کانگریسی وزارت کے زمانہ میں اس نے اس چیز کو واضح کر دیا تھا کہ مسلمان اب کسی طرح بھی اپنے حقوق اور مذہب کا تحفظ ہندو

کے ساتھ مل کر نہیں کر سکتے۔

ایک حد تک ایک زمانے میں یہ نظریہ قابلِ قبول تھا اور محتاجِ فکر بھی تھا کہ انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جب تک ہندوستان میں بسنے والی قومیں متحد ہو کر کوشش نہ کریں تو انگریز سے آزادی کے حصول ممکن نہ ہوگا، اس حد تک یہ بات کچھ سمجھنے کے قابل بھی تھی لیکن جب ہندو کا یہ طرزِ عمل تاریخ میں سامنے آ گیا تو اب یہ پردہ نظروں کے سامنے سے ہٹ گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے دین کا، اپنے حقوق کا ہندوستان کی زمین کے اندر تحفظ کر سکیں گے، اس بناء پر حضرت شیخ الاسلام کو اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصیرت کا مقام حاصل ہوا کہ پاکستان کے حصول کیلئے وہ کھڑے ہوئے اور حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریکِ پاکستان میں شرکت کی اور مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی۔

حقیقت میں حضرت شیخ الاسلام کا یہ جذبہ اور ان کی یہ جدوجہد کوئی نئی نہیں تھی بلکہ یہ بات تو وہ تھی جو حضرت مولانا محمود حسن اپنی زندگی میں کرنا چاہتے تھے۔ اس چیز کے لئے ایک نظامِ عمل مرتب کر لیا تھا۔ افغانستان، ایران اور ترکی یہ تینوں مل کر انگریز کا مقابلہ کریں اور جہاد کر کے ان کی سلطنت کو تہہ و بالا کر دیا جائے تو حضرت شیخ الہندؒ کی جو یہ تحریک اور جذبہ تھا ایک عرصہ گزرنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے اس شاگرد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قلب و دماغ کے اندر اُتارا اور انہوں نے اس منہاج پر قدم اُٹھا کر جدوجہد کی، الحمدللہ ان کی یہ بصیرت تاریخی واقعات کے لحاظ سے اپنی جگہ برحق اور درست ثابت ہوئی، ابتداء میں بعض اکابر علماء کو اس چیز سے اختلاف رہا اور وہ ان کا جو اختلاف تھا وہ دیانت، نیک نیتی پر مبنی تھا، ان کو جو کچھ اختلاف تھا وہ صرف یہ تھا کہ اس طرح اگر اسی مشترک جدوجہد سے ہٹ کر ایک خاص مملکت کا مطالبہ شروع کریں گی اور اس کے لئے کوششیں شروع کریں گے تو کہیں انگریز سے آزادی کے حاصل ہونے میں کوئی رُکاوٹ پیدا نہ

ہو جائے مگر اس نظریے اور جذبے سے کوئی اختلاف کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بات غلط نہیں تھی لیکن ان حضرات کا اختلاف قیامِ پاکستان سے قبل رہا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ مملکت اسلامی عطا فرمادی اور پاکستان قائم ہو گیا اور میں قیامِ پاکستان کے بعد تقریباً دو سال اور چھ ماہ تک وہیں رہا اور دیوبند اور دوسرے علاقوں میں بھی آنا جانا ہوتا تھا۔ وہ حضرات جو اس چیز میں ابتداء میں اختلاف کرتے تھے، پاکستان کے قیام کے بعد وہ پاکستان کے کھلے دل سے حامی اور اپنی خلوتوں میں دعائیں کرنے والے تھے، اپنی مجلسوں میں اس بات کی حمایت کھلے دل سے کرتے تھے، مثلاً میں نے مولانا حفیظ الرحمٰن کو دیکھا، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی تقریریں سنیں، قیامِ پاکستان کے بعد ان کی تقریروں سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان کے سب سے بڑے حامی ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی برملا ہندوؤں کو ڈانٹا کرتے تھے۔ پٹیل کے مقابلے میں ان تمام ظلم و تشدد کی باتوں کو روکا کرتے تھے جو مسلمانوں پر ہونے لگی تھیں۔

حضرت شیخ الاسلام عثمانیؒ کی سیاسی بصیرت بڑی عظیم اور بلند پایہ تھی جو چیز حضرت شیخ الہندؒ چاہتے تھے حضرت شیخ الاسلام نے اسی آرزو کی تکمیل کی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اور قائداعظم کی سیاسی قیادت میں اس منزل کو حاصل کیا، چنانچہ یہ پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کی صورت میں حاصل ہو گیا

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوال بھی بہت اہم ہے، اس سوال پر ہمیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور اس کے جواب کو بھی بڑے تدبر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے، اس وقت تو یہ چیز سامنے آئی اور تاریخ اس کا پورا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ۱۹۴۵ء میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس میں بصیرت کی بناء پر اب ہمارا ہندوؤں کے ساتھ شرکت کا مسئلہ مفید نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنی زندگیوں اور اپنے حقوق کا تحفظ کر سکتے ہیں اور نہ ہی دین اسلام کا۔ انہوں نے قیامِ پاکستان اور تحریکِ پاکستان کے لئے اعلان کیا اور مسلم لیگ کی

شرکت کے لئے فتوئی جاری فرمایا، ایک پیغام کے ذریعے مسلمانوں کو اس کی دعوت دی تھی، اس وقت جو تمام مکاتب فکر کے حضرات اکابر تھے۔ انہوں نے اس چیز کو نہیں دیکھا کہ یہ داعی کون ہے، انہوں نے دیکھا دعوت کیا ہے تو اس چیز کی وجہ سے ان کے حوصلوں اور وسعت و بلندی کی وجہ سے پیر جماعت علی شاہ حضرت شیخ الاسلام کے جلوس میں شرکت کرنے لگے اور مولانا ابوالحسنات بھی آنے لگے مگر مولانا میر داؤد غزنوی بھی مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی بھی حضرات اہل حدیث بھی اور علمائے بریلی بھی سب کے سب تشریف لایا کرتے اور اور شرکت کیا کرتے اور سب دوش بدوش اس گاڑی کو منزل کی طرف لے جانے کیلئے تیار ہو گئے تو ہمیں اس تاریخی ورق سے یہ اندازہ ہوا کہ اصل میں ہر شخص کو جو کہ دینی قیادت کر رہا ہو یا اس پر دینی قیادت کی ذمہ داریاں عائد کر دی جائیں، اس کو اس چیز سے اپنی نظریں بلند کر دینی چاہئیں کہ دین کا اللہ اور اس کے رسول کے یہ پیغام کس طرف سے جاری ہو رہا ہے اور کون اس کا داعی بن رہا ہے، اس بناء پر یہ تمام مکاتب فکر کے مخلصین علماء اکابرامت جو ہیں سب کے سب اس دعوت میں شریک ہو کر متحد و متفق ہو کر اس کام کو آگے لے چلیں، الحمد للہ اس میں بڑی کامیابی ہوئی اور حضرت عثمانیؒ کی وسعت حوصلہ کی یہ بات ہم نے دیکھی کہ ان کی زبان سے کبھی کسی کے بارے میں کوئی اختلافی چیز نہیں سنی، ان کی مجلس میں اور ان کی تقریر میں اور ان کی کتابوں میں کسی بھی طرح کوئی ایسا مواد نہیں ملتا تھا کہ جس سے کسی کو باہمی منافرت اختلاف کی کوئی بو بھی آسکتی ہو یہ ان کی وسعت حوصلہ کی ایک بات تھی جو میں نے سالہا سال ان کے پاس رہ کر دیکھی اور محسوس کی اب اس دور میں بھی مخلصین کی کوئی کمی نہیں ہے، مخلصین ہیں اور اہل علم بھی ہیں لیکن کچھ زمانے کے فساد اور زمانے کے تغیرات میں ایک تغیر یہ بھی آگیا کہ مخلصین جس کام کو کرنا چاہتے ہیں۔

اس میں ان کے ساتھ بعض ایسے عناصر مل جاتے ہیں کہ جو ان کو مکاتب فکر کے اختلاف کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں اور ان کے ذہنوں کو اس بات پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ

ایک پلیٹ فارم پر سب کامل کر متحد ہو کر کوئی کام کرنا ممکن نہیں ہے اور یہ باہر کے عوامل کی ریشہ دوانیاں ہیں، آپ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تو خیر القرون میں بھی اس قسم کی ریشہ دوانیوں سے باہمی منافرت کی مشاجرت کی شکلیں رونما ہو گئی ہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت درحقیقت جو کمی ہے، وہ اس چیز کی وجہ سے ہے کہ ہمیں اس قسم کے مسائل میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اور بعض ایسے عناصر جو ہمیں ایک مرکز پر جمع نہیں ہونے دیتے، ان عناصر کو ہم اپنے میں سے نکال باہر پھینکیں یہ چیز ضروری ہے، اگر ہم ان کی مفسدانہ باتوں کو ان کی خرابیوں کو محسوس نہ کرتے ہوئے ہر مکتب فکر کے مخلصین اپنے بلند حوصلوں کے ساتھ ایک دعوت حق پر جمع ہو جائیں وہ دعوت حق میرے نزدیک اس وقت یہ ہے کہ پاکستان کی بقاء پاکستان کو اسلامی مملکت بنانا پاکستان میں اسلام کا نفاذ اس چیز میں میں سمجھتا ہوں کہ کسی مکتب فکر کے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اس وقت بات چونکہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حوالے سے ہو رہی ہے، اس ضمن میں میں یہ وضاحت ضروری سمجھوں گا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کام میں لگانے والے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے۔ (نوائے وقت)

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

تصانیف کا مختصر جائزہ

ذیل میں آپ کی تصنیفات و مقالات کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

تفسیر عثمانی :

علامہ کے مایہ ناز تفسیری فوائد ہیں جو حضرت شیخ الہندؒ کے اردو ترجمہ قرآن پر لکھے گئے ہیں، اس تفسیر کی ہند و پاکستان اور بیرونِ ہند میں جس قدر شہرت ہوئی اس سے زیادہ اور نہ کسی تفسیر کی ہوئی اور نہ اور کسی کے فوائد کی قدر ہوئی، بہت سے ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ ۹ رذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو لکھ کر ختم ہوئے۔

فتح الملہم شرح صحیح مسلم :

یہ صحیح مسلم کی شرح ہے جو تین جلدوں میں ہے، نہایت محققانہ، نہایت مبصرانہ، نہایت عالمانہ، دنیائے اسلام بالخصوص علماء کیلئے علم حدیث کا زبردست شاہکار ہے، مزید تفصیلات تجلیاتِ عثمانی میں ملاحظہ فرمائیے۔

شرح اردو بخاری شریف :

ایک اور بڑا کارنامہ آپ کا بخاری شریف پر درس کے سلسلے میں بخاری شریف کی وہ اردو کی شرح ہے جو طریقے مضامین کے اعتبار سے علومِ حدیث کا سمندر ہے خطاب اور دیگر مضامین کی تفصیلات بھی تجلیات میں موجود ہیں، اگر اس تحریری کام کا جائزہ لیا جائے تو

یہ بھی بڑی خدمت ہے جو قلمی طور پر آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی کی ہے پھر قرآن کریم کے فوائد تفسیری نہ صرف ہندوستان و پاکستان ہی میں پڑھے جاتے ہیں بلکہ کابل، ایران میں بزبانِ فارسی ترجمہ ہو کر عوام و خواص کو فیض پہنچا رہے ہیں، بعض اور زبانوں میں بھی آپ کے تفسیری فوائد کا ترجمہ ہو چکا ہے اور مسلسل مقبولیت ہو رہی ہے۔

الاسلام :

یہ رسالہ ۱۳۲۸ھ بمطابق اپریل ۱۹۱۱ء میں لکھا گیا جس کو آپ نے مراد آباد کے مؤتمر الانصار میں پڑھ کر سنایا۔

العقل والنقل :

یہ بھی زمانے کے ماحول نے آپ سے لکھایا، تہذیب الاخلاق کے علی گڑھ کے پرچے ملک میں جس قسم کے عقلی اور فلسفی مضامین کے ذریعہ اسلام کے صاف اور سچے معجزات وغیرہ کے خلاف جراثیم پھیلا رہے تھے علامہ نے العقل والنقل لکھ کر اثباتی رنگ میں یہ ثابت کیا ہے کہ عقلِ صحیح اور نقلِ صحیح میں کبھی مخالف نہیں ہو سکتی، یہ سلسلہ مضمون القاسمؒ میں کئی مسلسل نمبروں میں چھپا ہے جس کی تفاصیل تجلیاتِ عثمانی میں تاریخی طور لکھی جا چکی ہیں۔

اعجاز القرآن :

یہ مقالہ دراصل دارالعلوم دیوبند میں ان تقریروں کی تحریری شکل ہے جو علامہ نے طلباء کے سامنے کی تھیں، آپ طلباء کو مناظرے اور تقریروں کے لئے تیار کرنے کے لئے ایسے عنوانات پر تقریریں فرمایا کرتے تھے جو اسلام کے اہم اور نازک مسائل سمجھے جاتے ہیں انہیں مسائل میں یہ بھی مسئلہ نہایت اہم ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام کیونکر ہے، علامہ

موصوف نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم خدا کا ہی کلام ہے۔

الشہاب :

نعمت اللہ قادیانی کو جب ۳۱ راگست ۱۹۲۴ء کو کابل میں شاہ امان اللہ کے حکم سے سنگ سار کیا گیا تو قادیانیوں کی طرف بہت شور مچا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں، آپ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، یہ رسالہ چھپوا کر شاہ امان اللہ کے پاس بھیجا گیا تھا جو ۱۸ رصفر ۱۳۴۳ھ بمطابق ستمبر ۱۹۲۴ء کو لکھا گیا تھا۔

لطائف الحدیث اور معارف القرآن :

اس نام سے جو مضامین القاسم میں چھپے انہوں نے بھی ملک سے خراجِ تحسین لیا القاسم کی تحریروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی فرمائش اکثر و بیشتر علامہ عثمانی کے مضامین کے متعلق ہوا کرتی تھیں۔

القاسم کی قلمی خدمات :

علامہ نے جہاں اپنے قیمتی مضامین سے القاسم کو مالا مال کیا، وہاں اس کی بعض دفاعی خدمات بھی انجام دیں۔ یہ دارالعلوم دیوبند کا ترجمان، تھا اس میں علامہ عثمانیؒ کے بے شمار علمی مقالات شائع ہوئے تھے۔ (ماخوذ حیاتِ عثمانی نمبر، ۱۸ تا ۱۱۴)

حجابِ شرعی :

پردہ نسواں پر علامہ کا یہ نہایت بصیرت افروز رسالہ ہے یہ اس وقت لکھا گیا تھا جب شاہ امان اللہ اپنی بیگم ثریا کے ساتھ یورپ کی سیر کو گئے تھے اور ملکہ ثریا کے بارے میں یہ افواہیں گرم ہوئی کہ انہوں نے شرعی پردہ کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور بالآخر یہ پروپیگنڈہ ان کو معزول کر کے رہا۔ علامہ نے دلائل شرعیہ اور مصلحت عامہ کے ضمن میں پردہ شرعی پر

روشنی ڈالی ہے۔

الدار الآخرۃ :

یہ زبردست مقالہ علامہ عثمانیؒ نے جمعیۃ الانصار کے دوسرے سالانہ اجلاس میں جو میرٹھ میں منعقد ہوا تھا پڑھ کر سنایا۔ علامہ کی یہ زبردست تقریر فلسفیانہ رنگ میں دار آخرت کے اثبات میں ہے۔

سجود الشمس :

حدیث میں ہے کہ سورج شام کو جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جا کر سربسجود ہوتا ہے اور بارگاہ خداوندی میں طلوع سے پہلے عرض کرتا ہے کہ میں اب کہاں سے طلوع ہوں حکم ہوتا ہے کہ مشرق سے تا آنکہ ایک وقت آئے گا کہ اس کو مغرب سے طلوع ہونے کا حکم ہوگا۔ علامہ کا یہ رسالہ اسی موضوع پر محققانہ انداز میں ہے۔

خوارق عادات :

یہ رسالہ علامہ کے علم جدید و قدیم کی وسعتوں کا آئینہ دار ہے جس میں معجزات و کرامات اور قانونِ قدرت کے باہمی تعلق پر عقلی و نقلی حیثیت سے ایک جدید طرز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

سیاسی مکاتیب، خطبات و بیانات :

علامہ عثمانیؒ کو سیاسیات میں گہرا ادراک اور وسیع بصیرت حاصل تھی، ان کے خطباتِ صدارت جو سیاسی جلسوں میں پڑھے گئے وہ آج تک سیاسی پلیٹ فارموں سے گونج رہے ہیں، چند خطبات، بیانات اور مکالمات یہ ہیں :

۱ ترکِ موالات

۲ جمعیت العلمائے اسلام کلکتہ

۳ مراسلاتِ سیاسیہ

۴ مکالمۃ الصدرین

۵ خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ

۶ ہمارا پاکستان

۷ خطبۂ صدارت جمعیت علماء الاسلام کانفرنس لاہور

۸ خطبۂ صدارت ڈھاکہ

۹ قرار داد مقاصد کی تائید

۱۰ خطباتِ عثمانی، یہ علامہ کے سیاسی خطبات ہیں جو پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے مرتب کئے ہیں۔

۱۱ مکتوباتِ عثمانی ؒ، یہ مکاتیب بھی پروفیسر شیر کوٹی نے مرتب کر کے شائع کرائے ہیں۔ (شیخ الاسلام پاکستان)

....

مولانا محمد ثاقب انور

علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اور مسئلہ حیاتِ عیسیٰؑ

سمندر کو کوزے کے اندر سمونا یقیناً ایک مشکل فن ہے۔ یہ ملکہ اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں۔ انہی گنی چنی شخصیات کی صف میں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کا نام بھی سرفہرست ہے، جس کا اندازہ اُن کی تحریرات اور خصوصاً تفسیر عثمانی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یقیناً علامہ صاحب ؒ نے اپنی اس تفسیر میں جابجا مختصر الفاظ میں بہت کچھ سمو دیا ہے۔ اہل علم اور گہری نظر رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ علامہ صاحب نے اپنی اس تفسیر میں جہاں دوسرے موضوعات کو چھیڑا ہے، وہیں اپنے انداز میں منکرین حیاتِ عیسیٰؑ کے اعتراضات کو بھی دفع کیا۔ یہاں قارئین کی دلچسپی کیلئے اس مسئلے کے بارے میں علامہ صاحب ؒ کی تحقیق کو مختصر تشریح کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے، لیکن اُس سے پہلے یہ بات بطورِ مقدمہ ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مسئلہ حیاتِ عیسیٰؑ آپ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے اور علاوہ ازیں متعدد آیات سے اس کے صریح اشارات ملتے ہیں اور اسی مسئلے پر اجماعِ اُمت بھی منعقد ہے، جس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، لیکن منکرینِ حیاتِ عیسیٰؑ ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے قرآن کی ایک آیت کو سہارا بنا کر اپنا عقیدہ ثابت کرتے ہیں، وہ آیت یہ ہے:

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ...... الخ۔

شیخ الہنداس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے

لوں گا تجھ کو اور اُٹھالوں گا اپنی طرف۔ (سورۃ آل عمران:۵۵)

منکرین حیاتِ عیسیٰ مذکورہ آیت میں لفظ توَفّی (جس کے لفظی معنی بنتا ہے وفات) کو بنیاد بنا کر اپنے عقیدے کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لفظ توفّی کی ایسی دلنشین تشریح کی ہے جس کے بعد کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ ذیل میں اُن کی تحقیق کو نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔

لفظِ توفّی کی تحقیق :

لفظِ توفّی کے متعلق کلیاتِ ابوالبقاء میں ہے :

التوفی الاماتة و قبض الروح و علیه استعمال العامة او الاستیفاء و اخذ الحق و علیه استعمال البلغاء۔

ترجمہ: توفّی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا۔

گویا ان کے نزدیک موت پر بھی "توفّی" کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضوِ خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کر لی جاتی ہے۔ اب اگر فرض کرو خدا تعالیٰ نے کسی کی جان بدن سمیت وصول کر لی تو اسے بطریق اولیٰ "توفّی" کہا جائے گا۔

علامہ صاحبؒ کی اس تحقیق کے بعد ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ پھر اہل لغت نے توفّی کا معنی قبضِ روح سی کیوں کیا ہے؟ آگے اسی سوال کا جواب دیتے ہیں۔

لفظِ توفّی کے متعلق اہل لغت کی رائے :

جن اہل لغت نے توفی کے معنی قبضِ روح (یعنی روح کے قبض کرنے) کے لکھے ہیں، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو (یعنی روح کو بدن سمیت اُٹھالینا) کو

"توفّی" یعنی وفات نہیں کہتے اور نہ کوئی ایسا ضابطہ بتایا ہے کہ جب "توفّی" کا فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو، بجز موت کے کوئی معنی نہ ہوسکیں، ہاں چونکہ عموماً قبضِ روح کا وقوع (یعنی واقع ہونا) بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے، اس لئے کثرت و عادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں، ورنہ لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن کو شامل ہے، یعنی لفظِ توفّی لغوی اعتبار سے روح کو بدن سمیت قبض کرنے کو بھی شامل ہے۔

مثال سے وضاحت :

علامہ صاحبؒ کی تحقیق کی وضاحت ایک مثال سے بھی کی جاسکتی ہے، جیسے ہماری زبان اُردو میں عام طور پر لفظِ "انتقال" موت کیلئے استعمال ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجائے تو بعض اوقات اُس کے بارے میں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا یعنی وہ یہاں سے کراچی منتقل ہوگیا، لیکن اکثر و اغلب یہ موت کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ فلاں شخص اس جہاں سے منتقل ہوگیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا استعمال اُس شخص کے بارے میں غلط ہے جو یہاں سے کراچی منتقل ہوگیا، بلکہ اُس کے لئے تو بطریقِ اولیٰ اس کا استعمال جائز ہے، اسی طرح لفظ توفی کو بھی سمجھ لیجئے کہ اس کا معنی وصول کرنے کے آتے ہیں، اور اکثر کے اعتبار سے یہ موت کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اگر یہ اُس شخص کے بارے میں استعمال ہوجائے جس کو اللہ تعالیٰ نے بدن سمیت اُٹھا لیا تو یہ بھی غلط نہیں۔

توفی اور موت میں فرق :

آگے علامہ صاحبؒ وفات اور موت میں فرق بتانے کیلئے ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دیکھئے :

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا"۔ (سورۃ زمر رکوع ۴۲)

ترجمہ : اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان جانوں کو بھی قبض کرتا ہے، جن کی موت ان کے سونے کے وقت نہیں آئی۔ (ترجمہ از حضرت لاہوریؒ)

اس آیت میں "توفی نفس" (یعنی قبض روح) کی دو صورتیں بتلائیں، موت اور نیند۔ اس تقسیم سے نیز توفی کا لفظ "انفس" پر وارد کر کے یعنی جانوں کے قبض کے لئے بتلا دیا کہ "توفی" یعنی وفات اور موت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج (یعنی درجے) ہیں، ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے اور دوسرا درجہ وہ ہے جو نیند کی صورت جیسی ہو۔ قرآن کریم نے (مذکورہ آیت میں) بتلا دیا کہ وہ دونوں کے لئے توفی یعنی وفات کا لفظ استعمال کرتا ہے اور یہ موت کے ساتھ خاص نہیں جیسے قرآن کی ایک اور آیت میں بھی اس کا استعمال نیند کے لئے ہوا ہے۔ ارشاد ہے :

"يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ"۔ (الانعام رکوع:۷)

ترجمہ : اور وہی ہے جو تمہیں رات کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کر چکے ہیں وہ جانتا ہے۔

اب جس طرح قرآن نے دونوں آیتوں میں نیند کے لئے "توفی" کا لفظ استعمال کرنا جائز رکھا، حالانکہ نیند میں روح کا قبض ہونا بھی پورا نہیں ہوتا تو اسی طرح اگر آل عمران اور مائدہ کی دو آیتوں میں "توفی" کا لفظ قبض روح مع البدن (یعنی روح کو بدن سمیت قبض کرنا) کیلئے استعمال کیا تو کون سا استحالہ لازم آتا ہے۔

جاہلیت کے دور میں لفظِ توفی کا استعمال :

حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے اعتقاد میں یعنی قرآن سے پہلے دورِ جاہلیت میں موت کے لئے توفی کا استعمال درست نہ تھا کیونکہ اُن کے

عقیدے کے مطابق موت کے بعد نہ جسم باقی رہتا ہے اور نہ ہی روح، اس لئے اُن کے عقیدے کے مطابق تو موت کے لئے توفی لفظ استعمال کرنا بھی درست نہیں تھا، لہٰذا قرآن مجید نے اُن کے عقیدے پر رد کرتے ہوئے موت کے لئے لفظِ توفی کو استعمال کر کے بتایا کہ موت سے انسان فنا نہیں ہو جاتا، بلکہ اللہ وصولیابی کرتے ہیں اور شاہ صاحبؒ نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ کہیں اس لفظ کا استعمال اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (ماخوذ از ترجمہ قرآن عزیز حضرت احمد علی لاہوریؒ ص:۹)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی آگے اسی تحقیق کو ذکر کیا ہے، تکرار کی وجہ سے یہاں نقل نہیں کیا جاتا، البتہ اُس کا خلاصہ اور نچوڑ بھی یہی ہے۔

آخر میں علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں :

"بہر حال آیت حاضرہ میں جمہور کے نزدیک توفی سے موت مراد نہیں اور ابن عباسؓ سے بھی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے۔ کما فی روح المعانی وغیرہ ۔ زندہ اُٹھائے جانے اور دوبارہ نازل ہونے کا انکار سلف میں کسی سے منقول نہیں، بلکہ "تلخیص الحبیر" میں حافظ ابن حجرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن کثیرؒ احادیث نزول کو (یعنی وہ روایتیں جن میں عیسیٰؑ کے دوبارہ اُترنے کا ذکر ہے) متواتر کہا ہے۔

آخری بات :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی اس مختصر مگر جامع ترین تشریح کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، لیکن پھر بھی اہل علم حضرات علامہ صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ کے رسالہ "عقیدۃ الاسلام" سے ضرور استفادہ کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی
صدر شعبہ علومِ اسلامیہ و مسندِ سیرت جامعہ بلوچستان کوئٹہ

شارحِ حدیث، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اسمِ گرامی برصغیر پاک و ہند کے اہلِ علم بلکہ عوام کے لئے بھی محتاجِ تعارف نہیں (۱) کیونکہ آپ صرف ایک عالم، مفسر اور محدث و متکلم ہی نہیں، بلکہ ایک شعلہ بیان مقرر اور تحریکِ پاکستان کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں شامل تھے۔ پاکستان کا پرچم سب سے پہلے آپ ہی نے لہرایا۔(۲)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۱۰ر محرم ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۵ء ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم مولانا فضل الرحمٰن اپنے زمانہ کے فاضل، اُردو ادب کے ماہر اور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ پینشن لینے کے بعد وہ دیوبند میں مقیم ہوئے (مولانا عثمانیؒ کا اصل وطن دیوبند ہی تھا اور اسی شہر کے معزز عثمانی خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ بجنور میں آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد محترم بسلسلۂ ملازمت وہاں تعینات تھے) دیوبند میں دارالعلوم کے قیام و استحکام میں مولانا محمد قاسم کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۲۵ھ تک انہوں نے بیالیس (۴۲) سال تک دارالعلوم کی خدمات انجام دیں۔(۳)

علامہ شبیر احمدؒ کے والد نے آپ کا نام فضل اللہ رکھا جو بعد ازاں شبیر احمد غالباً عشرہ محرم کی پیدائش کی مناسبت سے ہوگا اور یہی نام مشہور رہا۔ ۱۳۱۲ھ یعنی سات سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم دیوبندی کے سامنے بسم اللہ ہوئی اور ۱۳۱۹ء سے دیوبند میں عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۳۱۴ھ/ ۱۹۰۸ء میں دورۂ حدیث کے تمام طلباء میں اوّل رہ کر فراغت حاصل کی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم ہی میں درس دیتے رہے۔ بعد ازاں مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔ ۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ کو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ تاہم آپ کی اولاد کوئی نہ تھی۔ ۱۳۲۸ھ میں آپ نے اپنا مکان وغیرہ فروخت کر کے حج کیا اور ۱۳۴۴ھ میں شاہِ حجاز کی دعوت پر جمیعۃ العلماءِ ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر گئے اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں دیوبند سے الگ ہو کر پھر ڈابھیل والوں کی دعوت پر وہاں کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ بیماری کی وجہ سے پھر دیوبند آ کر مقیم ہو گئے۔(۴) جمیعۃ العلماءِ اسلام کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ملک بھر کے دورے کئے۔ پاکستان بننے پر ۶ر اگست ۱۹۴۷ء کی دوپہر کو دیوبند سے افتتاحِ پاکستان کی تقریب میں حصہ لینے کے لئے کراچی تشریف لائے۔ قائد اعظمؒ آپ کی شخصیت اور خدمات کے اس قدر معترف تھے کہ اُنہوں نے چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں پاکستان کی پرچم کشائی کے لئے مولانا عثمانیؒ کا انتخاب کیا۔ آپ نے تلاوتِ کلامِ پاک اور مختصر تقریر کے بعد آزاد پاکستان کا پرچم لہرایا تو پاکستان کی مجاہد افواج نے پرچم کو سلامی دی۔ صدیوں بعد برصغیر پاک و ہند میں اسلامی شوکت و سطوت کا پرچم لہرایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس شرف سے ایک ممتاز عالمِ دین مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو نوازا۔(۵) قیامِ پاکستان کے بعد آپ کراچی میں ہی مقیم ہو گئے۔

سانحۂ انتقال :

۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو ریاست بہاولپور کے وزیر اعظم کی درخواست پر جامعہ عباسیہ (اب جامعہ اسلامیہ بہاولپور) بہاولپور کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے بہاولپور تشریف لے

گئے۔ وہیں طبیعت ناساز ہوئی اور اسی علالت میں ۱۳ر دسمبر ۱۳۶۹ھ بروزِ منگل صبح ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر چونسٹھ (۶۴) سال ایک ماہ بارہ یوم کی عمر میں یہ آفتابِ علم وفضل ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ میت بغداد الجدید بہاولپور سے کراچی پہنچائی گئی، جہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو کراچی میں سپردِ خاک کر دیے گئے۔(۶)

معروف اساتذہ :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے یوں تو کئی اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا لیکن ان میں آپ کے سب سے بڑے استاد اور مربی شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اسیر مالٹا تھے۔ منطق و فلسفہ میں آپ مولانا غلام رسول سرحدیؒ کے شاگرد تھے، جن کا شمار دارالعلوم دیوبند کے اعلیٰ مدرسین میں ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ حکیم محمد حسن اور مولانا محمد یٰسین شیر کوٹی بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ خصوصی طور پر آپ کے بڑے مداح تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ :

"مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مولانا محمد قاسم مرحوم کی تصانیف کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مولانا سید مرتضیٰ حسن سے کہا کہ مولوی شبیر احمد عثمانیؒ کو چونکہ مولانا محمد قاسم مرحوم کی کتابوں سے ایک خاص مناسبت ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنا عمامہ میں اُن کو دوں، آپ اس امر کا اعلان فرمائیں۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا کی اس قدر افزائی کا اعلان فرمایا۔ اُس کے بعد حضرت سلطان العلماء (مولانا محمود حسن صاحبؒ) سے اجازت لے کر مولانا اشرف علی صاحبؒ نے اپنا عمامہ مولوی شبیر احمد صاحب کے سر پر رکھا"۔(۷)

مولانا تھانویؒ روحانی اور علمی سطح پر اپنا جو مقام رکھتے تھے، اُس کے حوالے سے

اُن کا مولانا عثمانیؒ کے سر پر اپنا عمامہ رکھنا بہت بڑا روحانی اور علمی اعزاز ہے۔ اسی طرح گویا آپ کو مولانا تھانویؒ سے بھی خصوصی فیض حاصل ہوا۔

معروف تلامذہ :

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، سید مناظر حسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، قاری محمد طیبؒ، مولانا اظہر علی ساجیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔(۸)

تصانیف :

اگرچہ مولانا عثمانیؒ کی تصانیف میں تفسیر عثمانی خاص اہمیت کی حامل اور بہت معروف رہی، مگر حدیث میں "فتح الملہم" "شرح صحیح مسلم اور "فضل الباری" شرح صحیح بخاری مقالے کا خصوصی موضوع ہوں گی۔ تفسیر اور حدیث کی ان گرانقدر تصانیف کے علاوہ تالیفاتِ عثمانیؒ (مجموعہ مقالات جس میں گیارہ مقالات شامل ہیں) اور مختلف رسائل و جرائد میں شاملِ مضامین و مقالات بھی قابلِ ذکر ہیں۔(۹) خطبات اور مکتوبات ان کے علاوہ ہیں۔(۱۰)

علامہ عثمانیؒ اور خدماتِ حدیث :

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک ایسی جامع الصفات اور ہمہ جہت شخصیت تھے کہ آپ کو مفسر، متکلم، محدث، مدرس، مصنف، محقق بھی القاب سے نوازا گیا اور بلاشبہ آپ ہر میدان کے شہسوار تھے۔ صرف تصنیف و تالیف اور درس و تدریس ہی نہیں، میدانِ سیاست و قیادت اور خطابت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔(۱۱) تاہم علمِ حدیث سے آپ کو جو خصوصی

نسبت تھی، اُس کا شاہکار آپ کی شروحِ مسلم و بخاری ہیں۔ تاہم آپ کی ان گرانقدر تصانیف کا تذکرہ کرنے سے پہلے علم حدیث سے آپ کی نسبت اور تدریسی خدمات کا تذکرہ لاحاصل نہ ہوگا۔

علمِ حدیث سے خصوصی نسبت اور رغبت :

علامہ عثمانیؒ کو غالباً دورانِ تعلیم ہی علمِ حدیث سے خصوصی نسبت ہوگئی تھی۔ آپ کی تعلیم کا آخری سال جسے دورۂ حدیث کا سال کہا جاتا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے، کیونکہ آپ نے اس سال درجہ حدیث میں تمام طلباء میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ نیز آپ نے طالب علمی کے دوران حدیث کی جن کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اُن میں بخاری شریف، مسلم شریف، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، نسائی اور شمائل ترمذی شامل ہیں۔ حدیث میں آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ خود مولانا محمود حسنؒ نے حدیث مولانا محمد قاسمؒ سے اور انہوں نے شاہ عبدالغنیؒ سے پڑھی۔ تا آنکہ یہ سلسلۂ حدیث حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچ جاتا ہے۔ (۱۲)

تدریسِ حدیث :

علامہ عثمانیؒ نے ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۸ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند ہی میں تعلیم دینا شروع کی اور غالباً اسی سال مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہوکر چلے گئے اور ۱۳۲۸ھ میں واپس دیوبند بلا لئے گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس دوران بھی آپ کی زیادہ تر وابستگی درسِ حدیث سے رہی ہوگی۔ (۱۳) تاہم شیخ الہند مولانا محمود حسن ۱۳۳۳ھ میں جب حج کے لئے روانہ ہوئے (اور اسی سفر میں گرفتار ہوکر اسیر مالٹا بھی رہے۔ بعد ازاں ۱۳۳۸ھ میں واپس آئے اور صرف ایک سال بعد ہی ربیع الاول

۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں انتقال فرماگئے) تو مولانا عثمانیؒ اُن کی عدم موجودگی میں مسلم شریف پڑھاتے رہے اور شیخ الہندؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۴۴ھ تک دارالعلوم دیوبند میں درسِ مسلم کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں ڈابھیل میں بھی پہلے درسِ مسلم شریف اور پھر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد جب آپ صدر مدرس مقرر ہوئے تو تدریسِ بخاری کا سلسلہ بھی آپ سے متعلق ہوگیا۔ مولانا محمد یحییٰ صدیقی متعلمی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ :

شاہ صاحب کی جگہ پہ تدریسِ بخاری کی ذمہ داری کوئی معمولی ذمہ داری نہ تھی۔ علامہ عثمانیؒ کی تدریسی زندگی کا یہ دور ایسا تھا کہ اس کو مشکلاتِ بخاری کے حل اور علوم و معارف کے بیان کا سنہرا دور کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ درسِ بخاری کے پہلے ہی سال حضرت ممدوح نے ایک فاضل تلمیذ کو اہتمام کے ساتھ تقریرِ بخاری کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم فرمایا اور پھر سالہا سال تک تقاریرِ بخاری کے ان منضبط شدہ مضامین پر نظر ثانی فرماتے رہے"۔ (۱۴) آپ کی یہ تقاریر اب فضل الباری کے نام سے طبع ہوچکی ہیں، جس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات پر ہوگا۔

شروحِ حدیث :

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کی اشاعت و حفاظت میں اس خطے کے علماءِ کرام نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ صحاح ستہ کے عربی میں متعدد حواشی اور اُن پر تقاریر کے علاوہ مستقل شروح کتب حدیث علماء ہند و پاک کا امتیاز ہے۔ یہاں تک کہ علامہ رشید رضا مصری کو مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں لکھنا پڑا :

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزّوال ۔

"اگر ہمارے برادران علماءِ ہندوستان نے اس زمانہ میں علوم حدیث پر توجہ نہ کی

ہوتی تو اس علم کے زوال کا فیصلہ ہو چکا ہوتا''۔(۱۵)

ہندوپاک کے انہی اہلِ علم میں ایک منور و درخشاں نام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا کہ بخاری اور مسلم دونوں پر آپ کی شروح نے قبولِ عام حاصل کیا اور اہلِ علم نے دونوں کتب کا خراجِ تحسین پیش کیا۔ اب ہم دونوں پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

فتح الملہم شرح صحیح مسلم (عربی)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو جس کتاب نے محدث کی حیثیت سے عالمِ اسلام میں متعارف کرایا، وہ صحیح مسلم شریف کی یہی شرح بعنوان 'فتح الملہم' ہے۔ اگرچہ تفسیر عثمانی کے قبولِ عام کی وجہ سے زیادہ تر آپ کی شہرت بطورِ مفسر ہے، مگر حقیقتاً آپ کی مناسبتِ طبع اور رغبتِ حدیث نیز خدماتِ حدیث کی وجہ سے مفسر سے بھی بڑھ کر جو لقب آپ کو زیب دیتا ہے، وہ ''محدثِ برصغیر'' آپ کے سوانح نگاروں اور معتقدین نے آپ کو ''محدثِ پاکباز'' اور ''محدثِ یگانہ'' کے القاب سے نوازا ہے۔(۱۶) بلاشبہ فتح الملہم ہی وہ کتاب تھی جس سے علمِ حدیث میں آپ کے مقام و مرتبہ کا تعین ہوا اور عرب و عجم کے مشاہیر اور بڑے بڑے علماء نے اس کے اوصاف و محاسن کا اعتراف کیا، یوں تو کتب احادیث خاص طور پر صحاحِ ستہ کی شروح مختلف ادوار میں لکھی جاتی رہیں۔ ان میں صحیح مسلم کی شروح بھی بعض مشاہیر نے لکھیں، لیکن جامعیت کی حامل کوئی شرح منصۂ شہود پر نہیں آئی تھی۔ فتح الملہم سے پہلے لکھی گئی ساری شروح صرف کسی خاص جہت کا احاطہ کرتی ہیں، مثلاً بعض شارحین نے صحیح مسلم سے متعلق مستخرجات کو جمع کیا اور بعض نے صرف رجال پر تحقیق کی اور بعض نے اس کی سند اور متن پر تبصرہ کرنے والوں کا تذکرہ کیا۔ البتہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ اور اُن کے بعد ابوعبداللہ محمد بن محمد السنوسی کی شروح پہلی شروح سے قدرے زیادہ مفصل اور جامع تھیں۔

تاہم عالمِ اسلام کے نامور اسکالر علامہ زاہد الکوثری (۷) کے بقول:

''سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شرح ایسی ثابت نہیں ہوئی جو تمام اطراف و جوانب سے صحیح مسلم کی وضاحت اور شرح کا حق ادا کر سکے''۔(۱۸)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب (صحیح مسلم) کی خدمت اُن (علامہ عثمانیؒ) سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا۔ اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے اہلِ علم پر احسان کیا''۔(۱۹)

تاہم جب علامہ زاہد الکوثریؒ نے فتح الملہم کو پڑھا تو علامہ عثمانیؒ کو خط لکھ کر مبارکباد پیش کی۔ بعد ازاں رسالہ ''الاسلام'' (قاہرہ مصر) میں تقریظ بھی لکھی جو بہت شرح و بسط سے تحریر کی گئی۔ تاہم خط کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح الملہم شرح مسلم کو پا کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور جس قدر اس کتاب کو پڑھتا گیا میرے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ مولانا آپ حق یہ ہے کہ اس دور میں فخرِ حنفیہ ہیں''۔(۱۹)

فتح الملہم کا ایک خاص اعزاز یہ ہے کہ اس دور میں فقہ حنفی میں مسلم شریف کی یہ پہلی شرح ہے۔ اس سے پہلے احناف میں سے مسلم شریف کی شرح کسی نے نہ لکھی تھی۔ اس لئے مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ فرماتے ہیں:

''بخاری کی شرح تو 'عمدۃ القاری' کے نام سے علامہ عینی حنفیؒ مدت ہوئی لکھ چکے تھے لیکن صحیح مسلم کا قرضہ احناف پر صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ مولانا ہی کی ذات تھی کہ فتح الملہم کے نام سے مبسوط و مستند شرح لکھ کر دنیائے حنفیت سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا''۔(۲۰)

کچھ ایسے ہی الفاظ میں سید سلیمان ندویؒ نے لکھے کہ:

''صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال اُن کو اپنی نوجوانی کے عہد سے تھا۔ صحیح بخاری کی شرح تو احناف میں سے حافظ بدرالدین عینیؒ نے بہت پہلے لکھ کر احناف کی طرف سے حق

ادا کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطۂ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ اس کے لئے مرحوم نے اپنے دست و بازو کو آزمایا"۔ (۲۱)

فتح الملہم شرح مسلم علامہ عثمانیؒ نے کب لکھنا شروع کی۔ اس کے لئے کوئی خاص ماہ و سال تو متعین کرنا مشکل ہے، لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ درسِ مسلم کے ابتدائی دور ہی سے آپ نے لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ غالباً ۱۷-۱۹۱۶ء سے کافی پہلے آپ نے یہ کام شروع کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں :

"مجھے خیال آتا ہے کہ مرحوم ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انجمن اسلامیہ اعظم گڑھ آئے اور شبلی منزل میں میرے ہی پاس ٹھہرے۔ اس وقت اُن کی شرح مسلم کے کچھ اجزاء اُن کے پاس تھے، جن میں قرأت فاتحہ خلف الامام وغیرہ اختلافی مسائل پر مباحث تھے، جن کو جا بجا سے مجھے سنایا"۔ (۲۲)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ مرحوم نے اس کام کا آغاز ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ کیا ہوگا۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ کتاب پانچ جلدوں میں مکمل ہوگی لیکن تقسیم ہند اور مولانا کی عملی سیاست میں بھرپور شرکت کی وجہ سے یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔ پاکستان بنا اور آپ یہاں مستقل مقیم ہو گئے تو مسلسل علالت کی وجہ سے بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ رُک سا گیا اور زندگی نے بھی زیادہ دیر وفا نہ کی۔ چنانچہ صرف تین جلدیں مکمل ہو سکیں۔ پہلی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء دوسری ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کو زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ پہلی دو جلدیں مدینہ پریس بجنور سے طبع ہوئیں اور تیسری مولانا عماد الدین شیر کوٹی کے اہتمام سے تانڈہ پریس جالندھر میں طبع ہوئی۔ جلد اوّل میں ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں اُصولِ حدیث، تدوینِ حدیث و مصطلحات اور اقسامِ حدیث و دیگر متعلقات پر نہایت عمدہ بحثیں کی گئی ہیں۔ آپ نے مسلم کے مقدمہ کی بھی شرح لکھی ہے۔ اس وقت میرے سامنے مکتبہ دارالعلوم کراچی کی شائع کردہ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء کی جلد اوّل ہے۔ یہ بڑے سائز

کے ۲۸۲ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۲۹۶ صفحات کا مقدمہ، ۱۲۰ صفحات کا مقدمہ مسلم کی شرح اور بقیہ صفحات پر کتاب الایمان کی شرح ہے۔ تین جلدوں کا کل کام کتاب النکاح والطلاق تک ہے، جبکہ اس سے آگے کا کام جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی نے چھ جلدوں پر مشتمل تکملہ لکھ کر انجام دیا۔ اس تکملہ کے بارے میں مفتی محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں :

"یہ تکملہ اس لحاظ سے موجودہ تمام شروحِ حدیث میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتا ہے کہ اس میں پچھلی تمام شروح کے اہم مباحث کو نہایت انضباط اور اختصار و جامعیت کے ساتھ مرتب کرنے کے علاوہ موجودہ زمانے کے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے، جو دوسری شروح میں کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔ خصوصاً اقتصادی اور مالیاتی مسائل جو اس زمانے کے پیدا کردہ ہیں، ان پر خوب تحقیقی مباحث اس میں آ گئے ہیں"۔ (۲۳)

تکملہ کے بارے میں پروفیسر مولانا عبدالرحمٰن کشمیریؒ فرماتے ہیں :

"تکملہ کے ممیزات و خصوصیات کے بارے میں مصنف (جسٹس تقی عثمانی) کا نام ہی بڑی ضمانت ہے، اگرچہ ہر مصنف کا اپنا ذوق، مطمحِ نظر اور طرزِ تحریر مختلف ہوتا ہے اور ساتھ ہی زمانے کے تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ نیز کتاب کے اجزاء، موضوع اور مضمون کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود فتح الملہم اور اس کے تکملہ میں کافی مماثلت و یگانگت نظر آتی ہے۔ البتہ بعض اعتبار سے دونوں اجزاء میں قدرے تغایر کا واقع ہونا بالکل فطری بات ہے"۔ (۲۴)

دونوں فاضل محققین کی آراء سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ تکملہ کا انداز اور معیار بھی وہی ہے جو فتح الملہم کا ہے۔ بس اگر کچھ فرق ہے تو صرف عصری تقاضوں اور موضوعات کا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

فتح الملہم کی خصوصیات پر لکھنے کے لئے ایک مکمل مضمون کی گنجائش ہے۔ اس لئے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بیان

کردہ خصوصیات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جسے علامہ انور شاہؒ کے نام نامی سے ایک سند کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

۱۔ حدیث کے وہ مشکل مقامات جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور دوسرے خدائی افعال سے ہے یا وہ دقیق حقیقتیں جو انسانی عقلوں سے بلند ہیں مگر حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں، اُن کی وضاحت اس شرح میں کی گئی ہے۔

۲۔ ہر مسئلہ اور مضمون میں علماءِ کرام کے عمدہ اور منتخب اقوال کو نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ دقیق اور مشکل مسائل کو ایسی مثالوں اور نظائر سے سمجھایا گیا ہے، جن سے بہتر کوئی اور نہیں ہو سکتیں۔

۴۔ چاروں ائمہ کے اقوال معتمد علیہ کتب سے پیش کئے گئے ہیں۔

۵۔ اختلافی مسائل میں مذہب حنفیہ کو نہایت انصاف اور احتیاط سے پیش کیا گیا ہے۔

۶۔ ہر باب سے متعلق بزرگ صوفیاءِ کرام اور عارفینِ عظام کے دوسرے نکات جو شیخ اکبر کی فتوحات اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ سے مل سکے ہیں، نقل کئے گئے ہیں۔

۷۔ موجودہ نئی روشنی کے لوگوں کے شبہات کو جو یورپ کی تقلید میں اطمینانِ قلب کھو چکے ہیں، رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۸۔ ایک باب سے متعلق مختلف کتب میں جو احادیث موجود ہیں۔ حتی الامکان انہیں یکجا کر دیا گیا ہے۔

۹۔ احادیث کی تطبیق میں تا بمقدور کوشش کی گئی ہے تاکہ تعارض نہ رہے۔

۱۰۔ بنیادی مآخذ سے نقول کا موازنہ کر کے اس کتاب کے شایانِ شان خدمت کی گئی ہے۔ (تقریظ فتح الملہم)

اس تقریظ کے آغاز میں مولانا انور شاہؒ نے غالباً انہی اوصاف و محاسن کی بناء پر یہ تحریر فرمایا کہ :

"احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب (صحیح مسلم) کی خدمت اُن (علامہ عثمانی) سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا۔ اس خدمت کی طرف متوجہ ہو کر اُنہوں نے اہلِ علم پر احسان کیا ہے۔ اُنہوں نے ایسی شرح لکھی ہے جو اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی"۔ (۲۵)

کہا جاتا ہے کہ خود شارح یعنی علامہ عثمانیؒ نے بھی فتح الملہم کی خصوصیات کے بارے میں کچھ نکات لکھے ہیں تاہم یہ بات ثابت نہیں کہ یہ ناشر کی طرف سے ہیں یا شارح کی طرف سے۔ البتہ پروفیسر شیر کوٹی صاحب کا موقف یہ ہے کہ "میرا یقین ہے کہ ناشر نے یہ خصوصیات حضرت شارح کی بیان کردہ ہی تحریر کی ہیں"۔ (۲۶)

فتح الملہم کو کم و بیش تمام اہلِ علم نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں ایک زبردست اور دلچسپ بات جسٹس محمد تقی عثمانی نے تحریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں :

"حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع) نے ہی سنایا کہ جب حضرت عثمانیؒ نے صحیح مسلم پر اپنی شہرہ آفاق شرح 'فتح الملہم' تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے، وہاں روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی اور پھر روضۂ اقدس پر بھی اور حرم مکہ میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا کی تھی کہ ...... یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے۔ یا اللہ ! اس کو قبول فرمالیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے"۔

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر آباد ہی کے مصارف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری دنیا میں اپنا لوہا منوا لیا"۔ (۲۷)

فتح الملہم کی شان، طباعت و اشاعت کا پس منظر، علامہ مرحوم کا اخلاص اور علم

حدیث میں آپ کی مہارت اور طبعی مناسبت' یہ سب باتیں روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، اس کے اوصاف و خصائص پر بھی اجمالی تذکرہ درج کر دیا گیا ہے، اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے اور اس کتاب پر الگ سے مضمون لکھنے کی گنجائش ہو تو مزید اوصاف، خصوصیات و ممیزات بھی ورطۂ تحریر میں لائے جاسکتے ہیں۔

اب ہم علامہ صاحب کی دوسری شرح حدیث فضل الباری کا جائزہ پیش کرتے ہیں :

فضل الباری شرح صحیح بخاری (اُردو) :

تدریسِ حدیث کے ذیل میں یہ بات تحریر کر دی گئی تھی کہ جامعہ ڈابھیل ضلع سورت میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد درسِ بخاری کی ذمہ داری بھی آپ کو تفویض کر دی گئی تھی۔ چنانچہ درسِ بخاری کے پہلے ہی سال حضرتِ علامہؒ نے اپنے ایک شاگردِ رشید کو (غالباً یہ ذمہ داری بدلتی رہی اور کئی شاگرد باری باری یہ سعادت حاصل کرتے رہے) اہتمام کے ساتھ تقریرِ بخاری کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم فرمایا۔ بعد ازاں سالہا سال تک تقاریرِ بخاری کے ان منضبط شدہ مضامین میں نظرِ ثانی فرماتے رہے اور حذف و ازدیاد اور ترمیم و اضافہ کے ساتھ تکمیلِ مضامین کے لئے مراجعتِ کتب کی ہدایات لکھتے گئے اور مراجعت کی ہدایت کے ساتھ بعض مقامات پر متعلقہ کتاب کے باب کی نشاندہی بھی فرمادی۔ (۲۸)

علامہ عثمانی مرحوم نے بخاری کی اس شرح کو غالباً اپنے رفیقِ محترم علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی خواہش پر ہی شروع کیا تھا۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں :

"مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی آرزو تھی کہ جس طرح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے قرآن کریم کے فوائد اُردو زبان میں لکھے ہیں، اسی طرح بخاری شریف کے فوائد بھی اُردو

زبان میں اُن کے قلم سے اُمت کے سامنے آئیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ تدریسِ بخاری کے زمانے میں جو علوم و معارف بیان فرماتے تھے اور جس طرح مشکلاتِ بخاری کو فصیح و بلیغ اور شگفتہ زبان میں حل فرماتے تھے، یہ اُن ہی کا حصہ تھا، بلا مبالغہ اس خصوصیت میں اُن کی نظیر نہیں تھی"۔ (۲۹)

علامہ عثمانی مرحوم نے درسِ بخاری کے یہ لیکچرز تحریر تو کروا دیئے، لیکن آپ کی زندگی میں یہ طبع ہو کر منظرِ عام پر نہ آسکے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس بارے میں بھی آپ کے متبنیٰ و داماد مولانا محمد یحییٰ صدیقی لکھتے ہیں :

"مسودات کے حواشی پر مولانا مرحوم نے اپنے قلم سے کچھ ہدایات تحریر فرمائی تھیں، بحث و استدلال کی تشنگی، کسی روایت پر شارحین حدیث میں سے کسی کی وضاحت، اقوال مفسرین، ماہرین علوم نبوت مثلاً شیخ اکبرؒ، امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیم، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرھم کے علمی ذخائر سے رفع ہو سکتی تھی تو علامہ مرحوم نے اس سلسلہ میں مختلف علوم کی کتب کے حوالہ جات کی ہدایت فرمائی۔ گویا اس منضبط شدہ تقریر کی تکمیل ان حوالہ جات پر موقوف قرار دی، اب ان حوالوں کا کھوج لگانا اور عربی عبارتوں کے مضامین کو اُردو میں منتقل کرنا اور پوری صحیح بخاری پر اس خدمت کو انجام دینا آسان کام نہ تھا"۔ (۳۰)

بہرحال شدید محنت اور عرق ریزی کے بعد ۱۹۷۳ء میں یہ شرح بعنوان فضل الباری جلد اوّل منصۂ شہود پر آئی اور ۱۹۷۵ء میں جلد ثانی بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آگئی اور اس کے ساتھ ہی جلد اوّل کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کر دیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس عظیم الشان کتاب کی تکمیل بارہ جلدوں میں ہوگی۔ جلد اوّل کتاب الوحی سے کتاب العلم کے باب نمبر ۳۹ اور حدیث نمبر ۶۵ پر ختم ہوتی ہے، جبکہ جلد ثانی باب نمبر ۵۰ اور حدیث نمبر ۶۶ سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام باب نمبر ۲۴۰ اور حدیث نمبر ۳۲۸ پر ہو رہا ہے۔ اس جلد میں کتاب العلم، کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض اور کتاب التیمم

کے ابواب اوران کی تشریحات ہیں۔ جلد ثالث کی ابتداء کتاب الصلوٰۃ سے ہوتی تھی، مگر نامعلوم وجوہات کی بناء پر یہ کام ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑہ مولانا قاضی عبدالرحمٰن (۳۱) نے اُٹھایا تھا۔ اُنہوں نے نہایت اخلاص، محنت اور جانفشانی سے پہلی دوجلدوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ یہی دوجلدیں ہی اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں، سب سے پہلے اس شرح بخاری کے بارے میں چند مستند اہلِ علم کی آراء، سب سے پہلے کتاب کے مرتب مولانا قاضی عبدالرحمٰن کی رائے :

"جن علمی افادات کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی" کی طرف ہو، اُن کی اہمیت کے لئے حضرت موصوف کا اسمِ گرامی ہی بہت بڑی ضمانت ہے۔ شیخ الاسلام کے ان علمی افادات کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان سے مخالفین اسلام کی پیدا کردہ غلط فہمیاں بڑے مضبوط عقلی ونقلی دلائل سے ختم کی گئی ہیں اور مستند حوالوں اور عقلی شواہد سے ملحدین کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ ان علمی جواہر کی ہر سطر سطوت وعظمت کی آئینہ دار ہے"۔(۳۲)

مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں :

"بلاشبہ علمی حلقوں کے لئے یہ ایک غیر معمولی مژدہ اور بشارتِ عظمیٰ ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کی شرح وتوضیح اپنے وقت کے ایک جلیل القدر مفکر ذکی بے بدل اور بے مثال جید عالم دین کے قلب ودماغ کے راستہ سے ہوکر اُمت کے سامنے آرہی ہے۔ اس لئے اس شرح بخاری کے مقبول ومستند ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا استناد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی" جیسی بلند پایہ ہستی کی طرف ہے"۔(۳۳)

مولانا ماہر القادری منظوم نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

یہ شرح و بیاں اور یہ ابواب و تراجم
اللہ رے ! ہر نکتہ غامض کی وضاحت

کیا سادہ و پرکار ہے اندازِ نگارش
لفظوں میں سموئی ہوئی اُردو کی سلاست
سب جس کو سمجھ جائیں وہ آسان حواشی
اجمال کی تفصیل ہے معنیٰ کی صراحت
ابواب کی تہذیب ، مضامین کی ترتیب
شارح کی بصیرت ہے ، مرتب کی ذہانت
ہر صفحۂ قرطاس ہے فردوسِ معانی
ایک ایک ورق ضابطۂ رشد و ہدایت
(۳۴)

مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ :

"اُردو زبان میں صحیح بخاری کے علوم ومعارف پر پہلی گرانمایہ جواہرات سے معمور تقریر ہے"۔(۳۵)

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں :

"شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی" کی اس تقریر بخاری کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے کیونکہ موصوف کا اسمِ گرامی ہی اس کے مقامِ بلند کی کافی ضمانت ہے۔ یہ تقریر بخاری اُردو زبان میں صحیح بخاری کی بے نظیر شرح ہے اور اس میں بعض مضامین تو ایسے آگئے ہیں جو اس حسنِ بیان اور جودتِ ترتیب کے ساتھ عربی زبان میں بھی نہیں ملتے"۔(۳۶)

معروف اسکالر عبداللہ عباس ندوی لکھتے ہیں کہ :

"اس کتاب (فضل الباری) کے ذریعے دینیات کی سب سے بڑی چوٹی کی عظیم المرتب کتاب کی شرح اس اسلوب سے اُردو میں آگئی ہے جو اسلوب اب تک صرف

عربی زبان کے لئے مخصوص تھا۔ عام مسلمانوں کو اس سے اندازہ ہوگا کہ علماءِ محققین کا درس کتنی وسعت وشمولیت اور دقتِ نظر کا حامل ہوتا ہے"۔(۳۷)

علماءِ محققین کی درج بالا آراء سے فضل الباری کی اہمیت وجامعیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ تاہم چند خصوصیات کا تذکرہ کر دینا مناسب ہوگا۔ پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی نے فضل الباری جلد اوّل کی تقریظ میں تمام تر وہی اوصاف تحریر کر دیئے ہیں جو فتح الملہم کی تقریظ میں درج ہیں۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ فتح الملہم علامہ عثمانی کی خود تحریر کردہ شرح ہے، جبکہ فضل الباری آپ کے لیکچرز ہیں۔ تحریر اور تقریر دونوں ایک جیسے نہیں ہوا کرتے، پھر فتح الملہم عربی میں ہے، جبکہ فضل الباری اُردو میں۔ عربی کا اپنا مخصوص مزاج اور اسلوبِ نگارش ہے، جبکہ اُردو کا مزاج کچھ اور ہے، پھر دونوں کتابوں یعنی بخاری اور مسلم کا بھی اپنا اپنا مزاج ہے۔ دونوں کے مؤلف الگ الگ ہیں۔ اس لئے فتح الملہم اور فضل الباری میں بھی اوصاف وخصوصیات تحریر کرتے ہوئے دونوں کو الگ الگ پرکھنا ہوگا۔ نیز فتح الملہم کے سلسلے میں علامہ زاہد الکوثری، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور خود شارح علامہ عثمانیؒ نے خود بھی بہت کچھ تحریر کیا ہے، مگر فضل الباری کے سلسلے میں سوائے چند تقاریظ اور تبصروں کے اور کوئی مواد دستیاب نہیں۔ نیز عجیب بات یہ ہے کہ یہ تمام تقاریظ اور تبصرے بالکل ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے فضل الباری کی خصوصیات کو پرکھنے اور اُن پر تبصرہ کرنے کے لئے ایک الگ مضمون کی گنجائش تاحال موجود ہے اور یہ کام کسی ایسی شخصیت کی راہ دیکھ رہا ہے جسے خود علم حدیث، مزاجِ بخاری، تراجم بخاری اور شروحِ بخاری پر کامل دسترس حاصل ہو۔

بہرحال ان دونوں جلدوں کو پڑھ کر ایک مبتدی بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ علامہ مرحوم نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک سطر کی تشریح میں علم کے دریا بہا دیئے ہیں۔ صرف اس مسئلہ پر کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کا آغاز تذکرہ وحی سے کیوں کیا ہے؟ فاضل شارح

نے ۱۰ صفحات پر مشتمل ایسے ایسے دلائل دیئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ نیز کتاب الوحی کے پہلے باب "کیف کان بدء الوحی" کی چھ حدیثوں میں ایسے ایسے اسرار و رموز، نکات ولطائف، مصادر وحوالہ جات درج کئے ہیں کہ ۱۳۰ صفحات پر پھیلے ہوئے یہ موتی اور جواہر دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ان میں قرآنی آیات بھی ہیں، حدیث کے فرامین بھی، مفسرین کی توضیحات بھی ہیں اور شارحین کی تشریحات بھی، لغت کے مباحث بھی ہیں اور اعتراضات کے جواب بھی۔

صوفیاء، علماء اور اساتذہ کی آراء بھی ہیں اور شرعِ متن کے اسرار وحکم بھی۔ اختلافِ شرائع اور وحدتِ ادیان کے مباحث بھی ہیں اور آیات واحادیث کی مشابہتوں اور اختلافات کے لطیف رُموز بھی۔ انبیاءِ کرام کے قصص وواقعات سے استدلال بھی ہے اور شافعیہ وحنفیہ کے اختلافات پر جامع تبصرہ بھی۔ اُصولِ حدیث کی باریک بینیاں بھی ہیں اور سیرتِ طیبہ کی لطف آفرینیاں بھی۔

امام غزالیؒ، مجدد الفِ ثانیؒ، امام شاطبیؒ، ابن خلدونؒ، شیخ اکبرؒ اور علامہ سیوطیؒ کے نظریات پر گفتگو ہو رہی ہے تو کہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ، تو کہیں شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے فرمودات کے حوالے دیئے جا رہے ہیں۔ بہرحال صرف ایک باب کی چھ حدیثوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، فلسفہ، کلام، منطق، تصوف، لغت، اُصولِ حدیث، اُصولِ فقہ، ادیان ومذاہب، غرضیکہ کوئی علم ایسا نہیں رہا جس سے استفادہ نہ کیا گیا ہو۔(۳۸) بس دونوں جلدوں کی یہی صورتحال ہے۔

اندازِ بیان شگفتہ، مربوط اور زبان سہل، تراکیب واصطلاحات قابلِ فہم ہیں۔ امثال ونظائر سے جا بجا توضیح مستزاد ہے۔ ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ حُبِ رسول کا بیان کرتے ہوئے محبت کی ۵ اقسام بیان فرمائی ہیں اور ہر ایک کی وضاحت بھی کی ہے اور عجیب وغریب مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ مثلاً انہوں نے محبت کی ایک قسم کا نام "حبِ احسانی" رکھا

ہے اور اس کی تشریح فرماتے ہوئے ایک تاریخی واقعہ بھی بطورِ مثال پیش فرمایا ہے۔

"کبھی منشاء میل و محبت محسن کا احسان ہوتا ہے کیونکہ 'الانسان عبد الاحسان'

یہ تجربہ کی بات ہے کہ اسبابِ محبت میں سے احسان ایک اہم سبب ہے۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید اور آپ کے وزیر جعفر برمکی کا واقعہ ہے کہ وزیر بہت ہی دانا اور عقلمند تھا۔ بادشاہ نے ایک روز وزیر سے کہا کہ تم کو جو مانگنا ہو، مانگو میں دوں گا۔ وزیر نے کہا کہ حضرت میں یہ دعا مانگتا ہوں کہ آپ میرے لڑکے سے محبت کرنے لگیں، بادشاہ نے تعجب سے کہا کہ یہ بات تو تم نے عقلمندی کی نہیں کی، کیا محبت کوئی اختیاری چیز ہے کہ میں تمہارے لڑکے سے محبت کرنے لگوں۔ وزیر نے کہا کہ منشاء وسبب اس کا اختیاری ہو سکتا ہے، آپ میرے لڑکے پر احسانات کرتے رہیے، لامحالہ اس کے دل میں آپ کی محبت پیدا ہوگی اور وہ آپ سے محبت کرے گا تو پھر آپ کے دل میں بھی اس کی جگہ پیدا ہوگی۔ اس عقلمندی پر مامون بہت خوش ہوا۔

الغرض احسان و ہمدردی باعث و منشا ہوتا ہے۔ میلانِ قلب اور محبت کا اور چونکہ احسان و ہمدردی کرنا ایک اختیاری فعل ہے، اس لئے یہ محبت بھی اختیاری ہوگی۔ آسانی کے لئے اس کا نام حبِ احسانی رکھ لو"۔ (۳۹)

درج بالا اقتباس سے جہاں علامہ مرحوم کی جودتِ طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہاں ذہنی اختراع اور برمحل تشریح کی صلاحیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ تاریخی واقعات کا شعور بھی جھلکتا ہے اور لیکچر کے اندازِ تکلم کی اثر آفرینی بھی مترشح ہوتی ہے۔ فضل الباری میں بے تحاشا تشریحات اور امثال و نظائر و واقعات کا جا بجا تذکرہ غالباً اس لئے بھی ملتا ہے کہ بنیادی طور پر تحریر نہیں بلکہ تقریر ہے اور تقریر بھی کسی جلسے کی نہیں بلکہ حدیث کے لیکچرز ہیں اور سامنے شاگرد بھی معمولی درجہ کے نہیں، کہیں ادریس کاندھلویؒ بیٹھے ہوں گے تو کہیں عزیز الرحمٰنؒ، کہیں مفتی شفیعؒ ہوں گے تو کہیں مناظر احسن گیلانیؒ، کہیں بخاری شریف کا

درس ہوگا اور کہیں دیوبند و ڈابھیل کی فضاؤں میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونج رہی ہوں گی۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں فضل الباری کے لیکچرز مدوّن ہوئے۔ ہر صفحہ "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست" کی تصویر ہے۔ فضل الباری اگر تحریر ہوتی تو شاید اس قدر دلچسپی اور اثر آفرینی کی حامل نہ ہوتی۔ یہ بھی شاید منشائے ایزدی ہی تھا کہ اہل علم اور عوام الناس سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ علامہ عثمانی مرحوم "درسِ حدیث" میں کیا مقام رکھتے تھے اور بطورِ مدرّس کتنے اثر آفریں لیکچرز عطا فرماتے تھے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر بڑا عالم کامیاب اور مؤثر استاد بھی ہو۔

مفسرِ قرآن، مصنف فتح الملہم اور شارح بخاری علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پر گفتگو نا تمام ہے۔ تاہم اس مضمون میں اتنی ہی گنجائش تھی۔ اختتام دار العلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مرحوم کی اس تحریر پر کیا جا رہا ہے جو علامہ عثمانیؒ اور ان کی خدمات پر ایک جامع تبصرہ ہے:

"علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم بھی علماءِ دیوبند کے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جنہوں نے قرآن و حدیث کی بے مثال خدمت درس و تدریس، شرح و تفسیر اور وعظ و ارشاد کی شکل میں انجام دی۔ ترجمہ شیخ الہند پر اُن کے حواشی اور صحیح مسلم کی فقید المثال شرح فتح الملہم، عرب و عجم سے خراجِ تحسین پا چکے ہیں۔ فضل الباری حضرت عثمانیؒ کی تصنیف نہیں بلکہ درسی تقریر اور امالی بخاری شریف کا مجموعہ ہے، جسے علامہ مرحوم کے ایک شاگرد نے درسِ بخاری کے دوران قلمبند کیا اور پھر صاحبِ تقریر نے نظر ثانی بھی فرمائی۔ علامہ مرحوم نے نہ صرف نظر ثانی کی بلکہ اضافے بھی کیے اور حوالوں کے لئے کتب مراجعت کی نشاندہی بھی فرمائی۔

حدیث کی شرح و توضیح میں علامہ مرحوم کا خاص انداز ہے۔ کلام و عقائد کے

اختلافی مباحث کی تحقیق میں مکمل استقصاء اور پھر حتی الامکان اختلافات ختم یا کم کرانے والی توجیہات، ہر اہم مسئلہ میں علماءِ تحقیق کے معرکتہ الآراء نظریات و آراء کے اقتباسات یا تلخیص، اسرارِ شریعت کی نشاندہی، راویانِ حدیث کے مختصر حالات اور پھر ان کی جرح و تعدیل، اسنادی مباحث سے تعرض، غریب الحدیث کا حل، مذہب احناف کی مکمل تحقیق و ترجیح اور ان سب باتوں کے علاوہ اپنے اکابر اساتذہ کی عجیب و غریب تحقیقات اور شبہاتِ قدیمہ کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے نئے مسائل اور شبہات کی روشنی میں ہر قسم کے شبہات کا قلع قمع اور دلائلِ نقلیہ کے ساتھ عقلی شواہد جسے عقل اور وجدان سلیم خود بخود قبول کر سکیں اور یہ سب کچھ بیان و توضیح کے اس خاص ملکہ کے ساتھ جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا"۔(۴۰)

حواشی و حوالہ جات

(۱) رُکنیت دستور ساز اسمبلی، قراردادِ مقاصد کی تیاری و منظوری، قائداعظم کی نمازِ جنازہ، سلہٹ اور سرحد میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تحریکِ پاکستان کے لئے دن رات ایک کر دینا اور پھر پاکستان کا شیخ الاسلام (یہ اعزاز بعد میں آج تک کسی کو نہیں ملا) مقرر ہونا ہی اس بات کا گواہ ہے کہ پاکستان کے ہر پیر و جواں کو علامہ صاحب سے کماحقہٗ واقفیت ہونی چاہئے۔ تحریک پاکستان میں آپ کا کردار بہت نمایاں ہے۔

(۲) تفصیلات کے لئے سید عبدالصمد پیرزادہ کا مضمون "علامہ شبیر احمد عثمانی اور تحریک پاکستان (۱۹۴۰ء، ۱۹۴۷ء)" مطبوعہ سہ ماہی فکر و نظر، اپریل جون ۱۹۸۹ء ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد۔

(۳) عبدالرشید ارشد "بیس بڑے مسلمان" مکتبہ رشیدیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۴۵۔

(۴) ایضاً

(۵) حکیم آفتاب احمد قرشی "شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی" مطبوعہ اردو ڈائجسٹ آزادی نمبر ۱۹۹۴ء ص ۱۰۱۔

(۶) پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی "تجلیاتِ عثمانی" ادارہ نشر المعارف ملتان، ۱۹۵۷ء ص ۱۵۔

(۷) روداد مؤتمر الانصار مراد آباد (سوانح شیخ الاسلام فضل الباری جلد اوّل ص ۳۸)
(یہ واقعہ جمعیۃ الانصار دیوبند کی ایک نصابی کمیٹی کا ہے جس میں دار العلوم کے نصاب کی اصلاح اور مولانا محمد قاسم کی کتابیں پڑھانے کا ایجنڈا زیر غور تھا۔ مولانا تھانویؒ اس مجلس کے سرپرست تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ عثمانی مدرسہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی جمعیۃ الانصار کے ناظم تھے۔ انہوں نے ہی روداد میں یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے)

(۸) حافظ محمد اکبر شاہ بخاری "اکابر علماءِ دیوبند" لاہور کراچی (ادارہ اسلامیات) جنوری ۱۹۹۹ء ص ۱۰۴۔

(۹) "تالیفاتِ عثمانی" کے نام سے گیارہ مقالات کا مجموعہ ادارہ اسلامیات لاہور نے صفر ۱۴۱۱ھ/ستمبر ۱۹۹۰ء میں شائع کیا ہے، اگرچہ اس مجموعہ میں مختلف موضوعات مثلاً "اسلام کے بنیادی عقائد"، "اسلام اور معجزات"، "اعجاز القرآن"، "الروح فی القرآن"، "المعراج فی القرآن"، "العقل والنقل"، "ہدیہ سنیہ"، "تحقیق الخطبہ"، "سجود الشمس"، "مسئلہ تقدیر" اور "الشہاب الرجم الخاطف المرتاب" شامل ہیں، جنہیں ۵۶۸ صفحات پر یکجا شائع کیا گیا ہے، مگر ٹائٹل پر علامہ صاحب کے نام کے ساتھ جو لاحقہ درج ہے، "محدث دار العلوم دیوبند" ان کے علاوہ بھی مولانا کے کئی مضامین دیگر رسائل و جرائد میں شائع ہوئے۔

(۱۰) "خطبات و مکتوباتِ عثمانیؒ" کے نام سے ادارہ دار الشعور لاہور نے ۲۷۲ صفحات

پر شائع کیا ہے۔ مرتب ہیں ابوحمزہ قاسمی اور سنِ اشاعت ہے جون ۱۹۹۹ء۔ اس میں مرتب نے اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب ''پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی'' کی تصانیف کی خوشہ چینی سے مرتب کی ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا کے ۱۱ خطبات، ۴۲ بیانات اور ۱۶ سیاسی مکتوبات شامل ہیں۔

(۱۱) مولانا عثمانی کے ہم عصر رفقاء نقاد اور سوانح نگاروں نے مولانا کی ہمہ جہت شخصیت کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً علامہ انور شاہؒ نے لکھا ''علامہ عصر خود مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ محدث و مفسر و متکلم این عصر اند''۔ (تقریظ فتح الملہم)

آپ کے انتقال پر مفتی کفایت اللہؒ نے مدرسہ امینیہ کے تعزیتی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مولانا مرحوم وقت کے بڑے عالم، پاکباز، محدث، مفسر اور خوش بیان مقرر تھے''۔ (اخبار الجمعیۃ، دہلی، ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

''موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہم سے ایک متبحر عالم، ایک متقی انسان اور ایک سچے مسلمان کو جدا کر دیا اور ہمیں اسلامی معاشرے کی تنظیم و تشکیل میں اُن کے گرانقدر مشوروں سے محروم کر دیا۔ اس وقت درماندہ انسانیت کو رہنمائی اور قیادت کے لئے اُن کی سخت ضرورت تھی۔ مولانا مرحوم کی شخصیت علم اور وسیع النظری کا مجموعہ تھی''۔

(زمیندار ۱۷ دسمبر ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے مولانا کی وفات پر اپنے اخبار 'صدق' میں تحریر فرمایا:

''استاذ العلماء علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا غم آج

سارے عالم اسلامی کا غم ہے۔ تھانویؒ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی۔ اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش تقریر، واعظ، محدث، مفسر، متکلم سب ہی کچھ تھے''۔ (صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء)

(۱۲) پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، تجلیاتِ عثمانیؒ، ص ۲۰۶۔

(۱۳) تجلیاتِ عثمانی کے فاضل مصنف نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ علامہ عثمانی ۱۳۲۶ء ہی سے تدریس حدیث سے وابستہ تھے، کافی حوالے دیئے ہیں، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دورانیہ یعنی ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک (شیخ الہندؒ کی روانگی حج) تک آپ باقاعدہ درسِ حدیث سے وابستہ نہ تھے بلکہ کبھی کبھار حدیث کی کوئی کتاب پڑھاتے ہوں گے۔ شیخ الہند کی روانگی کے بعد البتہ آپ مستقل طور پر مسلم شریف پڑھانے لگے۔

(۱۴) مولانا محمد یحییٰ صدیقی ''فضل الباری کا منظر اور پس منظر'' آغاز فضل الباری شرح اُردو صحیح بخاری جلد اوّل' الرابطۃ العلمیہ کراچی، نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۔

(۱۵) پروفیسر مولانا محمد اشرف (صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور) ''دیوبندی مدرسہ فکر'' مطبوعہ ماہنامہ الرشید لاہور کا دار العلوم دیوبند نمبر، مرتبہ عبدالرشید ارشد، جلد ۴، شمارہ ۲، ۳ فروری، مارچ ۱۹۷۶ء ص ۸۰ (محمد فواد الباقی، مفتاح کنوز السنۃ، قاہرہ، ۱۹۳۴ء، مقدمہ)

(۱۶) مولانا محمد میاں نے آپ کی تفسیری خدمات کی وجہ سے آپ کو ''مفسر اعظم'' کا خطاب دیا، جبکہ مفتی کفایت اللہ آپ کو آپ کے مقامِ حدیث کی وجہ سے ''محدثِ پاکباز'' کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے، جبکہ فضل الباری شرح صحیح بخاری میں ''محدثِ یگانہ'' کے لقب سے آپ کو ملقب کیا گیا ہے، ویسے آپ کے دیگر خطابات اور القاب میں شیخ الاسلام، علامہ عصر، قاسمِ ثانی، متکلمِ عصر و خطیبِ اُمت اور محقق روزگار وغیرہ سے جیسے بہت سے اعزاز شامل ہیں۔

(۱۷) علامہ زاہد الکوثری استنبول (ترکی) کے رہنے والے ممتاز عالم تھے اور خلافت

عثمانیہ کے آخری دور میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے۔ مصطفیٰ کمال کے انقلاب کے نتیجے میں آپ کو پہلے سزائے موت دی گئی جو بعد ازاں تاحیات جلاوطنی میں بدل دی گئی، چنانچہ آپ قاہرہ (مصر) میں مقیم ہوگئے اور اپنی بقیہ زندگی مصر ہی میں گزاری۔

(۱۸) الشیخ محمد زاہد الکوثری (المتوفی ۱۳۷۱ھ) ''مقالات الکوثری'' (عربی) کراچی (ادب منزل پاکستان چوک) سبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۲ھ ص ۸۲)

(۱۹) فتح الملہم جلد ۳۔

(۲۰) صدق لکھنؤ دسمبر ۱۹۴۹ء۔

(۲۱) معارف اعظم گڑھ (دار المصنفین) اپریل ۱۹۵۰ء۔

(۲۲) ایضاً ص ۳۰۸۔

(۲۳) مفتی محمد رفیع عثمانی، درس مسلم (افادات) مکتبہ نعمانیہ کراچی ص ۹۴۔

(۲۴) پروفیسر مولانا عبدالرحمٰن کاشمیری، تبصرہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم (غیر مطبوعہ)

(۲۵) پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، تجلیات عثمانیؒ، ص ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳۔

(۲۶) ناشر نے یہ خصوصیات فتح الملہم کے ٹائٹل کے بعد آغاز ہی میں درج کر دی ہیں۔ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی نے ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ تجلیات عثمانی میں ص ۲۲۴ سے ۲۳۴ تک یہ تفصیلات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(۲۷) جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی، اکابر دیوبند کیا تھے؟ ادارۃ المعارف کراچی ۲۰۰۰، ص ۸۷۔

(۲۸) مولانا محمد یحییٰ صدیقی، فضل الباری کا منظر اور پس منظر ص ۲۲، ۲۳۔

(۳۱) مولانا قاضی عبدالرحمٰن مرتب فضل الباری کے مختصر حالات اور تعارف پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی نے فضل الباری کی جلد اول میں تحریر کئے ہیں۔ المختصر دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ عارف باللہ مولوی نور حسین کے فرزند تھے۔ بقول پروفیسر شیرکوٹیؒ ''فن حدیث سے متعلق یہ تحقیقی کام اُن کے مقام

حدیث و تفسیر اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے گہری وابستگی کی نشاندہی کر رہا ہے''۔ فضل الباری کی جلد اول و دوم کی تمام تقاریظ اور آراء میں تمام اہل علم نے قاضی صاحب کو اس کام پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔

(۳۲) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، فضل الباری (حرف آغاز از قاضی عبدالرحمٰن) جلد اول ص ۲۰۔

(۳۳) ایضاً (علمائے کرام کی آراء) ج اول ص ۲۵۔

(۳۴) ایضاً (جذبات منظوم، ماہر القادری مدیر ماہنامہ فاران) ج اول ص ۲۷۔

(۳۵) ایضاً (علماء کرام کی آراء) ج اول ص ۳۲۔

(۳۶) ایضاً ج اول ص ۳۴، ۳۵۔

(۳۷) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، فضل الباری جلد ثانی، الرابطۃ العلمیہ کراچی، ۱۹۷۵ء، تاثر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، صفحہ۔

(۳۸) تفصیلات کے لئے دیکھئے جلد اول صفحہ ۱۱۵ تا ۲۳۳ (کتاب الوحی باب نمبر ۱)

(۳۹) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، فضل الباری، جلد اول ص ۳۲۷ (باب حب الرسول من الایمان)

(۴۰) ایضاً (تاثرات مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک ص ر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۷

سفرِ آخرت

(ادارہ)

مہرِ علم کا غروب

اگر یہ مانتے ہو موتِ عالِم موت عالَم ہے
تو موتِ مُرشدِ کامل کا بولو نام کیا ہوگا ؟

(علامہ عثمانیؒ)

اِس باب کا زیب عنوان شعر حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا طبع زاد ہے جو مرحوم نے عرصہ ہوا حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کے سانحۂ ارتحال پر اس تعزیتی جلسہ میں اپنے فی البدیہہ مرثیہ کے دوران میں پڑھا تھا جو دیوبند میں منعقد ہوا تھا۔ شاہ صاحب مرحوم علماء ومشائخ دیوبند میں ایک فرشتہ سیرت ہستی تھے۔ علامہ عثمانیؒ کو کیا معلوم تھا کہ اِن کا یہ شعر ایک دن خود ان پر بھی بعینہٖ صادق آئے گا۔ بلا شبہ آپ اہلِ پاکستان کے مرشد کامل ہیں جس کے ذریعہ انہیں اپنی جدید مملکت میں اسلامی آئین کی اساس (قراردادِ مقاصد) قائم کرنے کی توفیق قادرِ مطلق نے ارزاں فرمائی۔

یہ کہتے ہوئے زبان گنگ، دل پارہ پارہ اور دماغ مختل ہے کہ "پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام نے وفات پائی، مگر بندہ کی کیا مجال، بادلِ ناخواستہ کہنا پڑتا ہے،

اِنّا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے ساتھ اہل پاکستان پر حضرت شیخ الاسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کردی اور جب حجۃ الاسلام حضرت

العلامہ اپنا فرضِ منصبی انجام دے چکے تو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے، مجلس دستور ساز نے ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء کو قراردادِ مقاصد منظور کی جس کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا۔

جامعہ عباسیہ :

علامہ مرحوم کی اب صرف یہ تمنا تشنۂ تکمیل تھی کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان میں اس کے شایانِ شان ایک ایسی دینی جامعہ یا اسلامی یونیورسٹی بن جائے جو کم از کم جامع ازہر مصر کی ہم پلہ ہو، پاکستان میں ریاست بہاولپور وہ سرزمین ہے جو تاریخِ اسلام کے زرّیں دور یعنی عہد عباسیہ کی مظہر ہے۔ والیٔ ریاست مذکورہ کا سلسلہ نسب عراق عرب کے عباسی شہنشاہوں کو اپنے جلو میں لیتا ہوا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے جا ملتا ہے، جو سرورِ کونین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عمِ محترم ہیں۔ پاکستانی عباسیوں کا دارالحکومت بغدادالجدید ہے، جہاں علومِ دینیہ کی تعلیم، تدریس کیلئے جامعہ عباسیہ کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم ہے، ریاست بہاولپور کے وزیرِ تعلیم عزت مآب مخدوم زادہ حسن محمود صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کو ایک عرصہ سے دعوت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں بغدادالجدید تشریف لائیں اور جامعہ عباسیہ کی تنظیم اعلیٰ پیمانے پر کرنے کیلئے اس کے اعزازی سرپرست بننا قبول فرمالیں۔ یہ دعوت قبول ہوئی۔ علامہ مرحوم ایک عرصہ علیل تھے مگر علمِ دین کی سربلندی کا جذبہ آپ کو کشاں کشاں جمعہ ۹/ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور لے گیا۔ موصوف دارالحکومت بغدادالجدید میں وزیرِ تعلیم کے دولت کدہ بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کے ارشادِ مبارک کے مطابق آپ درجۂ شہادت سے فائز المرام ہوئے ہیں، کیونکہ آپ نے علمِ دین کی راہ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ہے۔

آخری دن :

حضرت شیخ الاسلام کی مبارک زندگی کے آخری لمحات کے متعلق منشی محمد فاضل صاحب (سابق سیکرٹری افغانی سفارت خانہ دہلی) کا بیان مظہر ہے کہ "مجھے ریاست بہاولپور میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے جانا پڑا، جہاں معلوم ہوا کہ جامعہ عباسیہ کے افتتاح کے سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ مخدوم زادہ محمود صاحب وزیر تعلیم کے ہاں تشریف فرما ہیں چونکہ آپ مدت سے بیمار چلے آتے تھے۔ اس لئے موصوف کی عیادت کیلئے بھی مولانا فاروق احمد صاحب شیخ التفسیر جامعہ عباسیہ اور رئیس الاطباء حکیم عبدالرشید صاحب کے ہمراہ حاضرِ خدمت ہوا۔ مولانا فاروق صاحب کی استدعاء پر حضرت علامہ نے حکیم عبدالرشید صاحب کو نبض دکھائی اور فرمایا کہ میری قوتِ ہضم نے عرصہ سے جواب دیدیا تھا جو کھاتا پیتا تھا، وہ ہضم ہوئے بغیر اسہال وغیرہ کی صورت میں خارج ہو جاتا تھا۔ متعدد ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کرانے کے بعد میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے کوئٹہ و قلات گیا۔ اس تبدیلی کا خوشگوار اثر پڑا اور قوتِ ہضم بحال ہوگئی، کمزوری باقی تھی کہ میں نے علاج چھوڑ دیا، پھر ڈاکٹر لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان کے اصرار پر میں نے چیف میڈیکل آفیسر کراچی، ڈاکٹر امیر شاہ سے ٹیکے لگوائے، انہوں نے گولیاں بھی کھانے کو دیں جن سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ میں نے تقریبات میں شرکت ترک کر رکھی تھی کہ جامعہ عباسیہ بہاولپور سے دعوت نامہ پہنچا۔ رفقاء نے مشورہ دیا کہ بہاولپور کی آب و ہوا آپ کے لئے مفید ہوگی۔ میں نے یہ مشورہ قبول کیا اور بہاولپور آکر مخدوم زادہ حسن محمود وزیرِ تعلیمات کے ہاں ٹھہرا، جو میرے بچوں کے مانند ہیں۔ ڈاکٹروں نے مجھے مطالعہ کی ممانعت کر رکھی ہے۔ مگر مطالعہ ہی میرے لئے سکونِ قلب کا سامان ہے۔ کراچی سے روانگی پر ڈاکٹر نے ایک ٹیکہ لگایا اور کہا کہ اس کا اثر ڈیڑھ مہینے تک رہے گا، مگر مجھے اس کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا

میں ڈاکٹری علاج سے مایوس ہو چلا ہوں۔ میں آج ضعف محسوس کر رہا ہوں۔ آپ کے رفیق مولانا بدر صاحب نے کہا کہ ''حضرت! آپ دیر سے مصروفِ گفتگو ہیں، احتیاط فرمائیں''۔ اس پر حکیم عبدالرشید صاحب نے کہا نبض کی صلابت غالباً ٹیکہ سے ہے اگر حضور حکم فرمائیں تو ٹیکے کی میعاد کا انتظار کئے بغیر یونانی علاج شروع کر دیا جائے۔ ان باتوں سے علامہ موصوف کو زیادہ تھکن محسوس ہونے لگی اور آپ رضائی اوڑھ کر بستر پر دراز ہو گئے، ہم لوگ رخصت لے کر چلے آئے۔

آخری لمحات :

اگلے روز یعنی منگل ۱۳ دسمبر کو صبح دس بجے شیخ الاسلام کا بلاوا آیا، چنانچہ ہم لوگ حکیم رشید احمد صاحب کے ہمراہ ان کی کار میں سوار ہو کر مخدوم زادہ صاحب کی کوٹھی پہنچے، وہاں پہلے سے سول سرجن صاحب بھی موجود تھے، اس وقت حضرت علامہ پر شدید ضعف قلب کی کیفیت طاری تھی۔ سول سرجن صاحب سخت پریشان تھے۔ حکیم صاحب نے بھی نبض دیکھ کر اظہارِ تشویش کیا۔ دراصل یہ نزع کا وقت تھا، معزز میزبان کے ارشاد کی تعمیل میں حکیم صاحب موٹر میں سوار ہو کر دوبارہ اپنے مطب گئے اور تقویت قلب کے لئے مفرح و مقوی ادویہ کی دو چھوٹی چھوٹی پڑیاں لے کر بعجلت تمام واپسی کا قصد کیا، جب ان کی کار کوٹھی کے احاطہ کے صدر دروازہ پر پہنچی، تو لوگوں نے اشارہ سے بتایا کہ پاکستان کے مہرِ علم غروب ہو چکا ہے۔ سب نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔

ایک روایت یہ ہے کہ ۱۳ دسمبر کی صبح کو حضرت علامہؒ کے سینے میں ہلکا سا درد ہوا، نیز آپ کو خفیف سی حرارت تھی، نبض ۹۰ فی منٹ کے حساب سے جاری تھی اور درجہ حرارت ۹۹ تھا۔ آخر ضعفِ قلب کے آثار نے غلبہ پایا اور بہترین طبی امداد کے باوجود آپ نے دنیائے فانی کو خیر باد کہہ دیا۔ مرحوم آخری لمحہ تک باہوش و حواس تھے۔ معلوم ہوا کہ بہاولپور

کے سفر سے پہلے شیخ الاسلام دو بار ملیریا میں مبتلا ہوئے تھے۔

آخری رسوم :

حضرت شیخ الاسلامؒ کی میت کی تجہیز و تکفین کے بعد پہلی نمازِ جنازہ بہاولپور کالج گراؤنڈ (میدان) میں ادا کی گئی جس میں ہزار ہا لوگوں نے شرکت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد جنازہ کو کراچی بھیجنے کے لئے مقامی ریلوے سٹیشن تک بصد اعزاز و اکرام پہنچایا گیا، اس ماتمی ہجوم میں ریاست کے ولی عہد کرنل عباسی بالقابہ وزیر اعظم کرنل ڈرنگ، جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل گریوز، ریاستی وزراء و حکامِ اعلیٰ اور مرحوم کے اعزاء و قرباء نے بھی شرکت کی۔ اسٹیشن پر ریاستی فوج نے علامہ مرحوم کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد ولی عہد اور وزیر اعظم کی موجودگی میں میت کو ریل گاڑی میں رکھا گیا۔ عقیدتمندوں کا بے پناہ ہجوم ٹرین کی چھت پر چڑھ گیا جس نے شیخ الاسلام کی میت کو چھو لینے کی زبردست کوشش کی، اسی وجہ سے گاڑی دو گھنٹے دیر سے روانہ ہو سکی۔ جامعہ عباسیہ کے پرنسپل اور وزیر تعلیم نعش کے ساتھ کراچی تک گئے، جہاں اُنہوں نے دفن کے وقت ریاست کی نمائندگی کی۔ اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور بالقابہ کو سانحۂ ارتحال کی خبر کراچی پہنچی۔ وہ فوراً عازمِ دار الحکومت ہو گئے مگر اس وقت علامہ کی میت ریل گاڑی میں کراچی روانہ ہو چکی تھی اس لئے راستے میں بمقام ڈیرہ نواب صاحب اعلیٰ حضرت نے علامہ مرحوم کی آخری تکریم ادا کی اور میت پر پھول برسائے۔ نیز ایصالِ ثواب کیا۔

قلب پاکستان میں :

اگلے دن ساڑھے نو بجے صبح شیخ الاسلام کی میت ڈرگ روڈ سٹیشن پر (کراچی) پہنچی، جہاں سے ایمبولنس کار کے ذریعہ اسے آپ کے دولت خانہ پر لے جایا گیا۔ دوپہر ہونے تک پچاس ہزار سے زیادہ لوگ علامہ مرحوم کی آخری زیارت سے مشرف ہو چکے

تھے۔ مکان کے سامنے بیشمار فرزندانِ توحید جن میں متعدد وزراء و سفراء اور دیگر اعلیٰ حکام بھی تھے، تلاوت قرآن کریم کر کے مرحوم کو ایصالِ ثواب کرتے رہے۔ دوپہر سے ذرا پہلے جمخانہ گراؤنڈ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جس میں ڈھائی تین لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی جس کے بعد جنازے کا جلوس واپس مرحوم کے دولت کدہ کی طرف روانہ ہوا۔ سعودی سفیر عزت مآب سید عبدالحمید الخطیب اور پاکستان مسلم لیگ کے خازن مسٹر قریشی جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ راستہ میں سب لوگ کلمۂ شہادت کے ورد کے علاوہ اللہ اکبر اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ زندہ باد کے نعرے بھی لگاتے رہے۔ شام کے چار بجے آفتابِ علم ہمیشہ کیلئے زیرِ زمین غروب ہوگیا۔

علامہ مرحوم کا مدفن موصوف کے دولت خانہ کے سامنے ہے، اس مقام پر حکومت نے اپنے پہلے شیخ الاسلام کی یادگار قائم کرنے کے سلسلے میں زمین مختص (الاٹ) کر دی ہے جس پر ایک مسجد اور ایک مکتب تعمیر ہوں گے۔ مولانا عثمانیؒ لاولد تھے۔ آپ نے اپنی ایک بھتیجی کو بیٹی بنا کر پالا جس کی شادی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ہوئی۔ اپنی لے پالک بیٹی اور داماد سے علامہ مرحوم کو غیر معمولی محبت تھی اور یہ دونوں بھی اپنی خدمات کی وجہ سے مرحوم کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے رہے۔ ان کے علاوہ شیخ الاسلامؒ کے پسماندگان میں مرحوم کے تین بھائی شامل ہیں، جن کے ساتھ نہ صرف پاکستان بلکہ اسلامی ہند اور تمام عالمِ اسلام نے اس صدمۂ عظیم میں شرکت کی۔ نیز ان سے مکمل طور پر اظہارِ ہمدردی کیا۔

اعزاز و ماتم :

حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات پر پاکستان اور دیگر ممالک اسلامیہ میں ماتمی ہڑتالیں اور بیشمار تعزیتی جلسے ہوئے، سلاطین وزراء، سفراء، علماء، امراء، نیز سرکاری و غیر سرکاری حکام نے مسلم و غیر مسلم عوام کے علاوہ خاص طور پر اظہارِ حزن و ملال کیا، حضرت

علامہ مرحوم کے اعزاز میں مساجد، منادر اور کلیساؤں میں خاص ماتمی تقریبات منعقد کی گئیں پنجاب یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں جو ۱۹ر دسمبر کو منعقد ہوا یونیورسٹی کے چانسلر عزت مآب سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب نے اعلان فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں "ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ" یعنی "علامہ علومِ شرقیہ" کی ڈگری پیش کی جاتی ہے۔

حضرت علامہؒ کی وفات حسرت آیات پر دنیائے اسلام کے طول و عرض میں جو لاتعداد تعزیتی جلسے اور تقریبیں منعقد ہوئیں، ان میں ماتمی قراردادیں منظور ہو کر اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک جامع قراردادِ تعزیت درجہ ذیل ہے جو آئین ساز مجلس العلماء پاکستان لاہور اور جمعیۃ العلماء اسلام لاہور نے باتفاقِ رائے منظور کی ہے۔ اس کا عنوان ہے ...... "موت العالِم موت العالَم" ......

قراردادِ تعزیت

پیش کردہ و مرتبہ : حضرت مولانا اعجاز احمد عرفان راشدی صابری کان اللہ لہٗ
رکن جمعیۃ علمائے اسلام و آئین ساز مجلس العلماء پاکستان لاہور

لاہور ۱۶ر دسمبر جمعیۃ العلمائے اسلام آج بروزِ جمعہ ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۶۹ھ اپنے تعزیتی جلسے میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر حسبِ ذیل تعزیتی قرارداد منظور کرتی ہے :

(۱) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کے انتقال کی اندوہناک خبر نے عالمِ اسلام کے گوشے گوشے میں رنج و غم کی ایک لہر دوڑا دی ہے جس کے اثر کو ہر حساس اور اہلِ نظر مسلمان نے شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کیلئے یہ سانحۂ عظیم انتہائی

الم انگیز اور صبر آزما ہے کیونکہ یہ مولانا عثمانیؒ کی با اثر شخصیت اور بروقت مذہبی رہنمائی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان کے سیاسی نظریئے کو اسلامی شریعت کی روشنی میں صحیح طور پر سمجھ سکے اور مولانا عثمانیؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ پاکستان بننے کے بعد بھی مولانا عثمانیؒ کی مذہبی رہنمائی اور انتھک کوششوں کا اثر تھا کہ دستور ساز مجلس پاکستان کے اراکین کو شرعی نظامِ حکومت کی اہمیت کا احساس ہوا اور پاکستان کے آئندہ مرتب ہونے والے دستورِ اساسی کے متعلق "قرار دادِ مقاصد" منظور ہوگئی جس کی رُو سے باتفاق رائے اعلان کیا گیا کہ پاکستان کا آئندہ نظامِ حکومت اسلامی شریعت کے بنیادی اُصولوں پر مرتب کیا جائے گا۔ ایسے وقت میں جب دستور ساز مجلس پاکستان آئندہ مرتب ہونے والے دستورِ اساسی کے بنیادی اُصولوں پر غور کر رہی ہے اور خود مولانا عثمانیؒ بنیادی اُصولوں پر غور کرنے والی کمیٹی کے رکنِ اعلیٰ تھے، موصوف کا دنیا سے رُخصت ہو جانا نہ صرف شرعی نظامِ حکومت کے نفاذ کو نا تمام چھوڑ گیا بلکہ آپ کے اُٹھ جانے سے مسلمانانِ پاکستان بالخصوص اور مسلمانانِ عالم بالعموم ایک متقی پرخلوص عالم باعمل اور مذہبی پیشوا کی ہدایات اور رہنمائی سے محروم ہوگئے۔ مولانا عثمانیؒ کے انتقال کر جانے سے مسلمانانِ پاکستان کے مذہبی ماحول میں ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جو آسانی کے ساتھ پُر نہیں ہو سکے گا۔

(۲) مولانا عثمانیؒ جہاں اپنے علمی تبحر، زہد و تقویٰ، تفسیر قرآن اور دیگر علومِ دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، وہاں اسلامی تاریخی و سیاسی روایات سے بخوبی واقف ہوتے ہوئے سیاستِ عالم اور خصوصاً ملکی سیاست کے نشیب و فراز کا کامل تجربہ رکھتے تھے۔ اس لئے مولانا عثمانیؒ کی موت سے نہ صرف مسلمانانِ پاکستان کو بلکہ عالمِ اسلام کو ناقابلِ تلافی

نقصان پہنچا ہے۔

(۳) جمعیۃ علمائے اسلام لاہور قرار دیتی ہے اور پاکستان کے گورنر جنرل الحاج خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان ڈاکٹر لیاقت علی خان اور دستور ساز مجلس پاکستان کے صدر مولوی تمیز الدین خان سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ پاکستان کا آئندہ دستورِ اساسی مرتب کئے جانے کے اس نازک مرحلے پر مولانا عثمانیؒ کے انتقال سے جو خلا واقع ہوگیا ہے اس کو جلد از جلد حضرت مرحوم کے شرکائے کار کے مشورہ سے پُر کرنے کی کوشش کریں اور مجلس پاکستان کے اسی منصب پر فائز کیا جائے جس پر مولاناؒ فائز تھے۔

(۴) اس قرار داد کے ذریعے جمعیت علماء اسلام لاہور دستور ساز مجلس پاکستان کے جملہ اراکین سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ شرعی نظامِ حکومت کی ترتیب و نفاذ کے جس عام فریضے کو مولاناؒ اب تک انجام دیتے رہے ہیں، اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے وہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں اور جس قرار دادِ مقاصد کو مولانا عثمانیؒ نے اپنی انتھک کوششوں سے منظور کرایا ہے، اس کو عملی جامہ پہنانے کی ہر ممکن کوشش سے دریغ نہ کریں۔

(۵) اس قرار داد کے ذریعے جمعیۃ علمائے اسلام لاہور مسلمانانِ پاکستان سے استدعا کرتی ہے کہ مولانا عثمانیؒ کا وہ خواب کہ سرزمینِ پاکستان میں دیوبند اور جامع ازہر کے پیمانے پر ایک دارالعلوم دینیہ قائم کیا جائے جو اسلام کی سب سے بڑی دینی درسگاہ کی حیثیت سے دینیات کے طلبا کو سیراب کر سکے، اس خواب کو پورا کرنے اور مولانا عثمانیؒ کی روح کو ثواب پہنچانے اور ایک دینی یادگار کے سرچشمۂ فیض کے ذریعہ مولانا کے حق میں صدقہ جاریہ قائم کرنے کا اب یہی طریقہ ہے کہ دینداری، ذی مقدرت اور بااثر مسلمان مل کر کراچی یا لاہور جہاں مناسب تجویز ہو، ایسے دارالعلوم دینیہ کی بنیاد ڈالنے کے لئے اپنی

خدمات پیش کریں۔

(۶) اخیر میں جمعیۃ علمائے اسلام مولانا عثمانیؒ کی اہلیہ، داماد اور خاندان کے جملہ افراد متعلقین اور پسماندگان سے ان کے رنج وغم میں بہ صمیم قلب اظہارِ تعزیت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہے کہ وہ مولانا عثمانیؒ کی روح کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

پاکستان سے اسلامی ہند کی تعزیت

استاذ العلماء علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارح صحیح مسلم و مفسر قرآن کا غم آج سارے عالم اسلامی کا غم ہے۔ حق ہے کہ آج تعزیت دنیائے اسلام سے بشمول ہندوستان کی جائے اور پاکستان سے تو علی الخصوص حکیم الامت تھانویؒ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی ذات اب اپنے رنگ میں فرد رہ گئی تھی۔ افسوس ہے کہ آج یہ بڑی نعمت بھی ہندوستان اور پاکستان سے اُٹھ گئی۔ دیوبند اور ڈابھیل دونوں مدتوں علامہ کے غم میں اشکبار رہیں گے، بخاری کی شرح تو عمدۃ القاری کے نام سے علامہ عینی حنفی مدت ہوئی لکھ چکے تھے لیکن صحیح مسلم کا قرض حنفیہ پر صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ مولانا ہی کی ذات تھی کہ فتح الملہم کے نام سے مبسوط و مستند شرح لکھ کر دنیائے حنفیت سے فرضِ کفایہ ادا کر دیا پھر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ترجمۃ القرآن پر ان کے جو فاضلانہ، محققانہ حاشیے ہیں، وہ بھی بھولنے والی چیز نہیں، اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش تقریر واعظ، محدث و مفسر سب ہی کچھ تھے اور درس و تدریس کی خدمات اس سلسلہ کے علاوہ حق تعالیٰ اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج نصیب کرے۔ مہاجرت کی موت یوں بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے، چہ جائیکہ وطنِ اقامت (کراچی) سے بھی دُور بہاولپور میں۔ (از قلم مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

رحلتِ شبیرؒ

ایک چکر فلک نے اور دیا
موت کی زد میں آگئے شبیر
خون روتے ہوئے ستاروں کے
منہ سے نکلا کہ ہے مسلم دلگیر!
بُجھ گیا تیری انجمن کا چراغ — اُٹھ گیا ایک اور عالی دماغ

(حافظ امرتسری)

تاریخِ رحلت

ز دنیا رفت چوں شبیر احمدؒ
بپا شد ماتمے از روم تا شام
چوں سال رحلتش پرسند نامیؔ
بگو مردِ مجتہد شیخ الاسلام

۱۳۶۹ھ

(از قلم پیر غلام دستگیر صاحب نامیؔ)

وَلَہٗ

مرتحل شد چوں شیخ عثمانیؒ — دلِ ما شد ز تیغِ غم دو نیم
گفت نامی بسالِ رحلتِ او — شیخ الاسلام قدوۂ اقلیم

۱۳۶۹ھ

از ! صوفی شیدا کاشمیری

وفاتِ امامِ ملتؒ

امیرِ قوم وہ شبیر احمدؒ عاملِ قرآن
فروغِ ملتِ بیضا ! چراغِ محفلِ عرفان
رموزِ دین کا ماہر ، عزم و استقلال کا پیکر
جو پاکستان میں تھا عالمانِ دین کا سلطان
منور جس کے فیضِ علم سے تھی شمعِ ایمانی
گنہ گارانِ ملت میں تھا بیشک صاحبِ ایمان
ہوا خاموش آغوشِ اجل میں وائے ناکامی
غلامِ خواجۂ یثرب ندیمِ قومِ پاکستان
ہے قانونِ الٰہی گرچہ کل من علیھا فان
فنا ہوتا نہیں لیکن نشانِ بندۂ یزداں
ذہانت میں فطانت میں بصیرت میں لیاقت میں
نہ ہمسر اُس کا پیدا کر سکے گی گردشِ دوراں
رہے گی چشمِ ملت محوِ گریہ دیکھنا شیدا ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا''



باب : ۸

منظومِ خراجِ عقیدت

پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ

بیادِ شیخ الاسلام

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

نام تھا شبیر احمد اور عثمانی بھی تھے
یعنی عثمانِ غنی کے سلسلے کے فرد تھے
اُن کی سادہ لوحی پر خود رشک فرما تھی حیات
سرزمینِ پاک پر وہ ایک ایسے مرد تھے

....

قائدِ اعظم کی خواہش پر وہ آئے تھے یہاں
شہرِ قائد جگمگا اُٹھا اُنہی کے نام سے
اس نئے انداز سے تفسیر قرآں کی لکھی
خود خدا بھی مسکرایا ہوگا ایسے کام سے

....

اِک مقالہ لکھ گئے وہ ایسی علمی شان سے
اب بھی ہے علم و ادب میں باعثِ صد افتخار
اے تبسم اُس کی میں تعریف میں اب کیا لکھوں
علم کی رعنائیاں خود اُس پہ ہوتی ہیں نثار

اُن کے منظور و شفیع یٰسینؒ[1] بھی اُستاد تھے
علم وہ اُن کو دیا جو آج جانِ علم ہے
صرف اُستادِ خصوصی تھے اسیرِ[2] مالٹا
جس پہ خود نازاں تھے اُن کو وہ ہنر دے کر گئے

....

جس نے سوچا آج بھی وہ ورطۂ حیرت میں ہے
چھوڑ کر اپنا وطن کیسے یہاں وہ آگئے
زندگی جس نے گذاری تھی کڑے حالات میں
علم کی خوشبو سے ارضِ پاک کو مہکا گئے

....

ایسا عالم ہم نے پایا تھا جو ہم نے کھو[3] دیا
ایسا عالم اے تبسم اب کہاں سے لائیں گے
اُن کی باتوں سے ہمیں ملتی تھی جو آسودگی
دولتِ آسودگی وہ ہم کہاں سے پائیں گے

....

دوڑتا پھرتا ہے جو رگ رگ میں پاکستان کی
اس مجسم علم و حکمت کا وہ تازہ خون ہے
کل تلک جو مرجعِ مخلوق تھا وہ حق شناس
گوشۂ اسلامیہ کالج[4] میں اب مدفون ہے۔

....

[1]: منشی منظور احمدؒ مفتی محمد شفیعؒ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد یٰسین۔[2]: شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔[3]: ہم اُن کے علم و فضل سے کچھ فیض حاصل نہ کر سکے (یہی بات کھونے کے مترادف ہے)۔[4]: اسلامیہ کالج کراچی۔

پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی یاد میں

گلہائے عقیدت

رہبرِ راہِ شریعت راہ دکھلاتا رہا
منزلِ مقصود تک ملت کو پہنچاتا رہا

ترجمانِ فقہ و تفسیر و حدیث مصطفیٰؐ
آفتابِ علمِ دیں دنیا کو چمکاتا رہا

لکھ کے شرح مسلم و تفسیر قرآنِ کریم
امت اسلام پہ احسان فرماتا رہا

تھا زباں پر اس کی قال اللہ اور قال الرسولؐ
نغمہائے سنت و قرآں سدا گاتا رہا

رحمۃ اللعالمین کے دین کی لے کر ضیاء
اپنے علم و فضل کے انوار برساتا رہا

حکمتِ رازیؒ و اسرارِ غزالیؒ کا امیں
حکمت و اسرار کے عقدوں کو سلجھاتا رہا

تھا زباں قاسمؒ کی اور روح ولی اللہ تھا
جس پہ محمود حسنؒ بھی فخر فرماتا رہا

تھا لسان الغیب انور شاہؒ کی نظروں میں وہ
غیب کے مضموں ہمیں آنکھوں سے دکھلاتا رہا

یاد ہے ابتک تری شیریں کلامی جس سے تو
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتا رہا

تجھ پہ نازاں ہے ترا دارالعلوم دیوبند
مادرِ علمی پہ تو بھی ناز فرماتا رہا

اہلِ پاک و ہند تیری ذات کے ممنون ہیں
جن پہ اپنے فیض کی بارش تو برساتا رہا

تھا صداقت اور حق گوئی ترا شیوہ سدا
حق بیاں کرتا رہا باطل کو ٹھکراتا رہا

کیا ہی نعمت تھی مگر علامہ عثمانیؒ کی ذات
پھول بن کر گلشن ہستی کو مہکاتا رہا

وہ ہوئے دنیا سے کیا رخصت کہ انوار الحسن
زندگی کا لطف جینے کا مزا جاتا رہا

....

ماہنامہ ''ساحل'' کراچی

جدید دور کے جدید ترین مضامین پر مشتمل رسالہ' سولہ' سترہ سال سے علمی' دینی' اصلاحی' فلاحی اور تحقیقی حلقوں میں یکساں مقبول' سلیس' رواں' تخلیقی اور ادبی تحریروں کا حسین مرقع...... ساحل کیلئے کچھ ایثار بھی تو کیجئے۔

ساحل ایک نئے عہد کا آغاز کر رہا ہے۔ ساحل اندھیرے میں ننھا سا دیا، چھوٹا سا جگنو ہے۔ اس جگنو کو آپ کے علمی وعملی تعاون کی ضرورت ہے۔ ساحل آپ سے نہ چندہ مانگتا ہے نہ مالی تعاون طلب کرتا ہے نہ آپ پر بوجھ ڈالنا چاہتا ہے اسے صرف آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔

اس کے وسائل محدود ہیں لہٰذا ملک بھر میں ساحل کی تقسیم و ترسیل کا مکمل نظام قائم کرنا ممکن نہیں' اس کے قارئین کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ہم یہ رسالہ ان تک پہنچانے سے قاصر ہیں کیونکہ ڈاک کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ ساحل پاکستان کا واحد رسالہ ہے جس کی قیمت گزشتہ دس سال سے صرف دس روپے ہے اس لئے کہ ہم لاگت سے بھی کم قیمت پر اس رسالے کی تقسیم و ترسیل کرتے ہیں۔ یہ رسالہ دولت کمانے اور عزت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں یہ آخرت کو بہتر بنانے کی حقیری کوشش ہے۔

یہ رسالہ ایک ننھا سا دیا ہے، ایک حقیر کوشش ہے، دریا کی ایک ننھی سی لہر سمندر کی ایک چھوٹی سی موج اور ایک لرزتی ہوئی کرن جو دنیا میں حق کی روشنی کو عام کرنا چاہتی ہے۔ اس کار خیر میں آپ بھی حصہ بنئے، ستائش اور صلے کی تمنا کے بغیر بے لوث طریقے سے' پورے شعور کے ساتھ اور اخلاص کی گہرائیوں سے آج ہی خط لکھیے اور رسالہ سے استفادہ کیجئے۔

رابطہ کیلئے:- بی-۴۲۶- سیکٹر الیون- اے نارتھ کراچی

جریدہ

خصوصی اشاعت (۳۰)

جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ کی جانب سے عہد ساز تحقیقی و تجزیاتی مطالعات پر مشتمل ''جریدہ'' کی تیسویں (۳۰) خصوصی اشاعت منظر عام پر آگئی ہے جو غیر مطبوعہ کتابیں نمبر کی دوسری جلد ہے۔ بروشسکی اردو لغت' زبانوں کے قتل عام کی تاریخ' عبدالقادر بیدل اور عالمی ادبیات اس پرچے کے خصوصی اہداف ہیں۔ معروف ادیب' مفکر' دانشور اور عصر حاضر کے محقق جناب سید خالد جامعی کا مرتب کردہ یہ عظیم تاریخی جریدہ' ایک تحقیقی اور تخلیقی دستاویز ہے۔ مغربی افکار و اقدار' تہذیب وتمدن اور مغرب کی چیرہ دستیوں کا بھرپور تعاقب ہے، فکر وعقل اور سوچ وتدبر کے ساتھ لکھی جانی والی جامع' مدلل اور مفصل تحریریں' دلچسپ اور فکر ودانش کو اپیل کرنی والی ہیں۔ جناب سید خالد جامعی اور ان کے رفقاءِ کار صد ہزار ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔ ان کی یہ عظیم تحقیقی کاوش تاریخ کا روشن باب ہے۔ زر تعاون ۳۰۰ روپے واجبی قیمت ہے۔

رابطہ کیلئے :- شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ جامعہ کراچی

اکابر دیوبند سے متعلق عظیم علمی و تاریخی تصانیف

حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری کے قلم سے

۱۔ چالیس بڑے مسلمان (۲ جلد)
اکابر علماء و مشائخ کے حالات و واقعات اور خدمات پر مشتمل تیرہ سو صفحات کی عظیم تاریخی دستاویز
ناشر: ادارۃ القرآن لسبیلہ چوک کراچی

۲۔ تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین
تحریک آزادیٔ ہند و پاک کے عظیم و نامور مجاہدین علماء کی علمی تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی شاندار کارناموں پر مشتمل ساڑھے آٹھ سو صفحات کی عظیم علمی تالیف۔
ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ فوارہ چوک ملتان شہر

۳۔ بیس علماءِ حق
پاک و ہند کے بیس جلیل القدر علماءِ حق کے شاندار کارناموں اور حالات و خدمات پر مشتمل علمی شاہکار۔
ضخامت: 700 صفحات
ناشر: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

۴۔ اکابر علماءِ دیوبند
ڈیڑھ سو سے زائد اکابر علماءِ دیوبند کے حالات و کمالات اور خدمات جلیلہ کا جامع تذکرہ۔
صفحات 600 تقریبا
شائع کردہ: ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور

۵۔ کاروانِ تھانویؒ
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے وابستہ دو صد ممتاز علماء و اولیاء کے حالات و واقعات کا حسین مرقع۔
ناشر ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی نمبر ۱۴

۶۔ خطباتِ شیخ الاسلام عثمانیؒ
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
ناشر: ادارۃ القرآن لسبیلہ چوک کراچی

۷۔ خطباتِ مفتی اعظمؒ
حضرت مفتی اعظم محمد شفیع صاحبؒ

۸۔ تذکرہ مفتی اعظم پاکستان
مفتی محمد شفیع صاحبؒ

۹۔ ذکرِ طیبؒ
حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیبؒ
ناشر: ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور

۱۰۔ خطباتِ ادریسؒ
شیخ المحدثین علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ

۱۱۔ خطباتِ مالکؒ
مولانا محمد مالک کاندھلویؒ

۱۲۔ تذکرہ اولیائے دیوبند
قریباً ۱۰۰ اکابرین کا تذکرہ
ناشر: مکتبہ رحمانیہ اقرا سنٹر اردو بازار لاہور

۱۳۔ تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان
سوانح علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

۱۴۔ حیاتِ احتشامؒ
سوانح مولانا احتشام الحق کاندھلویؒ

۱۵۔ سو بڑے علماء
سلسلۂ اشرفیہ کے سو اکابر علماء کا تذکرہ

۱۶۔ خطباتِ احتشامؒ (۲ جلد)
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

۱۷۔ خطباتِ اکابرؒ
ایک سو سے زائد اکابر علماء کے خطبات

۱۸۔ مفتی محمد حسنؒ اور اُن کے خلفاء
مفتی محمد حسن امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور
ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ فوارہ چوک ملتان

۱۹۔ تحریک پاکستان اور علماءِ دیوبند
ایک عظیم الشان تاریخی شاہکار

۲۰۔ سیرتِ بدرِ عالمؒ
سوانح حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی
ناشر: ایچ ایم سعید کمپنی پاکستان چوک کراچی

۲۱۔ ذکرِ متینؒ
تذکرہ مولانا محمد متین خطیبؒ

۲۲۔ سوانح خلیلؒ
حضرت مولانا مفتی محمد خلیل

۲۳۔ ذکرِ خیر محمدؒ
تذکرہ مولانا خیر محمد جالندھریؒ

۲۴۔ اکابرین مجلس صیانۃ المسلمین
تقریباً ۱۵۰ اکابر کا تذکرہ

۲۵۔ مفتی اعظم پاکستان اور اُن کے ممتاز خلفاء

۲۶۔ مقالاتِ مفتی اعظمؒ
حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

۲۷۔ خطباتِ طیبات
حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ

۲۸۔ یادِ شریفؒ
تذکرہ مولانا محمد شریف جالندھریؒ

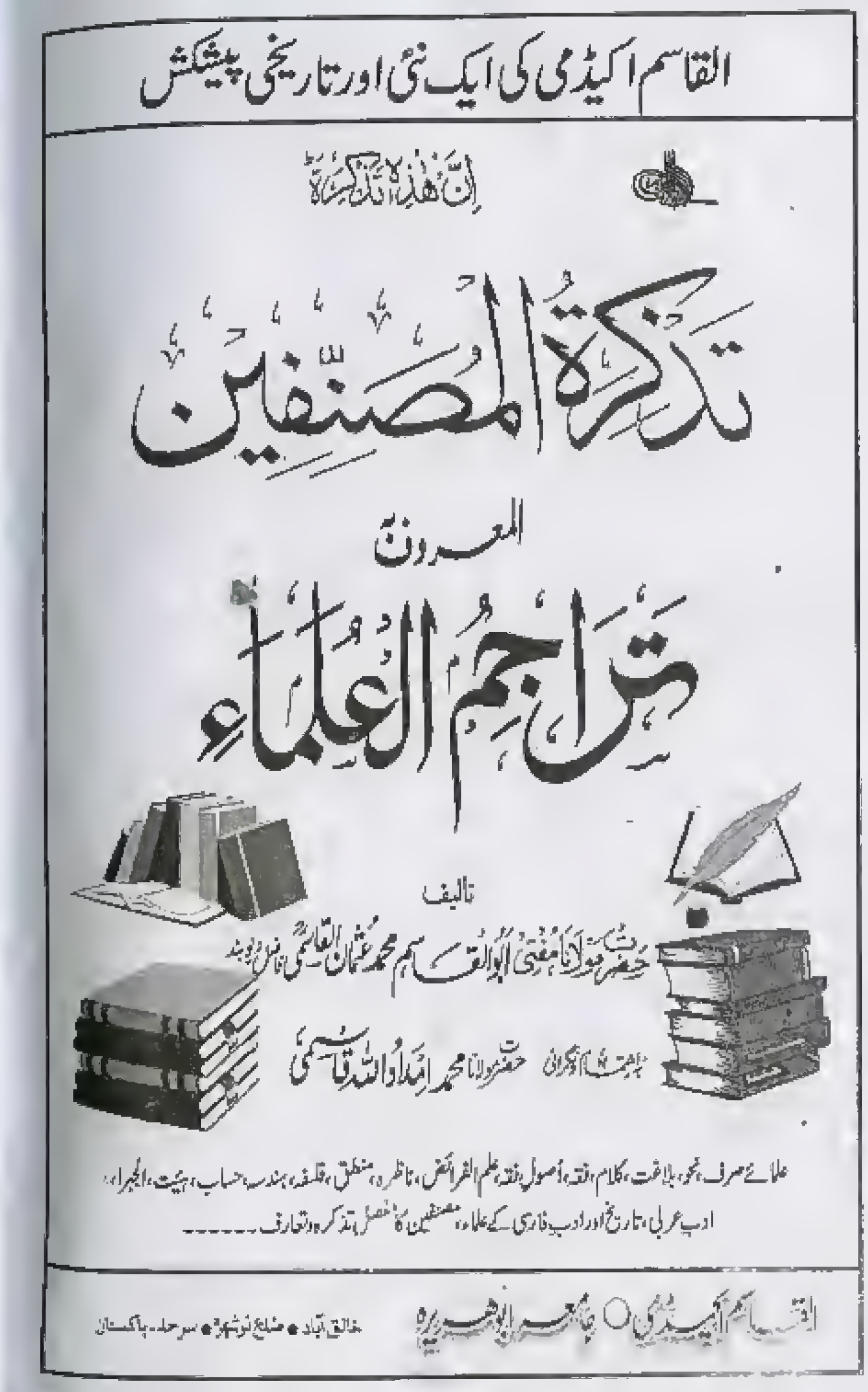
۲۹۔ پچاس مثالی شخصیات
دار العلوم دیوبند کے ۵۰ اکابر کا تذکرہ

۳۰۔ آپ بیتی گیلانیؒ
سید مناظر احسن گیلانیؒ
ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان

۳۱۔ بیس علمائے ربانی
بیس مشاہیر علماءِ دیوبند کا مفصل تذکرہ۔

۳۲۔ مقالاتِ ترمذیؒ
مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ

رابطہ کیلئے: سید محمد اکبر شاہ بخاری
ناظم اعلیٰ مرکز تبلیغ مجلس صیانۃ المسلمین مدرسہ اشرفیہ جامع مسجد عثمانیہ جامپور ضلع راجن پور (پنجاب)



القاسم اکیڈمی کی ایک نئی اور تاریخی پیشکش
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ
تذکرۃ المصنفین
المعروف
تراجم العلماء
تالیف
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عثمان القاسمی فاضل دیوبند
زیر اہتمام نگرانی حضرت مولانا محمد امداد اللہ قاسمی
علمائے صرف، نحو، بلاغت، کلام، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض، مناظرہ، منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب، ہیئت، الجبرا،
ادب عربی، تاریخ اور ادب فارسی کے علماء، مصنفین کا مفصل تذکرہ و تعارف ------
القاسم اکیڈمی ○ جامعہ ابوہریرہ
خالق آباد ● ضلع نوشہرہ ● سرحد ۔ پاکستان


خصائل اور سیرت نبوی ﷺ پر
مولانا عبدالقیوم حقانی
کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں
نام کتاب
صفحات
① جمال محمد کا دلربا منظر ۲۰۶
② روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں ۱۵۲
③ ماہتاب نبوت ﷺ کی ضو افشانیاں ۲۱۰
④ آفتاب نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں ۲۰۲
⑤ محبوب خدا ﷺ کی دلربا ادائیں ۱۹۷
⑥ محبوب خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال ۱۸۷
⑦ خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر ۱۲۲
⑧ شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع ۱۵۳
القاسم اکیڈمی
جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

مولانا
عبدالقیوم حقانی کی تصنیفات

